فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ

(جو نیک بیبیاں ہیں بات مانتی اور مردوں کی پیٹھ پیچھے ہر طرح کی خبر رکھتی ہیں)

مرآۃ العروس

از تصنیف فاضل اجل جناب خان بہادر شمس العلماء ڈاکٹر

مولوی حافظ نذیر احمد مرحوم ایل ایل۔ ڈی، ڈی۔ او۔ ایل

جس کے تصنیف کرنے سے

عورتوں کی اصلاح حالت اور تمدن میں ان کو زیادہ تر بکار آمد بنانا مقصود ہے

اور جس کے صلے میں

ایک ہزار روپیہ بطور انعام گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی نے مرحمت فرمایا

مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم اور اصلاح اور تحشیہ اور قرارداد فصول اور تجدید رجسٹری کے بعد

حسب فرمائش

محمد مسلم احمد ایم۔ اے۔ نبیرۂ مصنف

 راقم نثار احمد شیر کوٹی ۱۵ اشعہ قیمت 2/8

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ[1]

جناب معالی انتساب افضل العلماء ایم کیمپسن صاحب بہادر ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن ممالک شمال و مغرب

مجھ کو اس کتاب کے پہنچنے سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ یہ کتاب سرکار کے ایک ملازم ذی لیاقت اور عالم با استعداد کی تصنیف سے ہے مشارالیہ اُن دو تین ہندوستانی اشخاص میں سے ہے جن کو سر جارج اڈمنسٹین صاحب لفٹنٹ گورنر سابق نے چند سال ہوئے اُردو زبان میں مجموعۂ تعزیرات ہند کا ترجمہ کرنے کے لئے منتخب کیا تھا چنانچہ اس خدمت کے جلدو[2] میں خلعت حاصل کیا اور اُس وقت سے سررشتہ مال میں عمدہ عہدوں پر مامور ہے۔ یہ کتاب نہایت دلچسپ اور اس ملک کے لوگوں کے مناسب حال ہے اب تک اس قسم کی کتاب کوئی نہیں ہوئی اور عبارت اور طرز بیان کی نظر سے زبان اُردو کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔ کتاب مذکور اس باب میں مرزا نوشہ دہلوی متخلص بہ غالب کے حال کے چھپے ہوئے رقعات کے برابر ہے اور فی الواقع الف لیلہ اور بدرالدین خاں دہلوی کی بوستانِ خیال کی اُردو کے ہم پلہ ہے۔ نذیر احمد کی یہ تصنیف روزمرہ کے پڑھنے کے لائق اور عام فہم ہے اور اس کا مطلب صاف اور عمل کرنے کے قابل ہے۔ اس میں مضامین عاشقانہ اور نازک خیالات جن کو اُس ملک کے مصنّف اپنی شہرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں نہیں ہیں۔ اور مجھ کو اُمید ہے کہ اور بہت لوگ بھی اس مصنّف کی تقلید کریں گے۔

انتخاب ڈاکٹ نمبری ۹۲۵ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۶۹ء مقام نینی تال یہ کتاب ظاہرا عورتوں کے فائدے کے واسطے تالیف کی گئی ہے اور اس میں اہلِ اسلام

---

[1] کتاب کی تعریف میں جو کچھ لکھا جائے اس کو تقریظ کہتے ہیں۔ [2] عوض۔ صلہ ۱۲

کے ایک شریف خاندان کا ایک فرضی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ کل قصہ شرفا کی زبان روزمرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہی اس ملک کی اصل اُردو ہے۔ نہ وہ جس میں نمائش کے لیئے بڑے بڑے الفاظ اور مضامین رنگین بھر دیئے جائیں حالات ایسے ایسے واقعی لکھے ہیں جو ہر ایک عورت کو سسرال میں پیش آیا کرتے ہیں اور زنان خانے کے وہ طور اور طریق بیان کئے ہیں کہ جو اہلِ یورپ اس کو پڑھے گا اس ملک کی عورتوں کے روزمرّہ حالات کی کسی قدر واقفیت اوّل اسی کتاب سے حاصل کرے گا۔ عورتوں کی زبان اور اُن کی رغبت اور نفرت اور بچوں کا لاڈ پیار اور امور خانہ داری میں عورتوں کا اختیار اور اُن کی جہالت محض اور حسد اور مکر اور فریب یہ سب اس کتاب سے خوب عیاں ہوتے ہیں اور بیان سے کوئی علامت مبالغہ کی نہیں پائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ مصنف نے اصل حقیقت بیان کی ہے اور قصے کی نصیحت نفس قصہ سے نکلتی ہے۔ مشارٌ الیہ کی لیاقت علمی مشہور و معروف ہے لیکن اس نے اس کتاب میں اس کے اظہار کا قصد نہیں کیا اور جابجا جو خیالات اُس نے لکھے ہیں اُن سے صداقت اور طبیعت کی راستی پائی جاتی ہے۔ جن اشخاص کا مذکور اس قصے میں ہے وہ پڑھنے والے کو ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا ان کی نقل ہو رہی ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں کسی ہندوستانی مصنّف نے اس سے پہلے بجائے لفاظی اور مداحی کے بات چیت اور گفت و شنید سے اصل حقیقت کو ایسا ادا نہیں کیا۔

جس وقت یہ کتاب مشہور ہو گی سینکڑوں آدمی اس کو شوق سے پڑھیں گے اور ممکن نہیں کہ تعلیم نسواں کے لئے فائدہ مند نہ ہو۔ (انتخاب یادداشت)

تقریظ

جناب مستطاب معلی القاب نواب سر ولیم میور صاحب بہادر کے سی ایس۔ آئی لفٹنٹ گورنر ممالک شمال و مغرب

جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے کتاب مراۃ العروس کو ملاحظہ فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔ یہ کتاب اس رتبے کی ہے کہ نواب ممدوح کے نزدیک اردو میں کوئی اور کتاب اس کی ثانی نہیں ہے اور جو تعریف صاحب ڈائرکٹر بہادر نے لکھی ہے واقع میں یہ کتاب اس کے لائق ہے۔ حالات بعینہٖ مثل سرگذشت واقعی کے ہیں اور زبان سلیس اور بلا تصنّع ہے اور ہندوستانیوں کی خانہ داری کے معاملات راست راست مطابق حقیقت بیان کیے گئے ہیں اور جن اشخاص کا مذکور اس میں ہے ان میں سے ہر ایک کی طینت[۱] کا حال اس سے جدا جدا ظاہر ہوتا ہے اور جا بجا بلا تصنع دل پر موثر ہونا اور گداز طبیعت پیدا کرنا بھی اس سے پایا جاتا ہے اور ہر ایک واقعے سے تہذیب اخلاق یا حسنِ معاشرت کی ایک نصیحت نکلتی اور یہ بات بھی اس سے بخوبی روشن ہوتی ہے کہ ہندوستان میں مستورات کو معاملات خانہ داری میں بہت سا دخل ہے اور جب کہ ذہانت اور نیک ذاتی پر اثر تعلیم مستزاد ہو تو وہ اختیار نہایت عمدہ نتیجوں کا موجب ہو سکتا ہے اور یہ ہرگز خیال میں نہیں آتا کہ ہندوستانیوں میں سے کوئی مرد شریف اس کتاب کا مطالعہ کرے اور مستورات کی تعلیم سے جو فوائد بے شمار ہوتے ہیں وہ اس کے دل پر کالنقش فی الحجر[۲] نہ ہو جائیں۔

۱۔ طبیعت۔ ۲۔ پتھر کی لکیر۔

علاوہ بریں اس کتاب میں ایک عجیب وصف یہ ہے کہ ہندوستان کی مستورات کے پڑھنے کے واسطے بہت مناسب ہے۔ ممکن نہیں کہ ان کو مرغوب خاطر نہ ہو اور ان کی عقل و دانش کی اصلاح نہ کرے اور کسی شریف ہندوستانی کو اپنے خاندان میں اس کتاب کے پڑھانے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اس میں ان کا دل بھی لگے گا اور فائدہ علمی بھی حاصل ہوگا۔ تمام کتاب میں کوئی مضمون ایسا نہیں جو پاکیزہ اور پرازتہذیب نہ ہو یا جس سے کسی ایسے قاعدے یا اصول کی تعلیم نہ ہوتی ہو جو خاص کر اہلِ اسلام کے نزدیک عیب سے بری اور نیکی سے مملو ہے۔ محمد نذیر احمد کی بڑی تعریف اس بات کی ہے کہ اس نے راستی کی جانب ایک نئی راہ نکالی ہے اور سادہ و سلیس عبارت میں تصنیف مفید اور دلچسپ کا نمونہ دوسروں کے واسطے پیدا کردیا ہے۔ جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کو یقین ہے کہ بہت لوگ جلد اس طرز کی تقلید کریں گے۔ جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کو ایک نوع خاص کی خوشنودی محمد نذیر احمد کو پورے ایک ہزار روپے کے انعام کے عطا کرنے میں ہے بلکہ از راہ قدردانی خود اپنی جیبِ خاص سے ایک گھڑی جس پر الفاظ مناسب کندہ ہوں گے عطا فرمائیں گے اور امید رکھتے ہیں کہ یہ صلہ محمد نذیر احمد کو کسی مقام پر جو مشارٌ الیہ کے لئے سہولت کی جگہ ہو یعنی شاید مقام اٹاوہ جب کہ نواب محتشم الیہ کا لشکر اس مقام سے ہو کر گزرے سرِ دربار عنایت فرمائیں۔

حکم دیا جائے کہ سرکار کے واسطے دو ہزار نقلیں پتھر کے چھاپے کی نہایت پسندیدہ طرز کی جلد مطبوع ہوں اور محمد نذیر احمد کو اجازت ہے کہ اس کتاب کا حقِ تصنیف حاصل کرنے اور اپنی طرف سے اس کے چھپوانے کے لئے بھی تدابیر مناسب عمل میں لائے یقین ہے کہ یہ کتاب بہت شہرت پکڑے گی گو اس کی عبارت سادہ سلیس دیسی زبان کے پڑھنے والوں کی نظر میں اولاً بے زینت اور نئی نئی معلوم ہو جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کی

دانست میں مناسب ہے کہ اس کتاب کے لئے صاحبان بورڈ ممتحن کی خدمت میں سفارش کی جائے کہ امتحان میں داخل کرنے کے لائق ہے۔ اس ملک کی عام مروجہ حکایات بے لطف کے مقابل میں کہ وہ اکثر قابل اعتراض بھی ہیں۔اس کتاب کے نہایت عمدہ مضامین سے پڑھنے والوں کو نہ صرف یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ سلیس اور فصیح روزمرہ سے واقفیت حاصل ہو بلکہ امور خانہ داری میں بھی بہت واقفیت پیدا ہو گی اور ممکن نہیں کہ جن لوگوں کو بوجہ اپنے مناصب کے لوگوں سے کام پڑتا ہے۔ ان کے لئے پیچیدہ معاملات میں بکار آمد نہ ہو۔

{ انتخاب چٹھی گورنمنٹ نمبری ۱۲۳۶-الف
مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۶۹ء مقام نینی تال }

اطلاع

اس سلسلہ کی دیگر کتب میں بنات النعش کے بعد اقبال دلہن. حسن معاشرت اور اصلاحِ معیشت کو جگہ دی جاتی ہے۔ یہ کتابیں اسم با مسمیٰ اور اصلاحِ نسواں کا ایک مکمل اور لاجواب درس ہے ان کو پڑھنے کے بعد نسوانی دنیا میں وہ چمک اور روشنی پیدا ہوتی ہے کہ عالم زندگی منور ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر بچی کو ان کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ قیمت درج ذیل ہے۔

بنات النعش	دو روپے آٹھ آنے ؏	حسن معاشرت	ایک روپیہ چار آنے ؏
اقبال دلہن	" ؏	اصلاح معاشرت	" آٹھ آنے ؏

محمد مسلم احمد نبیرۂ مصنف (دہلی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

خداوند کریم کا شکر اپنی گویائی کی بساط[1] بھر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی بندہ نوازیوں اور ہزاروں لاکھوں نعمتوں کی مکافات[2] کا حوصلہ[3]۔ چھوٹا منہ بڑی بات[4]! پیغمبر صاحب کی مدح اپنی ارادتِ[5] ناقص کی قدر تو بن ہی نہیں پڑتی۔ اُن کی شفقتوں[6] اور دل سوزیوں[7] کی تلافی[8] کا دعویٰ۔ اتنی سی جان گز بھر کی زبان[9]۔

حمد و نعت[10] کے بعد واضح ہو کہ ہر چند اس ملک میں مستورات[11] کے پڑھانے لکھانے کا رواج نہیں مگر پھر بھی بڑے شہروں میں خاص خاص شریف خاندانوں کی بعض عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ مذہبی مسائل اور نصائح[12] کے اردو رسالے پڑھ پڑھا لیا کرتی ہیں۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں بھی دہلی کے ایک ایسے ہی خاندان کا آدمی ہوں خاندان

---

[1] بساط اصل میں تو بچھونے کو کہتے ہیں پھر مطلق پھیلاؤ کے لئے بولنے لگے یہاں یہی معنی مراد ہیں یعنی ہماری گویائی میں جس قدر پھیلاؤ ہے اور ہم میں بولنے کی جتنی طاقت ہے اتنا بھی نو ادا نہیں ہو سکتا۔ [2] بدلہ۔ [3] بڑے کام کا ارادہ کر بیٹھنا۔ [4] یہ مشہور کہاوت ہے اور ایسے ہی محل پر بولی جاتی ہے۔ [5] عقیدت مندی۔ [6] مہربانیوں [7] لفظی معنی تو دل کے جلانے کے ہیں اگر مثلاً زید خالد کے ساتھ سچی محبت رکھتا ہے تو خالد کی خرابیاں دیکھ کر زید کو سخت رنج ہوتا ہے اس مطلب کے ادا کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زید کا دل جلتا ہے۔ مراد ہے مہربانی خیر خواہی۔ [8] مکافات اور تلافی دونوں مرادف یعنی ہم معنی ہیں۔ [9] یہ بھی اردو کی مثل ہے۔ [10] حمد و نعت اور مدح تینوں لفظوں کے ایک ہی سے معنی ہیں تعریف۔ مگر حمد خدا کے لئے خاص ہے۔ [11] اصل میں پردہ نشین عورتوں کو کہنا چاہیے مگر مطلق عورتوں کو بھی کہنے لگے ہیں۔ [12] نصیحت کی جمع۔

کے دستور کے مطابق میری لڑکیوں نے بھی قرآن شریف اس کے معنی اور اردو کے چھوٹے چھوٹے رسالے گھر کی بڑی بوڑھیوں سے پڑھے۔ گھر میں رات دن پڑھنے لکھنے کا چرچا تو رہتا ہی تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ ہم مردوں کی دیکھا دیکھی لڑکیوں کو بھی علم کی طرف ایک طرح کی خاص رغبت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھ کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ نرے مذہبی خیالات بچوں کی حالت کے مناسب نہیں اور جو مضامین[1] ان کے پیش نظر رہتے ہیں ان سے ان کے دل افسردہ[2]، ان کی طبیعتیں منقبض[3] اور ان کے ذہن کند[4] ہوتے ہیں۔ تب مجھ کو ایسی کتاب کی جستجو ہوئی جو اخلاق[5] و نصائح سے بھری ہوئی ہو اور ان معاملات میں جو عورتوں کی زندگی میں پیش آتے ہیں اور عورتیں اپنے توہمات[6] اور جہالت[7] اور کج رائی[8] کی وجہ سے ہمیشہ ان میں مبتلائے رنج و مصیبت رہا کرتی ہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح اور ان کی عادات کی تہذیب[9] کرے اور کسی دلچسپ پیرائے میں ہو جس سے ان کا دل نہ اکتائے طبیعت نہ گھبرائے۔ مگر تمام کتاب خانہ چھان مارا[10] ایسی کتاب کا پتہ نہ ملا پر نہ ملا۔ تب میں نے اس قصہ کا منصوبہ باندھا۔ تین برس ہوئے جب میں جھانسی[11] میں تھا کہ اکبری کا حال قلمبند کیا۔ لڑکیوں کو تو اس کا وظیفہ[12] ہو گیا اور ہر روز ختم کتاب کا تقاضا شروع کیا یہاں تک کہ ڈیڑھ برس میں اصغری کا حال بھی لکھا گیا۔ ہوتے ہوتے اس کتاب کا چرچا محلّے میں ہوا اور چند عورتیں اس کے سننے کو آئیں۔ جس نے سنا

---

[1] مضمون کی جمع ہے یعنی لڑکیوں کو جو کتابیں پڑھائی جاتی اور پڑھنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھیں ان کتابوں کے مطالب۔ [2] بجھے ہوئے۔ [3] رکی ہوئی بند۔ [4] ٹھیٹ ترجمہ معنی اصل میں اس کا استعمال دھار میں کیا جاتا ہے کہتے ہیں چاقو کی دھار کند ہو گئی۔ [5] خلق کی جمع یعنی مطلق عادات۔ لیکن اچھی عادتوں میں استعمال کیا جاتا ہے [6] وہم سے نکلا یعنی وہ باتیں جن کی کچھ اصل نہ ہو جیسے ہم کوئی کام کرنا چاہیں اور کسی شخص کے چھینک دینے سے رک جائیں۔ [7] نادانی۔ [8] ٹیڑھی۔ [9] درستی آراستگی۔ [10] ڈھونڈا۔ محاورہ ہے۔ [11] جالون۔ جھانسی۔ للت پور تین ضلعے کی کمشنری کا صدر مقام جھانسی ہے۔ [12] یعنی جس طرح وظیفہ خواں لوگ ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں لڑکیاں ہمہ وقت اس کتاب کو پڑھتی تھیں۔

رچ[1] گئی۔ اونچے اونچے[2] گھروں میں کتاب منگوائی گئی، نقل لینے کے ارادے ہوئے جب میں نے دیکھ لیا کہ یہ کتاب عورتوں کے لئے نہایت مفید ہے اور خوب دل لگا کر پڑھتی اور سنتی ہیں تب اس کو جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر مدارس ممالک شمالی و مغربی کے ذریعہ سے سرکار میں پیش کیا۔ سرکار کی قدردانی نے تو میری آبرو اور اس کتاب کی قدر و قعت کو ایسا بڑھایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے خاطر خواہ اپنی مراد اور محنت کی داد پائی۔ جو کچھ وقت اس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی بامحاورہ ہو، خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد اور بناوٹ کا دخل نہ ہو۔ چونکہ بالکل نئے طور کی کتاب ہے عجب نہیں کہ پھر بھی اس میں کسر رہ گئی ہو۔ ناظرین سے توقع ہے کہ معذور رکھیں۔ کیونکہ اس طرز میں یہ پہلی تصنیف ہے +

العبد

نذیر احمد وفقہ اللہ التزود لغد

---

[1] گرویدہ ہو گئی۔ [2] یعنی امیر گھروں میں +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب پہلا

تمہید کے طور پر عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت اور اُن کی حالت کے مناسب کچھ نصیحتیں

جو آدمی دُنیا کے حالات میں کبھی غور[1] نہیں کرتا اس سے زیادہ کوئی احمق نہیں غور کرنے کے واسطے دُنیا میں ہزاروں طرح کی باتیں ہیں لیکن سب سے عمدہ اور ضروری آدمی کا اپنا حال ہے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے زندگی میں اس کو کیا کیا باتیں پیش آتیں اور کیوں کر اس کی حالت بدلا کرتی ہے۔

انسان کی زندگی میں سب سے اچھا وقت لڑکپن کا ہے۔ اس عمر میں آدمی کو کسی طرح کا فکر نہیں ہوتا۔ ماں باپ نہایت شفقت[2] اور محبت سے اس کو پالتے اور جہاں تک بس چلتا اس کو آرام دیتے ہیں۔ اولاد کے اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے، بلکہ ماں باپ اولاد کے آرام کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اور رنج تک گوارا کر لیتے ہیں۔ مرد جو باپ ہوتے ہیں کوئی محنت مزدوری سے کماتے ہیں، کوئی پیشہ کرتے کوئی سوداگری، کوئی نوکری۔ غرض جس طرح بن پڑتا ہے اولاد کی آسائش[3] کے واسطے روپے کے پیدا کرنے میں کوتاہی[4] نہیں کرتے۔ عورتیں جو ماں ہوتی ہیں۔ اگر باپ کی کمائی گھر کے خرچ کو کافی[5] نہیں ہوتی بعض اوقات خود بھی محنت کیا کرتی ہیں۔ کوئی ماں سلائی کا سیتی ہے، کوئی گوٹا بنتی، کوئی ٹوپیاں کاڑھتی یہاں تک کہ کوئی

---

[1] دھیان لگا کر سوچنے کو غور کرنا کہتے ہیں [2] مہربانی۔ پیار۔ [3] آرام۔ [4] کمی۔ [5] پوری ۱۲

مصیبت کی ماری ماں چرخہ کات کر چکّی پیس کر ماماگیری[1] کر کے بچّوں کو پالتی ہے۔ اولاد کی محبّت جو ماں کو ہوتی ہے ہرگز بناوٹ اور ظاہرداری کی نہیں ہوتی بلکہ سچّی اور دلی محبت ہے اور خدائے تعالیٰ نے جو بڑا دانا ہے یہ ماَمتا[2] اس لئے ماں باپ کے پیچھے لگادی ہے کہ اولاد پرورش پائے۔ ابتدائے[3] عمر میں بچے نہایت بے بس ہوتے ہیں نہ بولتے نہ سمجھتے نہ چلتے نہ پھرتے۔ اگر ماں باپ محبّت سے اولاد کو نہ پالتے تو بچے بھوکوں مرجاتے۔ کہاں سے ان کو روٹی ملتی، کس طرح کپڑا بہم پہنچاتے اور کیوں کر بڑے ہوتے؟ آدمی پر کیا موقوف ہے جانوروں میں بھی اولاد کی ماَمتا بہت سخت ہے۔ مرغی بچّوں کو دن بھر پروں میں چھپائے بیٹھی رہتی ہے اور اناج کا ایک دانہ بھی اس کو ملتا ہے تو آپ نہیں کھاتی، بچّوں کو بلا کر چونچ سے ان کے آگے سرکا دیتی ہے اور اگر چیل یا بلّی اس کے بچّوں پر حملہ کرنا چاہے تو مطلق اپنی جان کا خیال نہ کر کے لڑنے اور مرنے کو موجود ہو جاتی ہے۔ غرض ہو نہ ہو یہ خاص محبّت ماں باپ کو صرف اسی لئے خدا نے دی ہے کہ ننھے ننھے بچّوں کو جو ضرورت ہو اٹکی نہ رہے۔ بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی، سردی سے بچنے کو گرم کپڑا اور ہر طرح کی آرام کی چیز وقت مناسب پر مل جائے۔ دیکھنے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھڑک[4] اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک بچّوں کو اس کی ضرورت اور احتیاج ہوتی ہے۔ جب مرغی کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو پروں میں چھپانا چھوڑ دیتی ہے اور جب بچّے چل پھر کر آپ اپنا پیٹ بھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں مرغی کچھ بھی ان کی مدد نہیں کرتی بلکہ جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں تو اُن کو اس طرح مارنے دوڑتی ہے گویا وہ ان کی ماں نہیں۔ آدمی کے ماں باپ کا بھی یہی حال ہے

---

[1] کھانا پکانے اور گھر کی ٹہل کے لئے جو عورتیں نوکری کرتی ہیں ان کو ماما کہتے ہیں۔ [2] ماَمتا سنسکرت کا لفظ ہے بلفظی معنی مادری محبت۔ اب بھی ماں باپ اور بزرگوں کی محبت پر بولا جاتا ہے۔ [3] شروع۔ [4] بے قراری کی محبت اور زور کی ماَمتا کو محاورہ اُردو میں بھڑک کہتے ہیں ۱۲

جب تک بچہ بہت چھوٹا ہے ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کو گود میں لادے لادے
پھرتی ہے۔ اپنی نیند خراب کر کے بچے کو تھپک تھپک کر سُلاتی ہے۔ جب بچہ اتنا سیانا
ہوا کہ کھچڑی کھانے لگا ماں دودھ بالکل چھڑا دیتی ہے اور وہی دودھ جس کو برسوں پیار
سے پلاتی رہی سختی اور بے رحمی سے نہیں پینے دیتی، کڑوی[1] چیزیں لگا لیتی ہے اور
بچہ ضد کرتا ہے تو مارتی اور گھُرکتی ہے۔ چند روز کے بعد بچوں کا یہ حال ہو جاتا ہے
کہ گود میں لینا تک ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے بھائی بہن کو اس بات پر
مار کھاتے نہیں دیکھا کہ ماں کی گود سے نہیں اُترتے۔ ماں خفا ہو رہی ہے کہ "کیسا
ناہموار[2] بچہ ہے ایک دم نہیں چھوڑتا۔" ان باتوں سے یہ مت سمجھو کہ ماں کو محبت نہیں
رہی۔ نہیں نہیں محبت تو ویسی ہی ہے مگر ہر حالت کے ساتھ ایک خاص طرح کی محبت
ہوتی ہے۔ اولاد کا حال یکساں نہیں رہتا۔ آج دودھ پیتے ہیں، کل کھانے لگے،
پھر پاؤں چلنا سیکھا۔ بچہ جتنا بڑا ہوتا گیا اسی قدر محبت کا رنگ بدلتا گیا اور زیادہ بڑے
ہو کر لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے اور لکھنے اور کام کرنے کے واسطے ماریں کھاتے ہیں۔
اگرچہ بے وقوفی سے بچے نہ سمجھیں مگر ماں باپ کے ہاتھوں سے جو تکلیف بھی تم کو
پہنچے وہ ضرور تمہارے اپنے فائدے کے واسطے ہے۔ تم کو دنیا میں ماں باپ سے
الگ رہ کر بہت دنوں جینا پڑے گا۔ کسی کے ماں باپ تمام عمر زندہ نہیں رہتے
خوش نصیب ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنھوں نے ماں باپ کے جیتے جی ایسا ہنر
اور ایسا ادب سیکھا جس سے ان کی تمام زندگی خوشی اور آرام میں گذری اور نہایت
بدقسمت ہے وہ اولاد جنھوں نے ماں باپ کی زندگی کی قدر نہ کی اور جو آرام ماں
باپ کی وجہ سے ان کو میسر[3] ہوا اس کو اکارت اور ایسے اچھے فراغت اور بے فکری

---

[1] عورتیں جب بچہ کا دودھ چھڑانے کو ہوتی ہیں تو رسوت یا کتھے کا لیپ کر لیا کرتی ہیں۔ [2] بے تمیز۔ بے ادب۔ شریر۔ [3] مراد ہے۔ حاصل ہوا۔

کے وقت کو سستی اور کھیل کود میں ضائع کیا۔ عمر بھر رنج و مصیبت میں کاٹی۔ آپ عذاب میں ہے اور ماں باپ کو[1] اپنے سبب عذاب میں رکھا۔ مرنے پر کچھ موقوف نہیں شادی بیاہ ہوئے پیچھے اولاد ماں باپ سے جیتے جی چھوٹ جاتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو ضرور سوچنا چاہیئے کہ ماں باپ سے الگ ہوئے پیچھے ان کی زندگی کیونکر گزرے گی۔

دنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے۔ کھانا کپڑا اور روز مرہ[2] کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں اور سارا کھٹراگ[3] روپے کا ہے۔ عورتوں کو بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکثر روپیہ پیدا کرنے کی محنت سے محفوظ رہتی ہیں۔ مردوں کو دیکھو روپے کے لئے کیسی کیسی سخت محنتیں کرتے ہیں۔ کوئی بھاری بوجھ سر پہ اٹھاتا کوئی لکڑیاں چیرتا۔ سُنار۔ لوہار۔ ٹھٹیرا۔ کسیرا۔ کندلہ گر۔ زرکوب۔ دبکیہ۔ تارکش۔ ملمع ساز جڑیا۔ سلمہ ستارہ والا۔ بٹیہ۔ بدرساز۔ میناساز۔ قلعی گر۔ سادہ کار۔ صیقل گر۔ آمیہ ساز زردوز۔ منہیار۔ نعلبند۔ نگینہ ساز۔ کامدانی والا۔ سان گر۔ نیاریا۔ ڈھلیہ۔ بڑھئی۔ خرادی ناریل والا۔ کنگھی ساز۔ بنس پھوڑ۔ کاغذی۔ جولاہا۔ رفوگر۔ رنگریز۔ چھیپی۔ دستاربند۔ درزی۔ علاقہ بند۔ نیچہ بند۔ موچی۔ مہرکن۔ سنگ تراش۔ حکاک۔ معمار۔ دیگر۔ کمہار حلوائی۔ تیلی۔ تنبولی۔ رنگ ساز۔ گندھی وغیرہ جتنے پیشے والے ہیں کسی کا کام جسمانی[4] اور دماغی تکلیف سے خالی نہیں اور روپے کی خاطر یہ تمام تکلیف مردوں کو سہنی اور اٹھانی

---

[1] اولاد نالائق ہوتی ہے تو بڑے ہوئے پیچھے بھی ماں باپ ان کی خرابی دیکھ کر سن کر رنجیدہ رہتے ہیں۔

[2] ہر روز۔ [3] بکھیڑا۔ [4] یہ اتنے پیشے اس غرض سے جمع کر دیئے ہیں کہ پڑھنے والوں کی معلومات زیادہ ہوں اور دیکھیں کہ دنیا میں کیسے کیسے کام ہوتے اور لوگ کس کس تدبیر سے روٹی کماتے ہیں۔ ان میں بہت سے پیشے خاص کر بڑے شہروں میں ہوتے ہیں۔ تاہم پیشوں کی تحقیقات کر لینی مناسب ہے کہ کون کیا کام کرتا ہے

[5] یعنی بعض کاموں میں تو بدن کی محنت ہے۔ مثلاً جیسے بڑھئی، لوہار اور بعض میں چنداں بدن کی تو نہیں مگر دماغی محنت ہے بمثل مہرکن کہ اس کو لفظوں کی نشست میں بہت سوچ بچار کرنا پڑتا ہے۔ ۱۲

پڑتی ہے۔ لیکن اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتوں سے کھانے اور سو رہنے
کے سوا دنیا کا کوئی کام متعلق نہیں۔ بلکہ خانہ داری کے تمام کام عورتیں ہی کرتی ہیں مرد
اپنی کمائی عورتوں کے آگے لاکر رکھ دیتے ہیں اور عورتیں اپنی عقل سے اس کو بندوبست
اور سلیقہ کے ساتھ اٹھاتی[1] ہیں۔ پس اگر غور سے دیکھو تو دنیا کی گاڑی جب تک ایک پہیہ
مرد کا اور دوسرا عورت کا نہ ہو چل نہیں سکتی۔ مردوں کو روپیہ کمانے سے اتنا وقت
نہیں بچتا کہ اس کو گھر کے کاموں میں صرف کریں۔ اے لڑکو! وہ بات سیکھو کہ مرد ہو کر تمہارے
کام آئے اور اے لڑکیو! ایسا ہنر حاصل کرو کہ عورت ہونے پر تم کو اس سے خوشی اور
فائدہ ہو۔ بے شک عورت کو خدا نے مرد کی نسبت کسی قدر کمزور پیدا کیا ہے لیکن ہاتھ
پاؤں۔ کان۔ آنکھ۔ یادداشت۔ سوچ۔ سمجھ۔ سب چیزیں مردوں کے برابر عورتوں کو بھی
دی گئی ہیں۔ لڑکے ان ہی چیزوں سے کام لے کر ہر فن میں طاق[2] اور ہر ہنر میں مشاق ہو جاتے
ہیں۔ لڑکیاں اپنا وقت گڑیاں کھیلنے اور کہانیاں سننے میں کھوتی ہیں۔ ویسی ہی بے ہنر رہتی
ہیں۔ اور جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا یا ہنر سیکھا
لیاقت حاصل کی، وہ مردوں سے کسی بات میں ہیٹی نہیں رہیں۔ ملکہ وکٹوریہ[3] کو دیکھو عورت
ذات ہو کر کس دھوم اور کس شان اور کس ناموری اور کس عمدگی کے ساتھ اتنے بڑے
ملک کا انتظام کر رہی ہیں کہ دنیا میں کسی مرد بادشاہ کو آج تک یہ بات نصیب نہیں جب
ایک عورت نے سلطنت جیسے کٹھن[4] کام کو سلطنت بھی ماشاء اللہ[5] اس قدر وسیع[6]
ایسے نازک وقت میں کہ بات منہ سے نکلی اور اخبار والوں نے بتنگڑ[7] بنایا اتنی مدت دراز

---

[1] یعنی خرچ کرتی ہیں۔ [2] جفت کی ضد ہے مثلاً ۲۔۴۔۶ جفت ہیں اور ۱۔۳۔۵ طاق۔ یہاں طاق سے مراد اکیلا کہ اس جیسا دوسرا نہ ہو۔ [3] انگریزوں کی شاہزادی جو انگلستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی بادشاہ تھیں [4] کٹھن ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں سخت مشکل [5] ماشاء اللہ عربی کا جملہ ہے جس کے معنی ہیں جو خدا چاہے۔ مسلمانوں میں نظر بد سے بچنے کے لیے بولا جاتا ہے [6] فراخ۔ لمبی چوڑی۔ [7] بات کا مبالغہ بتنگڑ مراد یہ ہے کہ ذرا سی بات کا ایک بڑا قصہ بنا کر کھڑا کیا۔ ۱۲

تک سنبھالا اور ایسا سنبھالا کہ جو سنبھالنے کا حق ہے۔ تو اب عورتوں کی خداداد[1] قابلیت میں کلام کرنا نری ہٹ دھرمی[2] ہے۔

بعض نادان عورتیں خیال کرتی ہیں کہ کیا لکھ پڑھ کر ہم کو مردوں کی طرح نوکری کرنی ہے۔ لیکن اگر کسی عورت نے لکھ پڑھ لیا ہے تو گو اس نے نوکری نہیں کی مگر اس کا لکھنا پڑھنا اکارت بھی نہیں گیا۔ اس کو اور بہتیرے فائدے پہنچے جن کے مقابلے میں نوکری کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ جو لوگ علم کو صرف نوکری کا ذریعہ[3] سمجھ کر پڑھتے ہیں ان کو علم کی قدر نہیں۔ سچ پوچھو تو علم کے آگے نوکری ایسی ہے جیسے سودے کے ساتھ روُنگھن[4]۔ کہاں سے قوتِ بیان لائیں کہ تم کو علم کے فائدے سمجھائیں۔ ظاہر کی دو آنکھیں تو ہمارے تمہارے سب کے منہ پر ہیں۔ کبھی اندھے فقیروں کی صدا[5] سنو۔ کس حسرت[6] سے کہتے ہیں "بابا انکھیاں[7] بڑی نعمت ہیں"۔ شاید کوئی بھی ایسا سنگ[8] دل نہ ہوگا جس کو اندھوں کی معذوری اور بےکسی پر رحم نہ آتا ہو لیکن دل کے اندھے جن کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا ان سے کہیں زیادہ قابلِ رحم ہیں۔ انگریزوں کی ولایت میں تو اندھوں کی تعلیم کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ اندھے ٹٹول ٹٹول کر اچھی خاصی طرح اخبار اور کتابیں سب کچھ بےتکلف پڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اندھے بھی بعض ایسے بلا کے ذہین[9] ہوتے ہیں کہ سوئی پرو دیں، اکیلے سارے شہر کے گلی کوچوں میں بےدھڑک[10] دوڑے دوڑے پھریں۔ کھوٹا کھرا روپیہ پرکھیں۔ قرآن شریف کا حفظ کر لینا تو اندھوں کے لئے گویا ایک معمولی

---

[1] خدا کی دی ہوئی قدرتی پیدائشی [2] غلط بات پر بےجا ہٹ اور اصرار کرنا [3] وسیلہ یعنی پڑھنے لکھنے کے طفیل نوکری ملتی ہے [4] سودے والوں کا دستور ہے کہ سودا تول کر خریدار کو خوش کرنے کو اوپر سے کچھ اور دے دیا کرتے ہیں اسی کو روُنگھن کہتے ہیں [5] جو آواز دے کر فقیر بھیک مانگتا ہے اس کو صدا کہنے لگے ہیں ورنہ دراصل صدا وہ آواز ہے جو گونج کر پڑتی ہے [6] افسوس [7] قاعدے کی رو سے آنکھیں ہونا چاہئے تھا مگر پیار کی وجہ سے انکھیاں کر دیا ہے [8] جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو یعنی بے رحم [9] محاورہ ہے یعنی حد سے زیادہ گویا افراطِ ذہانت کی وجہ سے آفت ہے [10] بے تامل۔ ۱۲

بات ہے۔ غدر سے پہلے شہر میں گنتی کے دو چار مادر زاد اندھے مولوی بھی تھے۔ غرض آنکھوں کا اندھا ہونا مصیبت ہے مگر نہ ایسی کہ جیسے دل کا اندھا (یعنی جاہل ہونا) لیکن افسوس کوری دل[1] کے نقصانات سے لوگ واقف نہیں اور یہی وجہ ہے کہ عالم و فاضل ہونا تو درکنار ہزار[2] پیچھے ایک بھی پڑھا لکھا نظر نہیں آتا۔

یہ تو مردوں کا مذکور ہے جن کو پڑھ لکھ کر روٹی کمانی ہے۔ عورتوں میں پڑھنے لکھنے کا چرچا اس قدر کم ہے کہ دلّی جیسے غدار[3] شہر میں اگر مشکل سے سو سوا سو عورتیں وہ بھی شاید حرف شناس نکلیں بھی تو اس کو چرچا نہیں کہہ سکتے۔ پھر اگر چرچا نہ ہو خیر چنداں مضائقے کی بات نہیں مصیبت تو یہ ہے کہ اکثر عورتوں کے لکھانے پڑھانے کو عیب اور گناہ خیال کرتے ہیں۔ ان کو خدشہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو لکھنے پڑھنے سے عورتوں کی چار آنکھیں[4] ہو جائیں۔ لگیں غیر مردوں سے خط و کتابت کرنے اور خدانخواستہ کل کلاں کو ان کی پاک دامنی اور پردہ داری میں کسی طرح کا فتور[5] واقع ہو۔ یہ صرف شیطانی وسوسے[6] ہیں اور ملک کی خصوصاً عورتوں کی بد قسمتی لوگوں کو بہکا اور بھڑکا رہی ہے۔ اول تو ہم ایک ذری سی بات یہی پوچھتے ہیں کہ علم انسان کی اصلاح کرتا ہے یا اُلٹا اُس کو بگاڑتا اور خرابی کے لچھن سکھاتا ہے؟ اگر بگاڑتا ہے تو مردوں کو بھی پڑھنے لکھنے کی مناہی ہونی چاہیے۔ تاکہ بگڑنے نہ پائیں اور مرد بگڑیں گے تو کبھی ان کا بگاڑ عورتوں میں اثر کیے بغیر رہے گا۔ دوسرے انصاف شرط[7] ہے بے شک بعض پڑھے لکھے مرد بھی آوارہ اور بد وضع ہوتے ہیں لیکن کیا علم نے ان کو آوارگی اور بد وضعی سکھائی؟ نہیں نہیں۔ آوارگی اور بد وضعی انہوں نے

---

[1] دل کی نابینائی [2] یعنی ہزار میں سے ایک [3] غدار کے لفظی معنی تو بڑا فساد کرنے والا۔ یہاں مراد ہے بہت بڑا کیونکہ اکثر بڑے شہروں میں دنگہ فساد ہوتا ہی رہتا ہے [4] معمول سے زیادہ چالاکی آجانے کو اس عبارت سے ادا کرتے ہیں [5] خلل [6] بُرے بُرے بہکانے کو وسوسہ کہتے ہیں [7] یعنی ہم جو کہنا چاہتے ہیں اُس کے سننے کے لئے شرط یہ ہے کہ سُننے والا منصف مزاج ہو۔ ١٢

بُری صحبت میں سیکھی۔ یا کھلی اور کوڑھ کی طرح اُن کو اُڑ کر لگی۔ اور پڑھ لکھ کر ان کی بُرائی مثلاً چھٹانک بھر ہے تو نہ پڑھنے کی صورت میں یقین جانو ضرور سیر سوا سیر ہوتی ہیں۔ با ایں ہمہ[1] مثلاً سو پڑھے لکھوں پر نظر ڈالو تو کوئی اکّا دکّا[2] شامت[3] زدہ خراب ہو تو ہو ورنہ خدا نے چاہا تو اکثر نیک، بھلے مانس، ماں باپ کا ادب کرنے والے، بھائی بہنوں سے محبت رکھنے والے، بڑے کو بڑے اور چھوٹے کو چھوٹے کی جگہ سمجھنے والے، دنگے فساد اور بُری صحبت سے دُور بھاگنے والے، نماز پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، سچ بولنے والے، غریبوں پر ترس کھانے والے، غصے کے پی[4] جانے والے، بزرگوں کی نصیحت پر چلنے والے، لحاظ شرم والے، جیسا کھانا کپڑا میسّر آیا شکر گذاری کے ساتھ کھانے پہننے والے۔ ہماری بھی ساری عمر ایسے ہی لوگوں میں گزری ہے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ جو شخص علم کو بدنام کرتا ہے آسمان[5] کو تھوکتا اور چاند پر خاک ڈالتا ہے۔ بے شک بعض بُرے لوگوں نے بُری کتابیں بھی دنیا میں پھیلا دی ہیں اردو میں اس قسم کی کتابیں بہت کم ہیں اور جو ہیں سلسلہ درس[6] سے خارج ہیں اور ان کا پڑھنا اور سُننا کیا مرد کیا عورت سب ہی کے حق میں بُونا[7] ہے لیکن اس خیال سے کہ آنکھ بُری جگہ بھی پڑ سکتی ہے یا زبان سے بعض نالائق کوستے، جھوٹ بولتے، گالیاں بکتے۔ بلا ضرورت قسم کھاتے یا لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی بدیاں روتے ہیں جس کو غیبت کہتے ہیں نہ آنکھیں پھوڑی جاتی ہیں نہ زبان کاٹی جاتی ہے۔ تو صرف علم نے کیا قصور کیا ہے کہ ایک لغو اور بے اصل احتمال کی بنیاد پر عورتوں کو اس کے بے انتہا دینی اور دُنیاوی فائدوں سے محروم رکھا جائے؟ کیا اتنا نہیں ہو سکتا کہ بیہودہ کتابوں کو مستورات کی نظر سے نہ گزرنے دیں؟ علاوہ بریں آدمی کے دل کو خدا نے بنایا ہے آزاد جب انسان کو کسی کام پر مجبور کیا جاتو

---

[1] اس پر بھی، علاوہ بریں [2] ایک دو۔ اکیلا دوکیلا [3] بدنصیب مراد ہے [4] روکنے والے۔ ضبط کرنے والے۔ [5] جس طرح آسمان کا تھوکا الٹا منہ پر آتا ہے اور خاک اُڑانے سے چاند دھندلا نہیں ہوتا اسی طرح علم بدنام کرنے سے بدنام نہیں ہوتا بلکہ بدنام کرنے والا خود بدنام ہوتا ہے [6] یعنی لوگ۔ ان کو معمول باندھ کر پڑھتے پڑھاتے نہیں [7] بُرا۔ ۱۲

وہ چاروناچار اس کام کو کرتا تو ہے مگر نہ اس عمدگی اور خوبی کے ساتھ جیسا کہ خود اپنے دل کے تقاضے سے۔ کہاں تو دوسروں کی زبردستی اور کہاں اپنا شوق۔ مثلاً لڑکے بعض تو وہ ہیں جن کو خود پڑھنے کا مطلق شوق نہیں۔ اس واسطے کہ ناداں ہیں بے سمجھ ہیں اتنا نہیں جانتے کہ آج کو جی لگا کر پڑھ لکھ لیں گے تو بڑے ہوئے پیچھے ہمارے ہی کام آئے گا دنیا میں ہماری عزت و آبرو ہوگی۔ ان ہی دو حرفوں[1] کی بدولت خدا ہم کو امیر کردے گا لوگ ہماری وقعت[2] اور تعظیم کریں گے۔ دنیا اور دین دونوں میں ہمارا بھلا ہوگا۔ تو ایسے بدشوق لڑکے کبھی خوشی سے مدرسے نہیں جاتے۔ گھر والوں نے زبردستی دھکیل[3] دیا یا مکتب کے لڑکے آئے اور ٹانگ کر لے گئے۔ زبردستی گئے، بے دلی سے بیٹھے رہے، چھٹی ملی، نہ کچھ پڑھا نہ لکھا، کورے[4] سے واپس آئے۔ دوسری قسم کے لڑکے وہ ہیں جن کی قسمت میں خدا نے کچھ بہتری لکھی ہے۔ وہ آپ سے بے کہے، بے بھیجے، بے بلائے وقت سے پہلے مدرسے کو دوڑے چلے جاتے ہیں۔ جاتے ہی آموختہ[5] پڑھا مطالعہ[6] کیا سبق لیا اور آخر وقت تک اس میں لگے لپٹے[7] رہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے لڑکوں میں کس سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ لکھ پڑھ کر امتحان پاس کرے گا۔ گھر بیٹھے اس کو نوکری کے لئے بلاوے آئیں گے۔ زیادہ سوچنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بے شک جس کو شوق ہے اسی کو فوق[8] ہے۔

اسی طرح ہماری عورتوں میں حیا، پاک دامنی، پردہ داری، نیکی۔ جو کچھ سمجھو خدا کے فضل و کرم سے بہتیری ہے۔ مگر بُرا مانو یا بھلا مانو ابھی تک ہے مجبوری کی۔ یعنی مذہب اور ملکی رواج اور مردوں کی حکومت نے عورتوں کو زبردستی نیک بنا رکھا ہے۔ لیکن اگر خود عورتوں

---

[1] یعنی تھوڑا سا جو لکھ پڑھ لیا ہے [2] عزت۔ بڑائی [3] یعنی پکڑا اور دھکا کر [4] اصل میں کورا کہتے ہیں بے دھوئے کپڑے کو اور چونکہ کورا کپڑا اکثر بے رنگ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسے گئے تھے واپس آئے۔ [5] پچھلا سیکھا ہوا۔ [6] اگلا سبق نکالنے کو مطالعہ کہتے ہیں۔ [7] یعنی اسی میں مصروف ہے۔ [8] برتری۔ ۱۲

کے دل سے نیکی کا تقاضا ہو تو سبحان اللہ[1]۔ نورٌ علیٰ نور[2]۔ ایک تو سونا کھرا اوپر سے ملا سہاگہ[3]
کیا کہنا ہے۔ مگر دل سے نیکی کے تقاضے کے پیدا ہونے کی علم کے سوا اور کوئی تدبیر ہی
نہیں۔ بس جو لوگ عورتوں کو علم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، گویا ان کو سچی اور
حقیقی اور پاکیزہ اور بے لوث[4] اور کھری اور پائدار نیک دلی سے روکتے ہیں۔ پھر ہم
دیکھتے ہیں کہ علم کے لئے جو قوتیں درکار ہیں مرد عورت دونوں میں برابر ہیں، اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خدا نے جاہل رہنے کے لئے نہیں بنایا جس حالت میں
ہماری عورتیں اب ہیں اس کے لئے ان کو اتنی عقل کی کیا ضرورت ہے؟ بس خدا نے جو عورتوں
کو اتنی ساری عقل دی ہے ضرور کسی بڑے کام کے لئے دی ہے یعنی علم حاصل کرنے کے
لئے۔ لیکن اگر عورتیں عقل سے علم حاصل کرنے کا کام نہ لیں تو ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے
ہندوؤں کے جوگی[5] جو اپنا ہاتھ سکھا کر مصلحت[6] الٰہی کو باطل کرتے ہیں۔ کیوں صاحب ہاتھ
کا خشک اور بیکار کر دینا بہتر یا اس کو نیک کام میں لا کر دنیا کا فائدہ اور دین کا ثواب حاصل
کرنا بہتر۔ مسلمانوں کی تشفی[7] کے لئے تو شاید اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ہو نہیں سکتی کہ
پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں میں حضرت عائشہ رض اور حضرت حفصہ رض سر برآوردہ[8]
تھیں۔ ایک دن دونوں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں کہ پیغمبر صاحب آ نکلے اور حضرت عائشہ
کی طرف اشارہ کر کے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ ان کو بھی لکھنا سکھاؤ۔ ہر چند پردہ نشینی
کی وجہ سے دنیا کے بہت سے کام عورتوں کو معاف ہیں لیکن پھر بھی خیال کرو تو عورتیں

---

[1] اللہ پاک ہے یہ جملہ تعریف کی جگہ بولتے ہیں [2] نور پر نور یعنی نیکی خود نور ہے اور پھر دل کے تقاضے سے تو دوسرا نور [3] سہاگے کا خاصہ ہے کہ سونے کے میل کو کاٹ دیتا ہے یہ بھی ایک کہاوت ہے [4] بے آمیزش خالص۔
[5] ہندو فقیر [6] یعنی خدا نے فائدے کی غرض سے ہاتھ پیدا کئے تھے اور ہاتھوں کے پیدا کرنے میں یہی مصلحت تھی ہاتھوں کو برسوں اونچا رکھ کر سکھا دیا تو وہ مصلحت گئی گزری ہوئی [7] تسلی۔ تسکین

[8] پیش پیش۔ بڑھی چڑھی ۱۲

نری نکمی نہیں ہیں۔

خانہ داری[1] بدون عورت کے ایک دن نہیں چل سکتی مرد کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ عورت کی مدد کے بدون گھر چلا سکے یہی وجہ ہے کہ عورت کے مرنے کو خانہ ویرانی سے تعبیر[2] کیا جاتا ہے۔ پس اگر دنیا کے کسی کام میں بھی علم بکار آمد ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ خانہ داری کے لئے بھاری کام ہیں جو مردوں کے سنبھالے نہ سنبھلے بکار آمد نہ ہو۔ پر[3] یوں کہو کہ لوگوں کو اپنے معاملات میں غور کرنے اور سوچنے کی عادت نہیں اگلے لوگ بری یا بھلی جو راہ نکال گئے ہیں دائیں بائیں کچھ نہیں دیکھتے بھیڑوں[4] کی طرح اس پر آنکھیں بند کیے چلے جاتے ہیں۔ خانہ داری منہ سے کہنے کو تو ایک لفظ ہے مگر اس کے معنی اور مطلب پر نظر کرو تو پندرہ بیس کے فرق سے خانہ داری اور دنیا داری ایک ہی چیز ہے۔ خانہ داری میں جو کام کرنے پڑتے ہیں۔ اُن کی کوئی فہرست منضبط[5] نہیں ہو سکتی شادی غمی۔ تقریبات[6]۔ مہمان داری لین دین نسبت ناطہ[7]۔ پکانا۔ سینا۔ چھدنا خدا جانے کتنے بکھیڑے ہیں۔ جس نے گھر کیا ہو اسی کو کچھ خبر ہوگی۔ لیکن اسی خانہ داری میں اولاد کی تربیت[8] بھی ہے اور کسی کام کے لیے عورتوں کو علم کی ضرورت شاید نہ بھی ہو۔ مگر اولاد کی تربیت تو جیسی چاہئے بے علم کے ہونی ممکن نہیں۔ لڑکیاں تو بیاہ تک اور لڑکے اکثر دس برس کی عمر تک گھروں میں تربیت پاتے ہیں اور ماؤں کی خو[9] بو اُن میں اثر کر جاتی ہے پس اے عورتو! اولاد کی اگلی زندگی تمہارے اختیار میں ہے۔ چاہو تو شروع سے اُن کے دلوں میں ایسے اونچے ارادے اور پاکیزہ خیال بھر دو کہ بڑے ہو کر نام و نمود پیدا کریں

---

[1] گھر کا کام کاج [2] یعنی کسی کی بیوی مر جائے تو کہا کرتے ہیں کہ بے چارے کا گھر تباہ ہو گیا [3] یہ ہندی لفظ ہے لیکن کی جگہ بولا جاتا ہے [4] بھیڑوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ سامنے کا سارا ریوڑ گردن نیچی کئے اگلی بھیڑ کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے [5] قلم بند [6] تیج تیوہار شادی بیاہ وغیرہ [7] پرورش اور اس میں تعلیم بھی داخل ہے [8] مراد ہے خصلت۔ عادت ۱۲

اور تمام عمر آسائش میں بسر کر کے تمہارے شکر گذار رہیں اور چاہو تو ان کی افتاد[1] کو ایسا بگاڑ دو کہ جوں جوں بڑے ہوں خرابی کے لچھن[2] سیکھتے جائیں اور انجام تک اس ابتدا کا تاسف[3] کیا کریں۔

لڑکوں کو بولنا آیا اور تعلیم پانے کا مادّہ[4] حاصل ہوا۔ اگر ماؤں کو لیاقت ہو تو اسی وقت سے بچوں کو تعلیم کر چلیں۔ مکتب یا مدرسے بھیجنے کے انتظار میں لڑکوں کے کئی برس ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں نہ تو خود لڑکوں کو مدرسے جانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ماؤں کی محبت اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ ننھے ننھے بچے جو ابھی اپنی ضرورتوں[5] کے ضبط پر قادر نہیں ہیں استاد کی قید میں رکھے جائیں۔ لیکن مائیں اگر چاہیں اسی وقت میں ان کو بہت کچھ سکھا پڑھا دیں۔ لڑکے مدرسے میں بیٹھنے کے بعد بھی مدتوں تک بے دلی سے پڑھا کرتے ہیں اور کہیں بہت دنوں میں ان کی استعداد کو ترقی ہوتی ہے! اس تمام وقت میں ان ماؤں سے یقیناً بہت مدد مل سکتی ہے۔ اول تو ماؤں کی سی شفقت[6] اور دل سوزی[7] کہاں؟ دوسرے رات دن کا برابر پاس رہنا جب ذرا طبیعت متوجہ دیکھی جھٹ کوئی حرف پہچنوا دیا۔ یا کچھ گنتی ہی یاد کرا دی، کہیں پورب پچھم کا امتیاز بتا دیا۔ مائیں تو باتوں باتوں میں وہ سکھا سکتی ہیں جو استاد برسوں کی تعلیم میں بھی نہیں سکھا سکتا اور ماؤں کی تعلیم میں ایک یہ کتنا بڑا لطف[8] ہے کہ لڑکوں کی طبیعت کو وحشت[9] نہیں ہونے پاتی اور شوق کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اولاد کی تہذیب[10] تو تہذیب ان کی پرورش کی تدبیر، ان کی جان کی حفاظت ماؤں کے اختیار میں ہے۔ اگر خدانخواستہ کہیں اس سلیقہ میں کمی ہے تو

---

[1] ڈول۔ ابتدا [2] طور طریقے [3] افسوس [4] مادہ کی دال مشدد ہے۔ قابلیت۔ سامان [5] یعنی اپنی حاجتوں کو روک نہیں سکتے اور ان کو اس کی قدرت نہیں [6] مہربانی [7] لفظی معنی ہیں دل کا جلنا اور مراد ہے بڑے درجہ کی محبت کہ اولاد کو کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھ کر ماں باپ کو سخت رنج ہوتا ہے گویا ان کا دل جلتا ہے [8] مزہ۔ عمدگی۔ [9] گریز۔ نفرت [10] درستگی۔ آراستگی۔

اولاد کی زندگی معرضِ خطر[1] میں ہے۔ ایسا کون کمبخت ہوگا جس کو ماؤں کی محبت میں کلام ہو۔ لیکن وہی محبت اگر نادانی کے ساتھ برتی جائے تو ممکن ہے کہ بجائے نفع کے الٹا نقصان پہنچائے۔ ذرا انصاف کرو۔ کیا ہزاروں جاہل اور کم عقل مائیں ایسی نہیں ہیں جو اولاد کے ہر ایک مرض کو نظر گزر اور پرچھانواں[2] اور چھپیٹا اور آسیب سمجھ کر بجائے دوا کے جھاڑ پھونک اتار اکیا کرتی ہیں؟ ورنہ مناسب علاج کا اثر تم ہی سمجھ لو کیا ہوتا ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ کل خانہ داری کی بلکہ یوں کہو کہ دنیاداری کی درستی موقوف ہے عقل پر، اور عقل کی علم پر۔ اس بات کو ہر کوئی تسلیم کرے گا کہ عورت میں سب سے بڑا ہنر یہ ہونا چاہئے کہ جس کے پلے بندھی[3] ہے آپ اس سے راضی رہے اور اس کو اپنے سے راضی اور خوش رکھے۔

تم نے بہشت اور دوزخ کا حال سنا ہوگا سچ مچ کی بہشت اور دوزخ تو دوسرے[4] جہان کی چیزیں ہیں، مرے پیچھے اُن کی حقیقت کھلے گی لیکن ان کی نقلیں گھر گھر دنیا میں بھی موجود ہیں۔ اور ان کی پہچان کیا ہے؟ میاں بی بی کے آپس کا پیار و اخلاص[5] جس گھر میں میاں بی بی محبت[6] اور سازگاری سے زندگی بسر کرتے ہیں بس سمجھو کہ ان کو دنیا ہی میں بہشت ہے۔ اور اگر آئے دن کی لڑائی ہے جھگڑا ہے یہ اس سے خفا وہ اس سے ناراض تو جانو دونوں جیتے جی جہنم میں ہیں۔ سازگاری کے ساتھ ساری مصیبتیں انگیز[8] کی جا سکتی ہیں

---

[1] اندیشے کی جگہ [2] اکثر ان پڑھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں جن بھوت پری شیطان اور مرے ہوئے لوگوں کی روحیں چلتی پھرتی اور خاص کر بچوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتی رہتی ہیں اگر کسی بچے پر ان چیزوں کی نظر پڑ جائے یا ان میں سے کوئی چیز چلی جا رہی ہو اور بچہ اس سے گزرے یعنی راہ یا جھپیٹ میں آ جائے یا اس کا سایہ پڑ جائے تو وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب تک دعا یا منتر سے جھاڑا پھونکا یا اس جیسے خاص قسم کا صدقہ اُتارا نہ جائے اچھا نہیں ہوتا کتاب کی عبارت میں ان ہی باتوں کی طرف اشارہ ہے [3] ہندوؤں میں بیاہ کے وقت دولہا دلہن دونوں کے دوپٹے لے کر گرہ لگا دیا کرتے ہیں بس پلے بندھی سے مراد جس کے ساتھ اس کا بیاہ ہوا ہو [4] یعنی آخرت عاقبت [5] خالص محبت [6] موافقت ملنساری [7] ہر روز [8] اٹھالی جا سکتی ہیں

بلکہ ان کی ایذا[1] تک محسوس[2] نہیں ہوئی۔ اور سازگاری نہیں تو زندگی میں کچھ مزہ داری نہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ سازگاری کے لئے عورتوں کو زیادہ اہتمام[3] کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کا پلّہ[4] بالکل ہلکا ہے۔ کچھ راہ چلتے کی صاحب سلامت نہیں کہ تم روٹھے[5] ہم چھوٹے۔ بلکہ مرنے بھرنے[6] کا تعلق ہے۔ سازگاری پیدا کرنے کے لئے جو تدبیریں عورت کے اختیار کی ہیں ان سب میں بہتر سے بہتر ہمارے سمجھنے میں لیاقت ہے۔ لڑکیاں شرم کے مارے منہ سے نہ کہیں لیکن دل میں تو ضرور جانتی ہیں کہ کوار پنے[7] کے تھوڑے دن اور ہیں آخر بیاہی جائیں گی۔ بیاہے پیچھے بالکل نئی طرح کی زندگی بسر[8] کرنی پڑتی ہے جیسا کہ تم ماں اور نانی اور خالہ اور کنبے کی تمام عورتوں کو دیکھتی ہو۔ کوار پنے کا وقت تو بہت تھوڑا ہے۔ اس وقت کا اکثر حصہ تو بے تمیزی میں گزر جاتا ہے۔ وہ پہاڑ[9] زندگی تو آگے آ رہی ہے جو طرح طرح کے جھگڑوں اور انواع و اقسام کے بکھیڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ اب تم غور کرو کہ تم کوئی انوکھی[10] لڑکی تو ہو نہیں کہ بیاہ ہوئے پیچھے تم کو کچھ اور بھاگ[11] لگ جائیں گے۔ جو دنیا جہان کی بہو بیٹیوں کو پیش آتی ہے وہ تم کو بھی پیش آئے گی۔ پس سوچنا چاہئے کہ بیاہ ہوئے پیچھے عورتیں کس طرح پر زندگی بسر کرتی ہیں، کیسی ان کی عزت کی جاتی ہے، کہاں تک مرد ان کی خاطر داری کرتے ہیں۔ خاص لوگوں کی حالت پر تو نظر کرو مت بعض جگہ اتفاق سے زیادہ ملاپ ہوا۔ عورت مرد پر غالب آگئی۔ اور جہاں زیادہ ناموافقت ہوئی عورت کا وقر[12] بالکل اُٹھ گیا،

---

۱ تکلیف ۲ معلوم ۳ ارادہ بندوبست ۴ یعنی مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو مرد کے حقوق زیادہ نکلیں گے اور عورت کے کم ۵ کہاوت ہے خفا ہو گئے بھلا ہوا ہم تو بہانہ ڈھونڈھ رہے تھے ہم نے بھی نجات پائی ۶ یعنی مرتے دم تک نباہنا ہے ۷ کوار پنا۔ت کے ساتھ۔ وہ زمانہ جس میں لڑکی بے بیاہی رہے ۸ گزارنی جھیلنی ۹ بڑی بھاری مشکل سخت یعنی یہاں سن اخیر مراد ہے ۱۰ نئی طرح کی خاص طور کی۔ عجیب غریب ۱۱ بھاگ کے معنی ہیں نصیب اسی سے ہے بھاگوان خوش قسمت۔ مراد ہے کہ تمہاری عزت بڑھ جائے گی ۱۲ ۱۲ لحاظ پاس ادب ۱۲

تو بات ہی الگ ہے۔ ملک کے عام دستور اور علم رواج کو دیکھو۔ سو عام دستور کے موافق ہم تو عورتوں کی کچھ قدر دیکھتے نہیں۔ ناقصات العقل[1] تو ان کا خطاب ہے۔ تریا ہٹ[2] تریا چرتر[3] مردوں کے زبان زد[4]۔ عورتوں کے مکر کی مذمت[5] قرآن میں موجود اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْم[6] یعنی مرد لوگ عورتوں کی ذات کو بے وفا جانتے ہیں۔ مصرعہ

"اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید"[7]

یک شاعر نے عورتوں کی وجہ تسمیہ میں بھی ان کی مذمت پیدا کی ہے۔ بیت

اگر نیک بودے سرانجام زن زناں را مزن نام بودے نہ زن[8]

یہ سب باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ خانہ داری کے برتاؤ میں دیکھو تو گھر کی ٹہل خدمت کے علاوہ دنیا کا کوئی عمدہ کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہو یا کسی عمدہ کام کے صلاح مشورے میں عورتیں شریک ہوتی ہیں؟ جن گھروں میں عورتوں کی بڑی عزت اور بڑی خاطر داری ہے وہاں بھی جب عورتوں سے پوچھا جاتا ہو تو یہی "کیوں بی آج کیا ترکاری[9] پڑیگی؟ لڑکی کے واسطے ناٹ[10] باٹی جوتی منگواؤگی یا ڈیڑھ حاشیہ کی؟ چھالیہ مانک[11] چندی ہوگی یا جہازی؟ زردہ[12] پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی۔ رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرہی؟" اس کے سوا کوئی عورت بتادے کہ کبھی مردوں نے اس سے بڑی بڑی باتوں پر

---

[1] کم عقل [2] عورت کی ضد [3] عورت کا فریب [4] یعنی مردوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ بات بات میں کہہ بیٹھتے ہیں [5] برائی [6] اے عورتو! تم بڑی مکار ہو۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہتان باندھا تھا جب زلیخا کے شوہر پر حضرت یوسف کی بے حرمتی ثابت ہو گئی تو اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا جانے بھی دو اور عورتوں کو ملامت کی کہ تم بڑی مکار ہو [7] بھلا کسی نے گھوڑے اور عورت اور تلوار کو بھی وفادار دیکھا ہے [8] عورت کو فارسی زبان میں زن کہتے ہیں اور لفظ زن کے دوسرے معنی ہیں مار۔ تو شاعر کہتا ہے کہ اگر عورت کا سرانجام یعنی کاروبار اچھا ہوتا تو غرض یہ ہے کہ اگر عورت قابل عزت ہوتی تو اسکا نام ہوتا مزن (مت مار) نہ زن (مار) [9] یعنی گوشت میں کونسی ترکاری ڈالی جائے گی [10] ناٹ باٹی اور ڈیڑھ حاشیہ کے کام دار جوتیوں کی دو قسمیں ہیں [11] مانک چندی اور جہازی چھالیا کی دو قسمیں ہیں [12] کھانے کا تمباکو۔ ۱۲۰

صلاح لی ہے یا کوئی بڑا کام اس کے اختیار میں چھوڑ دیا ہے۔ پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے
بُرے حالوں جینا کبھی ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر کبھی افسوس
نہیں ہوتا؟ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظروں میں تمہاری عزت ہو، تمہاری
عقل پر ان کو اعتماد اور بھروسا ہو؟ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقر کھو رکھا ہے، اپنے کارن[۱]
نظروں[۲] سے گری ہوئی ہو۔ تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا؟ تم کو لیاقت ہو
تو مردوں کو کہاں تک پاس[۳] نہ ہوگا؟ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا
سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو۔ پھر جیسی لیاقت ہو ویسی قدر ہو۔ تمہاری اس بالفعل کی حالت
اور جہالت[۴] پر ایک بدعقلی اور ایک مکر و بے وفائی کیا اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائے جائیں تو
واجب اور سارے جہان کی برائیاں تم میں نکالی جائیں تو بجا[۵]۔ اے عورتو! تم مردوں کے دل
کا بہلاوا اور ان کی زندگی کا سرمایہ[۶] عیش، ان کی آنکھوں کی باغ و بہار، ان کی خوشی کو زیادہ
اور ان کے غم[۷] کو غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم سے مردوں کو بڑے کاموں میں مدد ملے اور تم کو
بڑے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو مرد تمہارے پاؤں دھو دھو[۸] کر پیا کریں اور تم کو اپنا
سرتاج بنا کر رکھیں۔ تم سے بہتر ان کا غم گسار[۹]، تم سے بہتر ان کا صلاح کار، تم سے بہتر ان کا
خیر خواہ[۱۰] اور کون ہے؟ لیکن بڑے کاموں کا سلیقہ تم کو حاصل ہو تو کیونکر ہو؟ گھر کی چاردیواری
میں تو تم قید ہو۔ کسی سے ملنے کی تم نہیں۔ کسی سے بات کرنے کی تم نہیں۔ عقل ہو یا سلیقہ آدمی
سے آدمی سیکھتا ہے۔ مرد لوگ پڑھ لکھ کر عقل و سلیقہ حاصل کرتے ہیں اور جو لکھے پڑھے
نہیں وہ بھی ہزاروں طرح کے لوگوں سے ملتے، دس سے دس قسم کی باتیں سنتے۔ اس پردے

---

۱ سبب یعنی آپ اپنی وجہ سے ۲ یعنی مرد تم کو حقارت کے ساتھ دیکھتے ہیں ۳ لحاظ ۴ بے علمی نادانی
۵ درست جائے سر ۶ آرام کا سامان ۷ غم کو ٹال دینا۔ بھلا دینا اور غلط کرنا سب ہم معنی ہیں ۸
ہندوؤں میں دستور ہے کہ مہمان کے پاؤں دھو کر پی لیتے ہیں مراد یہ ہے کہ تمہاری ایسی عزت کریں اور
خاطرداری ۹ غم کا گھٹانے والا ۱۰ بھلائی چاہنے والا ۱۲

سے تم کو نجات کی اُمید نہیں۔ بہت کچھ ہمارے ملکی دستور اور رواج نے اور کسی قدر مذہب نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض و واجب کردیا ہی اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضرور ہے بس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو؟ بلکہ مردوں کی نسبت عورتوں کو پڑھنے لکھنے کی زیادہ ضرورت ہی مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھیرے۔ لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کرلیں گے تم گھر میں بیٹھی بیٹھی کیا کروگی؟ سینے کی بقچی[1] سے عقل کی پڑیا نکال لوگی، یا اناج کی کوٹھڑی سے تجربے[2] کی جھولی بھر لاؤگی؟ پڑھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے بیٹھے تمام دنیا کی سیر کرلیا کرو۔ علم حاصل کرو کہ گھر[3] کے گھر میں زمانے بھر کی باتیں تم کو معلوم ہوا کریں۔ پھر ہی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا ان ہی چند گھروں سے عبارت نہیں ہے جس میں تم رہتی یا آتی جاتی ہو اور نہ دلی یا ان ہی تھوڑے سے شہروں سے عبارت ہے جن کے نام تم نے سنے ہیں۔ خیر تمام دنیا کے حالات بیان کرنے کا تو یہ محل نہیں تم کو شوق ہو تو پڑھ لکھ کر جغرافیہ[4] اور تاریخ[5] کی کتابوں کی سیر کرنا تو جانوگی کہ دنیا کتنی بڑی ہے۔ کیسے کیسے ردوبدل اس میں ہوتے آئے ہیں۔ بہرکیف[6] اُس وقت کا یہ رنگ ہے کہ سارے ہندوستان پر انگریز قابض ہیں ان لوگوں میں مرد عورت۔ امیر غریب۔ نوکری پیشہ سوداگر۔ اہل حرفہ[7] کاری گر زمیندار کاشتکار سب کے سب لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے خدا نے ان کو یہ ترقی دی ہی کہ کہاں ان کی ولایت اور کہاں ہندوستان چھ سات ہزار میل کا فاصلہ اور بیچ میں

---

[1] پوٹلی چھوٹی گٹھڑی [2] تجربہ کے اصل معنی ہیں آزمانا جب ایک آدمی زیادہ کا پہلا آزماتا ہوا اور طرح طرح کے حالات اس کے سامنے گزرتے ہیں تجربہ کار کہلاتا ہی [3] یہ محاورہ ہی یعنی گھر ہی میں [4] موقع جگہ [5] جن کتابوں میں شہروں اور دریاؤں اور پہاڑوں اور جنگلوں یعنی زمین کے حالات لکھے ہوں جغرافیہ کی کتابیں کہلاتی ہیں [6] پچھلے لوگوں کے حالات اور واقعات [7] جو کچھ ہو الغرض [8] حرفہ کی ح کو زیر ہے اور اہل حرفہ اور کاریگر دونوں کے ایک معنی ہیں ۱۲

سمندر۔ مگر علم کے زور سے اس ملک میں آئے۔ علم ہی کے زور سے سلطنت کی اور علم ہی
کے زور سے اس کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ چلا رہے ہیں کہ روئے زمین کی کسی سلطنت
میں ایسا امن و انصاف اور ایسا انتظام نہیں۔ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ دانشمند[1] اور
منصف[2] اور خدا ترس[3] بادشاہ کو رعیت اپنی اولاد سے بڑھ کر پیاری ہوتی ہے۔ پس انگریز
جس دن سے اس ملک میں آئے ہیں اُسی دن سے اس بات کے پیچھے پڑے[4] ہیں کہ
ہندوستان کے لوگ لکھیں پڑھیں، لیاقت حاصل کریں کہ ان کا افلاس[5] دُور ہو۔ ظلم زبردستی
کرنا تو انگریزوں کا دستور نہیں مگر جہاں تک سمجھانے سے، لالچ دکھانے سے ہو سکتا ہے علم
کو ترقی دے رہے ہیں۔ گاؤں گاؤں مدرسے بٹھا دیئے ہیں۔ پڑھنے والوں کو وظیفے اور
انعام دیئے جاتے ہیں جو لوگ امتحان پاس کرتے ہیں ان کو نوکری ملتی ہے۔ سو خدا
کے فضل سے اتنا تو ہوا ہے کہ لکھنے پڑھنے کا بہت رواج ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے یہی
ایک ڈھنگ ہے تو کوئی دن کو دھوبی سقے مزدور تک لکھنے پڑھنے لگیں گے بھلا پھر
ان پڑھ اور جاہل اشراف لوگوں کی، مرد ہوں یا عورت، کیا عزت باقی رہ جائے گی؟ انگریزی
عملداری میں ہزاروں قسم کی نئی چیزیں چل پڑی ہیں۔ ان میں سے ایک عجیب
اور بڑے کام کی ریل ہے جس کی وجہ سے مہینوں کے رستے گھنٹوں میں طے[6] کئے جاتے
ہیں اور وہ بھی کس سہولت[7] اور آسائش کے ساتھ کہ سفر کا سفر اور تفریح[8] کی تفریح
اور یہی سبب ہے کہ لوگ جیسے پردیس کے نام سے گھبراتے تھے اب سفر کے لئے بہانے
ڈھونڈھتے ہیں۔ یہ ہماری یاد کی بات ہے کہ جب کوئی حج کا ارادہ کرتا تو یہ سمجھ کر گھر سے نکلتا
کہ بس جیتے جی کو لوٹ کر آنا نہیں۔ یا اب ریل اور دخانی جہازوں[9] کے طفیل[10] میں یہ حال ہو گیا ہے کہ

---

[1] عقلمند [2] صاحبِ انصاف [3] خدا سے ڈرنے والا [4] در پے ہیں فکر میں لگے ہیں [5] محتاجی بے مقدوری [6] طے کے لفظی معنی لپیٹنے کے ہیں کہتے ہیں کہ اتنا رستہ طے کیا یعنی رستہ چل چکے [7] آسانی [8] خوشی طبیعت کی بشاشی [9] ریل کی طرح جہاز بھی دھوئیں یعنی بھاپ کے زور سے چلتے ہیں اور دخانی جہاز کہلاتے ہیں [10] دخانی جہازوں کی بدولت ۱۲

ذیقعدہ[1] میں گھر سے نکلے محرم کے آخر ہوتے ہوتے مکہ مدینہ دونوں کی زیارت کر کے
اصل خیر سے گھر آموجود ہوئے۔ اور لوگوں میں تو خیر مگر نوکری پیشہ تو شاذ و نادر کوئی
گھر کے گھر میں موجود ہو ورنہ جس کو سنو پردیس۔ لیکن پردیس سے آپس کے تعلقات
تو نہیں چھوٹتے۔ ایک بار بڑے[2] دن کی تعطیل میں دلی جانے کا اتفاق ہوا۔ ذرا گورکھپور[3]
اور دلی کے فاصلے کو دیکھو اور باوجودیکہ گورکھپور سے دلی تک برابر ریل[4] نہ تھی آٹھ دن
کی چھٹی میں آتے جانے کو اور پورے پانچ دن دلی میں ٹھہرنے کو دیکھو۔ بھلے کو انگریزی
عملداری ہو گئی تھی کہ ہم نے بھی یہ آرام دیکھ لئے۔ خیر تو غرض یہ کہ میں چھٹی میں دلی
آیا ہوا تھا کہ ایک بی بی اپنے میاں کے نام خط لکھوانے آئیں۔ بتائی گئیں میں لکھتا
گیا بہت سی باتیں اُن کے منہ تک آتی تھیں مگر لحاظ کے مارے کہہ نہیں سکتی تھیں آخر
مجھ سے نہ رہا[5] گیا اور میں نے ان کو سمجھایا کہ خدا نے تمہاری روزی تو اتاری پردیس میں
اور پردیس بھی مہینے دو مہینے کا نہیں بلکہ ساری عمر کا۔ اس سے تم آپ لکھنا کیوں نہیں
سیکھ لیتیں؟ تو وہ بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگیں بھلا کہیں اب میری عمر لکھنا سیکھنے
کی ہے؟ بال بچوں کے بکھیڑے میں پندرہ پندرہ دن گزر جاتے ہیں کہ سر دھونے تک
کی نوبت نہیں آتی۔ بچپن میں قرآن پڑھا تھا۔ خیر شکر ہے استانی جی کی برکت سے
بھولا تو نہیں مگر مشکل سے گھڑیوں میں جا کر کہیں دو سیپارے پڑھے جاتے ہیں اگر
کہیں ایک مہینے بھی چھوڑ دوں تو سارا قرآن سپاٹ[6] ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے
کہا کہ جب تم کو قرآن یاد ہے تو لکھنا سیکھ لینا کچھ بڑی بات نہیں۔ ہر روز ایک گھنٹہ

---

[1] رمضان سے تیسرا مہینہ جس کو عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں [2] انگریزوں کا مشہور تہوار ہی جاڑے کا موسم دسمبر کے مہینے میں پڑا کرتا ہے اور اس کے بعد سے دن بھی بڑھنے لگتا ہے [3] ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ایک سرحدی ضلع ہے [4] اب ہو گئی ہے [5] ضبط نہ کر سکا [6] صاف یعنی یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا لکھا ہے۔ گویا کورا کاغذ ہے ۱۲

بھی توجہ کرو تو کارروائی کے قدر دو تین مہینے ہیں آسکتا ہے۔ آخر ادو تو تم پڑھ لیتی ہو گی وہ بولیں ہاں کچھ یوں ہی سی اٹک اٹک کر اور اکثر لفظ رہ بھی جاتے ہیں۔ مگر چھپا ہوا تو خاصی طرح نکال لیتی ہوں۔ میں نے کہا بس تو تم کو اُستاد کی بھی ضرورت نہیں۔ نقل کرتے کرتے لکھنا آجائے گا۔ ان بی بی نے دل ہی دل میں میری بات کو تسلیم تو کیا مگر کہنے لگیں شرم سی آتی ہے۔ تب تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دوسروں کے پاس حاجت لیجاتے ہوئے، دوسروں کی خوشامد کرتے ہوئے، دوسروں پر چھپا چھپا کر اپنے حالات ظاہر کرتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی اور لکھنا سیکھتے ہوئے شرم آتی ہے؟ کیا لکھنا کچھ عیب ہے یا گناہ ہے؟ میں نے سنا کہ اس کے بعد سے ان بی بی نے اپنا خط کسی سے نہیں لکھوایا اور پھر تو ان کو لکھنے کا ایسا شوق ہوا کہ جن بی بیوں کے مرد پردیس میں تھے خط لکھنے کے لئے اب ان کے سر ہوتی تھیں۔

لکھنے کو لوگوں نے ناحق بدنام کر رکھا ہے کہ مشکل ہے مشکل۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔ لیکن فرض کرو کہ پڑھنے کی نسبت لکھنا کسی قدر مشکل ہے بھی تو ویسی ہی اس کی منفعتیں بھی ہیں۔ جو شخص پڑھنا جانتا اور لکھنا نہیں جانتا اس کی مثال اس گونگے کی سی ہے جو دوسرے کی سنتا اور اپنی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی شخص شروع شروع میں کسی کتاب سے زیادہ نہیں ایک سطر دو سطر روز نقل کیا کرے اور اسی قدر اپنے دل سے بنا کر لکھا کرے اور اصلاح لیا کرے اور نقل کرنے اور لکھنے میں جھینپے اور جھجکے نہیں تو ضرور چند مہینوں میں لکھنا سیکھ جائے گا۔ خوشخطی سے مطلب نہیں۔ لکھنا ایک ہنر ہے جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا ہے، اگر غلط ہو یا حرف بدصورت اور نادرست

لہ ڈانٹا دھمکایا۔ ملامت کی ۲ہ یعنی خط لکھوانے کے لئے ان پر تقاضا کرتی تھیں گویا ہر وقت ان کے سر پر سوار ہیں ۳ہ شرمائے ۴ہ رکے۔ اصل میں ڈر کر رک جانے کو جھجکنا کہتے ہیں ۵ہ یعنی اگر خوشخط نہ لکھ سکو کچھ پرواہ کی بات نہیں نہ سہی ۱۲

لکھے جائیں تو بیدل ہو کر مشق کو موقوف مت کرو۔ کوئی کام ہو ابتدا میں اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کسی بڑے عالم کو ایک ٹوپی کترنے اور سینے کو دو جس کو کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا ہو وہ ضرور ٹوپی خراب کریگا۔ چلنا پھرنا جو تم کو اب ایسا آسان ہو کہ بے تکلف دوڑی دوڑی پھرتی ہو تم کو شائد یاد نہ رہا ہو کہ تم نے کس مشکل سے سیکھا۔ مگر تمہارے ماں باپ اور بزرگوں کو بخوبی یاد ہے کہ پہلے تم کو بے سہارے بیٹھنا نہیں آتا تھا جب تم کو گود سے اتار کر نیچے بٹھاتے ایک آدمی پکڑے رہتا تھا۔ یا تکیے کا سہارا لگا دیتے تھے پھر تم نے گر گر کر گھٹنیوں چلنا سیکھا۔ پھر کھڑا ہونا لیکن چارپائی پکڑ کر۔ پھر جب تمہارے پاؤں زیادہ مضبوط ہو گئے رفتہ رفتہ چلنا آگیا۔ مگر صدہا مرتبہ تمہارے چوٹ لگی اور تم کو گرتے سنا۔ اب وہی تم ہو کہ خدا کے فضل سے ماشاءاللہ دوڑی دوڑی پھرتی ہو۔ اسی طرح ایک دن لکھنا بھی آجائے گا۔ اور فرض کرو تم کو لڑکوں کی طرح اچھا لکھنا نہ بھی آیا تاہم بقدر ضرورت تو ضرور آجائے گا۔ اور یہ مشکل تو نہ رہے گی کہ دھوبن کی دھلائی اور پیسنے والی کی پسائی کے واسطے دیوار پر لکیریں کھینچتی پھرو۔ یا کنکر پتھر جوڑ کر رکھو۔ گھر کا حساب وکتاب لینا دینا زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے اور بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو روپیہ پیسہ گھر میں دیا کرتے ہیں اس کا حساب پوچھا کرتے ہیں۔ اگر زبانی یاد نہیں ہے تو مرد کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ کہاں خرچ ہوا اور آپس میں ناحق بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اگر عورتیں اتنا لکھنا بھی سیکھ لیا کریں کہ اپنے سمجھنے کے واسطے کافی ہو تو کیسی اچھی بات ہے۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ سینا پرونا۔ کھانا پکانا یہ دونوں ہنر ہر ایک لڑکی کو سیکھنے ضرور ہیں۔ کسی آدمی کو حال معلوم نہیں ہے کہ آیندہ اس کو کیا اتفاق پیش آئے گا۔

۱؎ شروع میں ۲؎ اچھی طرح ۳؎ ہوتے ہوتے ۴؎ سینکڑوں دفعہ ۵؎ بس کرے ۶؎ سوائے ۷؎ پرونا سوئی میں دھاگا ڈالنے کو کہتے ہیں مگر سینا پرونا ایک ساتھ بولا جاتا ہے مگر مراد ہوتی ہے صرف سینا ۱۲

بڑے امیر اور بڑے دولت مند یکایک غریب اور مفلس ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہوتا ہے ضرورت کے وقت کام آتا ہے۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود دولت و ثروت[2] کے ضرور کوئی ہنر سیکھ رکھا کرتے تھے تاکہ مصیبت کے وقت کام آئے۔ یاد رکھو کہ دنیا میں کوئی حالت قابل اعتبار نہیں اگر تم کو اس وقت آرام و فراغت میسّر ہے خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گھر میں برکت اور فراغت[3] دی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس آرام کی قدر نہ کرو۔ یا آیندہ کے واسطے اپنا اطمینان[4] کر لو کہ یہی آرام ہم کو ہمیشہ کے واسطے حاصل رہی گا۔ آرام کے دنوں میں عادتوں کا درست رکھنا ضرور ہے۔ اگرچہ خدا نے تم کو نوکر چاکر بھی دئے ہوں۔ لیکن تم کو اپنی عادت نہیں بگاڑنی چاہیئے۔ شاید خدانخواستہ[5] مقدور باقی نہ رہے تو یہ عادت بہت تکلیف دیگی۔ آپ اُٹھ کر پانی نہ پینا یا چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں یا چھوٹے بھائی بہنوں کو تکلیف دینا اور آپ احدی[6] بن کر بیٹھے رہنا نامناسب اور عادت کے بگاڑنے کی نشانی ہے۔ تم کو اپنا سب کام آپ کرنا چاہیئے بلکہ اگر تم چست و چالاک رہو تو گھر کے بہت کام تم اٹھا سکتی ہو اور اگر تم تھوڑی سی محنت بھی اختیار کرو تو اپنی ماں کو بہت کچھ مدد اور سہارا لگا سکتی ہو۔ خوب غور کر کے اپنا کوئی کام ایسا مت چھوڑو جس کو ماں اپنے ہاتھوں کرے یا دوسروں کو اس کے واسطے بُلاتی اور تکلیف دیتی پھرے۔ رات کو جب سونے لگو اپنا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھا لیا کرو اور صبح سویرے اٹھ کر آپ تہ کر کے احتیاط سے مناسب جگہ رکھ دیا کرو۔ اپنے کپڑوں کی

---

[1] مراد ہے سیکھا ہوا ہونا ہے [2] امیری [3] یعنی خرچ کی تنگی نہیں ہے [4] تسلی بھروسا [5] خدا نہ کرے [6] سست۔ کاہل۔ کام چور۔ اصل میں احدی بادشاہی وقتوں میں وہ لوگ تھے جو گھر بیٹھے بے خدمت تنخواہ پاتے۔ ایسے کارپرد بولا جائے گا ۱۲

گٹھری اپنے اہتمام میں رکھو جب کپڑے بدلنے منظور ہوں اپنے ہاتھ سے پھٹا اُدھڑا
درست کر لیا کرو۔ میلے کپڑوں کی احتیاط کرو جب تک دھوبن کپڑے لینے آئے تو علٰحدہ[1]
کھونٹی پر لٹکا رکھو۔ اگر کپڑے بدل کر میلے کپڑے اٹھا نہ رکھو گی شاید چوہے کاٹ ڈالیں
یا پڑے پڑے زیادہ میلے ہوں اور دھوبن ان کو خوب صاف نہ کر سکے یا شاید زمین کی
نمی[2] اور پسینے کی تری سے ان میں دیمک لگ جائے۔ پھر دھوبن کو اپنے میلے کپڑے
آپ دیکھ کر دیا کرو۔ اور جب دھو کر لائے خود دیکھ لیا کرو۔ شاید کوئی کپڑا کم نہ لائی
ہو یا کہیں سے پھاڑ نہ دیا ہو یا کہیں داغ[3] باقی نہ رہ گئے ہوں۔ اس طرح جب تم
اپنے کپڑوں کی خبر رکھو گی تمہارے کپڑے خوب صاف دھلا کریں گے اور کوئی کپڑا گم نہ
ہو گا جو زیور تم پہنے رہتی ہو بڑے داموں کی چیز ہے شام کو سونے سے پہلے اور صبح
کو جب سو کر اٹھو خیال کر لیا کرو کہ سب ہیں یا نہیں۔ اکثر بے خبر لڑکیاں کھیل کود میں
زیور گرا دیتی ہیں اور کئی کئی دن کے بعد ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بالی گر گئی چھلا نکل پڑا
جب کہ گھر میں کئی مرتبہ جھاڑو دی جا چکی کیا معلوم ذرا سی چیز کس کی نظر پڑ گئی اٹھا لی
یا کہیں مٹی میں دب دبا گئی۔ تب وہ غافل[4] لڑکیاں زیور کے واسطے افسوس کرکے
روتی اور تمام گھر کو جستجو میں حیران کر مارتی ہیں اور جب ماں باپ کو معلوم ہوتا
ہے کہ یہ لڑکی زیور کو احتیاط سے نہیں رکھتی اور کھو دیتی ہے تو وہ بھی دریغ[5] کرنے
لگتے ہیں۔ تم کو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ گھر کے کاموں میں کونسا کام تمہارے
کرنے کا ہے۔ بے شک چھوٹے بھائی بہن اگر روتے اور ضد کرتے ہیں تم ان کو سنبھال سکتی
ہو تا کہ ماں کو تکلیف نہ دیں۔ منہ دھلانا۔ ان کے کھانے اور پانی کی خبر رکھنا۔ کپڑا
پہنانا یہ سب کام اگر تم چاہو تو کر سکتی ہو۔ لیکن اگر تم اپنے بھائی بہنوں سے لڑو اور ضد

---

[1] الگ [2] سیل [3] دھبے [4] بے خبر [5] مضائقہ بخل ۱۲

کرو تو تم خود اپنا وقر کھوتی اور ماں کو تکلیف دیتی ہو۔ وہ گھر کا کام دیکھے یا تمہارے مقدمے فیصلہ کیا کرے۔ گھر میں جو کھانا پکتا ہے اُس کو اسی غرض سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ کب پک چکے گا اور کب ملے گا۔ گھر میں جو کتّا اور بلّی یا دوسرے جانور پلے ہیں وہ اگر پیٹ بھرنے کی اُمید سے کھانے کے منتظر رہیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن تم کو غور کرنا چاہیئے کہ سالن کس طرح بھونا جاتا ہے، نمک کس انداز سے ڈالتے ہیں۔ اگر ہر ایک کھانے کو غور سے دیکھا کرو تو یقین ہے چند روز میں تم پکانا سیکھ جاؤ گی اور تم کو وہ ہنر آجائے گا جو دنیا کے تمام ہنروں میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے۔ معمولی کھانوں کے علاوہ تکلف کے چند کھانوں کی ترکیب بھی سیکھ لینی چاہیئے۔ آئے گئے[1] کی دعوت میں ہمیشہ طرح طرح کے پُر تکلف[2] کھانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کباب۔ پلاؤ۔ میٹھے چاول زردہ متنجن۔ چٹنی۔ مربّہ۔ فیرنی سب مزے دار کھانے ہیں۔ ہر ایک کی ترکیب یاد رکھنی چاہیئے۔ بعض کھانے تکلف کے تو نہیں ہوتے لیکن ان کا مزے دار پکانا تعریف کی بات ہے۔ جیسے مچھلی، کریلے۔ سینا تو چنداں دشوار نہیں قطع کرنا البتہ عقل کی بات ہے دل لگا کر اس کو معلوم کر لینا بہت ضرور ہے۔ عورتوں کے سب کپڑوں کو قطع کرنا خاص کر ضرور سمجھ لینا چاہیئے۔ ہم نے اکثر بے وقوف عورتوں کو دیکھا کہ اپنے کپڑے دوسری عورتوں کے پاس قطع کرنے کے واسطے لئے لئے پھرا کرتی ہیں اور ان کو تھوڑی سی بات کے لئے بہت سی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ مردانے کپڑوں میں انگرکھا کسی قدر مشکل ہے۔ تم اپنے بھائیوں کے انگرکھے قطع کیا کرو۔ دو چار انگرکھے قطع کرنے سے سمجھ میں آجائے گا +

---

[1] مہمان مراد ہیں [2] تکلف کے بھرے ہوئے۔ یعنی تکلف کے ۱۲

باب دُوسرا[2]

قصّے کا آغاز[1] اور جن لوگوں کا اِس قصّے میں بیان ہے اُن کے مختصر[2] حالات

اب تم کو ایک بڑے مزے کا قصہ سُناتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ جہالت اور بے ہنری سے کیا کیا تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

دلی میں اندیش خانیوں کا ایک بڑا مشہور خاندان[3] ہے۔ مدت سے اس خاندان کے مردوں کے نام اندیش خاں پر چلے آتے تھے۔ جیسے دوراندیش خاں، مآل اندیش خاں۔ خیر اندیش خاں وغیرہ۔ اس سے یہ لوگ اندیش خانی کہلائے ان لوگوں کا اتنا بڑا خاندان تھا کہ شہر میں شریفوں کا کوئی محلہ نہ ہوگا جس میں دو چار گھر اندیش خانیوں کے نہ ہوں۔ یہ لوگ سب کے سب نوکری پیشہ اور اکثر ہندوستانی سرکاروں میں ممتاز[4] خدمتوں پر مامور تھے۔

دوراندیش خاں جن کے خانگی حالات سے یہ کتاب ترتیب دی گئی پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں سرکار انگریزی کی طرف سے تحصیلدار تھے۔ نوکری اور تنخواہ تو کچھ ایسی بہت بڑی نہ تھی مگر آدمی تھے لائق اور دیانت[5] دار اور کارگزار کہ اتنی صفتیں نوکروں میں ذرا کم ہوتی ہیں، اس سے انگریزوں میں اچھی آبرو پیدا کی تھی۔ ہم سے اور دوراندیش خاں صاحب سے جب اوّل اوّل ملاقات ہوئی کہ اس کو بھی اب چاہے سوا چار برس ہونے آئے تو انکی عمر ایسی کوئی چوالیس پینتالیس برس کی رہی ہوگی۔ بہت ہی خوش رُو[6] آدمی تھے۔

---

[1] شروع [2] تھوڑے تھوڑے [3] کنبہ [4] یعنی بڑی بڑی نام و نمود کی بڑی بڑی تنخواہوں کی نوکریاں رکھتے تھے [5] رشوت نہیں لیتے تھے کام بے لاگ کرتے تھے [6] خوبصورت - ۱۲

کشیدہ[1] قامت۔ بدن کے اکہرے[2]۔ جامہ زیب[3]۔ ڈاڑھی کھچڑی[4] ہو چلی تھی۔ ہم تو سمجھے تھے کہ دادا اور نانا ہوں تو عجب نہیں مگر پھر معلوم ہوا کہ ابھی بڑی لڑکی کا بیاہ کئے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ ان کی کچھ ایسی بہت اولاد بھی نہ تھی۔ صرف دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ یہ چاروں بچے گنگا جمنی کے طور پر پیدا ہوئے تھے۔ یعنی سب سے بڑی پہلونٹی کی اکبری۔ اس کے اوپر کا خیر اندیش۔ خیر اندیش کے اوپر کی اصغری اصغری کے بعد سب سے چھوٹا مآل اندیش۔ ایک دن کچھ یوں ہی مذکور سا آگیا کہ اولاد کم ہے تو بولے کہ خدا اصغری کی عمر میں برکت دے اور اس کو صاحب نصیب کرے اور انشاء اللہ ہوگی۔ مجھے تو بیٹا بیٹی کسی کی تمنا[5] باقی نہیں "

دور اندیش خاں بیس برس پورے ہو کر اکیسویں میں لگے تھے کہ ان کا بیاہ ہوا۔ اور اکبری پیدا ہوئی بیاہ کے کہیں دس ساڑھے دس برس بعد۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زیادہ تر اس انتظار کے سبب اور کسی قدر پہلونٹی کی ہونے کی وجہ سے بھی اکبری کے ساتھ ایسے چوچلے برتے گئے کہ انھوں نے اکبری کے مزاج پر بہت ہی برا اثر کیا۔ نہ تو اُس نے کچھ پڑھا لکھا، نہ کوئی ہنر سیکھا نہ عقل حاصل کی اور نہ اپنی عادتوں کو سنوارا۔ بس اکبری میں سوائے اس کے کہ وہ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھی تعریف کی بات ہی نہ تھی۔ پیدا ہونے کے ساتھ اس کو نانی نے اپنی بیٹی بنایا اور اس قدر اس کی ناز برداری[6] کی کہ اس کے رونے اور مچلنے کے ڈر کے مارے وہ بے چاری کسی کے شادی بیاہ میں شریک نہیں ہو سکتی تھیں اکبری ماں کو آپا اور باپ کو بھائی کہتی تھی۔ اور کہتی کیا تھی اِسی طرح پر اس کو

---

[1] قد کے لمبے [2] یعنی دبلے مگر سوکھے ہوئے نہیں [3] جو کپڑے پہنتے انکو پھبتے [4] یعنی داڑھی میں سیاہ و سفید دونوں طرح کے بال تھے [5] آرزو [6] ناز برداریاں۔ ۱۲

سمجھایا اور سکھایا گیا تھا۔ وہ بات بات میں ماں کے ساتھ ایسی ردوکد رکھتی کہ گویا دونوں اوپر تلے کی بہنیں ہیں۔ ماں کے ساتھ اکبری کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر ڈانٹنے اور دھمکانے کا کیا منہ کو نانی الٹی اسی کی حمایت لیتیں اور بگڑ بگڑ کر بیٹی سے کہتیں "پھر بھانی کیوں بچے کے منہ لگو، اور بچے کی بات کا برا کیوں مانو؟"

دور اندیش خاں جہاں نوکر ہوتے اکثر بی بچوں کو اپنے پاس بلا بھی لیا کرتے تھے۔ جب کبھی ایسا اتفاق ہوا نانی نے اکبری کو کسی نہ کسی بہانے سے روک روک لیا۔ اور جب سے پیدا ہوئی بیاہ کی گھڑی تک ایک لمحے کے لئے اپنے سے جدا نہ کیا۔ اور یوں اکبری نانی کے احمقانہ لاڈ[1] کی وجہ سے ماں اور باپ دونوں کی تنبیہ[2] سے مطلقاً آزاد رہی اور بے شری[3] اٹھی۔ اصغری کا حال بالکل اس کے خلاف تھا سارے چوچلے اور ارمان تو اکبری پر ختم ہو چکے تھے۔ یہ اپنی خوش نصیبی سے ماں باپ کے یہاں تیسری جگہ تھی۔ اس نے پرورش پائی بڑوں کی نگرانی[4] میں، بزرگوں کی روک ٹوک[5] میں۔ اس نے چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مسائل کی اردو کتابیں پڑھ لی تھیں، لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی۔ اگر ماں دلی ہوتی اور باپ باہر نوکری پر تو جب تک دلی رہتی گھر کا حال باپ کو ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی۔ ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی اور انواع اور اقسام کے مزہ دار کھانے پکانا جانتی تھی۔ تمام محلے میں اصغری خانم کی تعریف تھی۔ ماں کے گھر کا تمام بندوبست اصغری خانم کے ہاتھوں میں تھا۔ جب کبھی باپ رخصت لے کر گھر آتا خانہ داری کے انتظام میں اصغری سے صلاح پوچھتا، روپیہ، پیسہ، کوٹھڑیوں اور صندوقوں کی کنجیاں، سب کچھ اصغری کے اختیار میں رہا کرتا تھا، اصغری کی نیک بختی اور سلیقہ مندی[6]

---

[1] بڑی چھوٹی جن کے بیچ میں کوئی بچہ نہ ہو [2] خفا ہو کر منہ بنا بنا کر [3] احمقوں کے سے [4] ڈانٹ ڈپٹ کر روک ٹوک [5] گویا اُس کے سر پر کوئی بڑا نہیں [6] دیکھ بھال [7] طرح طرح اور قسم قسم کے [8] سلیقہ مندی ۱۲

دیکھ کر ماں باپ دونوں جان و دل سے اصغری کو چاہتے. بلکہ محلے کے سب لوگ اصغری کو پیار کرتے تھے۔ مگر اکبری خود بخود اپنی چھوٹی بہن سے ناراض رہا کرتی بلکہ اکیلا پاکر مار بھی لیا کرتی تھی۔ لیکن اصغری ہمیشہ آپا[1] کا ادب کرتی اور کبھی ماں سے اس کی چغلی نہ کھاتی۔ دونوں بہنوں کی منگنی بھی اتفاق سے ایک ہی گھر میں ہوئی۔ محمد عاقل اور محمد کامل دو حقیقی بھائی تھے۔ اکبری کا بیاہ بڑے بھائی محمد عاقل سے ہوا تھا اور اصغری کی بات محمد کامل کے ساتھ ٹھہر چکی تھی مگر بیاہ نہیں ہوا تھا۔

باب تیسرا[3]

اکبری کی بدمزاجی اور اس کا سسرال سے روٹھ کر چلا آنا

کنبے کے لوگوں میں اکبری کی بدمزاجی اور بے ہنری اور شرارتوں کی اس قدر شہرت تھی کہ جہاں کہیں اس کی منگنی کا پیام جاتا کوئی ہامی[3] نہیں بھرتا تھا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نہ سان[4] نہ گمان ایک دم سے مردوں مردوں میں ایک ساتھ دونوں بہنوں کی بات ٹھہر گئی جس[5] اتفاق سے دور اندیش خاں اور مولوی محمد فاضل دونوں میں پرانی راہ و رسم تھی۔ دونوں نے ایک ہی استاد سے پڑھا بھی تھا۔ ایک مرتبہ دور اندیش خاں رخصت لے کر دلّی آرہے تھے، راہ میں مل گئے مولوی محمد فاضل نے بااصرار ان کو اپنے پاس ٹھیرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دور اندیش خاں نے دونوں

---

[1] دلّی والے بڑی بہن کو آپا پکارتے ہیں۔ ان میں بھی مغل لوگ باجی اور بڑی بہن بڑی بہت ہو تو باجی اماں [2] خفا ہو کر [3] یعنی کوئی نہیں کہتا تھا کہ ہاں میں کرتا ہوں مجھے منظور ہے [4] نہ وہم نہ گمان [5] جیسے کو تسے خدا کرے ۱۲

بیٹیاں مولوی صاحب کو دینی کر لیں۔ جب کنبے والوں کو معلوم ہوا تو کسی نے محمد عاقل کی ماں سے کہا بھی کہ سمدھیانے کا کیا پوچھنا ہے مگر بڑی لڑکی کو لوگ مزاج کی بہت بری بتاتے ہیں۔ محمد عاقل کی ماں اس طرح کی نیک دل عورت تھی کہ ہر چند اکبری کے حالات میں نے سنائے اُس کو سب معلوم تھے تاہم اُس نے یہی جواب دیا کہ "استخوان اچھی چاہیئے۔ خدا رکھے امیر گھر کی بیٹی ہے۔ بڑی پھرک کے بعد پیدا ہوئی۔ نانی کو نھا ارمان اور ارمان کی جگہ تھی۔ اُنھوں نے کسی بات میں بچی کے دل کو میلا ہونے دیا نہیں۔ لاڈ پیار میں اگر کچھ ضد کرنے لگی ہو گی، سو بچے اپنی اپنی جگہ سبھی ضد کیا کرتے ہیں۔ بیاہ کی دیر ہے، آپ ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

مگر یہ صرف بڑی بی کا خیال ہی خیال تھا۔ اکبری بیاہ ہوئے سے درست تو کیا ہوتی اُس نے تو چوتھے پانچویں ہی مہینے میاں پر تقاضا کرنا شروع کیا کہ "ہم سے تمھاری ماں کے ساتھ نہیں رہا جاتا۔ ہم یا تو رہیں گے اپنے میکے میں یا خیر اسی ہی زیر دستی ہے تو کسی دوسرے محلے میں چل رہو۔ ہم سے یہ رات دن کی کلکل نہیں سہی جاتی۔" محمد عاقل ہکا بکا سا ہو کر بیوی کا منہ دیکھنے لگا اور بولا کہ "آخر کچھ بات بھی؟ مجھ سے تو آج تک اماں جان نے تمھاری کوئی شکایت کی نہیں۔"

اکبری۔ لو اور سنو۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے! وہ میری کیا شکایت کرتیں؟ شکایت کرتا ہی کم زور، شکایت کرتا ہے وہ جس کا کچھ بس نہیں چلتا۔ شکایت کرتا

---

۱ وعدہ کر لیا کہ میں اپنی دونوں بیٹیوں کا بیاہ تمھارے دونوں بیٹوں کے ساتھ کروں گا ۲ ایک گھر کا بیٹا ایک گھر کی بیٹی سے بیاہا جائے تو یہ دونوں گھر ایک دوسرے کے سمدھیانے کہلاتے ہیں ۳ لفظی معنی ہڈی یہاں مراد ہے ذات نسب ۴ کسی چیز کو ترس جانا اور پھڑک جانا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ۵ دل میلا ہونا رنجیدہ اور اداس ہونا ۶ بڑی بی محمد عاقل کی ماں مراد ہیں ۷ لڑائی جھگڑا ۸ حیران ۹ یہ کہاوت ایسی جگہ کہی جاتی ہے کہ زید میر اتو قصور کرے اور الٹا مجھی کو الزام دے۔ ۱۲

ہے مظلوم۔"

محمد عاقل۔" خدانخواستہ تم پر کسی نے کیا ظلم کیا۔ کچھ بتاؤگی بھی۔"

اکبری۔" ایک ہو تو بتاؤں۔ سارے دن ان کو میرا ہی پٹنا[1] ہے۔"

محمد عاقل۔" تم نے کچھ معلوم بھی کیا کہ کیا چاہتی ہیں؟

اکبری۔" چاہتی کیا ہیں۔ میرے پاس کسی کے آنے اور بیٹھنے تک کی روادار[2] نہیں تیوری تو اُن کی میں جانتی ہوں خدا نے چڑھی ہوئی بنائی ہے۔ مگر آج تو انہوں نے چُنیا اور زلفن اور رحمت اور سلمتی منہ در منہ سب کی فضیحتی[3] کی۔"

محمد عاقل۔" تم کو ان لڑکیوں کا کچھ حال بھی معلوم ہے؟ چنیا تو بھٹیاری ہے زلفن شاید بخشو قلعی گر کی کوئی ہے۔ رحمت سقنی ہے۔ اور اس کالی کالی سلمتی کو میں نے اکثر مولن کنجڑے کی دوکان پر دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، ضرور اس کی بیٹی ہوگی۔ مولن سے اس کا نقشہ بھی ملتا ہوا ہے۔ بھلا پھر یہ لوگ اس قابل ہیں کہ تم ان کو اپنی سہیلیاں[4] بناؤ؟ محلے کے بھلے آدمی سنیں گے تو کیا کہیں گے؟ غریب ہونا کچھ عیب کی بات نہیں ہے مگر ایسے لوگوں کی عادتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ اسی خیال سے والدہ نے ان لڑکیوں کے آنے کی ممانعت کی ہوگی۔ سو یہ تو کوئی بُرا ماننے کی بات نہیں۔"

اکبری۔" بس تم ماں بیٹوں کی مرضی تو مجھے قید میں ڈالنے کی ہے۔ سارے دن اکیلے چُپ بیٹھے بیٹھے آدمی کا دم گھٹ جائے۔ نوج[5]۔"

محمد عاقل۔" اکیلی کیوں بیٹھو؟ گلی کی گلی میں قاضی امام علی، حکیم شہنا الدولہ

---

[1] میرے ہی پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ میرا ہی دکھڑا روتی رہتی ہیں [2] اس کو جائز نہیں رکھتیں کہ کوئی میرے پاس آئے اور بیٹھے [3] بُرا بھلا کہا [4] صورت شکل [5] جس طرح مردوں کے میل ملاپ والے یار دوست کہلاتے ہیں۔ عورتوں کی میل ملاپ والیوں کو سہیلی کہتے ہیں [6] عورتوں کی بولی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہو جیو سے نوج بنالیا ہے ۱۲

منشی ممتاز احمد۔ مولوی روح اللہ۔ میر حسن رضا آغائی صاحب وغیرہ کوڑیوں اشراف بھرے پڑے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بہو بیٹیوں سے ملو۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد" اکبری: "ان سے ملے میری جوتی۔ ان سے ملے میری بلا۔ تم بھی وہی ہماری اماں جیسی ہانی لائے۔ وہ بھی بہت میرے پیچھے پڑی رہا کرتی تھیں کہ منیاری کی بیٹی بنّو سے نہ مل۔ وہ بنی ہوئی تھی میری سہیلی، بھلا اُس سے میں کیسے نہ ملتی؟ اماں کی ضد میں میں نے بنّو کے ساتھ ایک چھوڑ دو گڑیوں کے بیاہ کیے۔ اور اماں سے چرا چرا کر اناج اور پیسے اور کپڑے اور کوڑیاں اتنی چیزیں بنّو کو دیں کہ اماں بھی زِچ ہو ہوگئیں۔ نانی اماں کے ڈر کے مارے مارتیں تو کیا، بہتیرا کوستی تھیں، بُرا بھلا کہتی تھیں مگر ہم نے بنّو کا ملنا نہ چھوڑا۔"

محمد عاقل نے کہا: "تم نے بہت جھک مارا۔"

یہ سن کر وہ احمق عورت بولی: "دیکھو، خدا کی قسم۔ میں نے کہہ دیا۔ مجھ سے زبان سنبھال کر بولا کرو۔ نہیں پیٹ پٹیٹ کر اپنا خون کر ڈالوں گی۔" یہ کہہ کر رونے لگی اور اپنے ماں باپ کو کوسنا شروع کیا: "الٰہی اِس اماں باوا کا بُرا ہو، کیسی کمبختی میں مجھ کو دھکیل دیا ہے۔ مجھ کو اکیلا پا کر ستانا شروع کیا ہے۔ الٰہی میں مر جاؤں میرا جنازہ نکلے۔" اور غصّے کے مارے پان کھانے کی پٹاری جو چارپائی پر رکھی تھی لات مار کر گرا دی۔ تمام کتھا چونا توشک پر گرا۔ اُدنی دریس کا لحاف پائنتی تہ کیا ہوا رکھا تھا چونے کے لگتے ہی اُس کا تمام رنگ کٹ گیا۔ پٹاری کے گرنے کا غُل سن کر سامنے کے دالان سے ساس دوڑی آئیں۔ ماں کو آتے دیکھ کر بیٹا تو دوسرے دروازے سے چل دیا۔ لیکن اپنے دل میں کہتا تھا ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا

۱۔ بیس کا ایک کوڑی ۲۔ ہماری آنکھیں روشن ہمارا دل خوش جیسے کہتے ہیں آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک
۳۔ یعنی انہی کی ریس کرنے لگے ۴۔ دق ۵۔ یعنی اپنے تئیں آپ مار مار کر ۶۔ پلنگ کا روئی دار بچھونا ۱۲

ساس نے آکر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھپان پکا کر کلھیا میں بھر دیا تھا سب بگر پڑا ہے۔ توشک کتھے میں لت پت ہے لحاف چونے میں تر بتر۔ بہو زار وقطار رو رہی ہے۔ آتے ہی ساس نے بہو کو گلے سے لگالیا اور اپنے بیٹے کو ناحق بہت کچھ برا کہا۔ انہی فل جوبی کا سہارا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا۔ ہرچند ساس نے منت کی اور سمجھایا اس مکار عورت پر مطلق اثر نہ ہوا ہمسائے کی عورتیں رونے پیٹنے کی آواز سن کر جمع ہو گئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن سمدھیانے دوڑی گئی اور ایک ایک کی چار چار لگائیں۔ نانی کی بے تدبیریوں نے تو اکبری کو غارت ہی کیا تھا، نہ اچھی طرح پوچھا نہ گچھا سنتے کے ساتھ ڈولی پر چڑھ آ پہنچیں۔ بہت کچھ لڑیں جھگڑیں۔ آخر اکبری کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

باب چوتھا

اکبری کی شرارتیں، پھوہڑپن، حمق، اور بدمزاجیاں۔ اس کا پھر علیٰحدہ عید کے دن بے لطفی سے چلا جانا۔ ضمناً اصغری کی مدح

اکبری گئی تو ایسے بے طوری سے تھی کہ شاید اس کو برسوں سسرال کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر اتفاق سے اس کی سگی خالہ محمد عاقل کے گھر کے قریب

---

۱ یعنی اکبری اور بھی بلبلا کر روئی۔ یہ بھی ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اونگھتے ہوئے آدمی کو ٹھیل دو جھکا دو تو نہ لیٹتا بھی لیٹ جائے گا ۲ خوشامد ۳ برباد ۴ یعنی اس بیان میں ۵ تعریف ۶ مراد ہے سسرال کا آنا ۷ پاس ۱۲۔

رہتی تھیں۔ اگر یہ نیک بخت تنتھنبو نہ کرتی رہیں تو سسرال میں اکبری کی ایک دن بھی گزر نہ ہو۔ اکبری کا چلا جانا سُن کر خالہ تے بہت افسوس کیا کہ "اگر مجھ کو وقت پر ذرا بھی لڑائی کی خبر ہو تو اکبری کی ایسی کیا مجال تھی کہ چلی جاتی۔ میں تو اس کو دولی میں سے گھسیٹ لیتی"۔ انھوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اکبری تو نری احمق ہے۔ رہیں نانی، ان کو خدا نے بیٹھے بٹھائے نواسی کا عشق لگا دیا ہے۔ مگر ہاں آپا اکبری کی ماں، بیٹی کو بٹھانے والی نہیں۔ جب دیکھا کہ بہت دن ہو گئے اور جانبین سے سلام و پیغام تک متروک ہے تو بھانجی کی مامتا کے مارے خود گئیں اور ماں اور نانی دونوں کے سامنے اکبری کو بہت کچھ لعنت ملامت کی سمجھایا، دھمکایا، ڈرایا اور اپنی ماں سے کہا کہ "تمہاری باولی محبت اس کو ضرور گھر سے اُجاڑ کر رہے گی۔ بارے رمضان کی تقریب سے زبردستی بھانجی کو سسرال لوا لائیں کہ سمدھن اکیلی ہیں، اوپر سے آ رہا ہے رمضان غصے کو تھوک ڈالو۔ اور چل کر ساس کا ہاتھ بٹواؤ۔ اب تم بچی نہیں رہیں۔ تمہاری عمر بال بچہ ہونے کی ہے۔ تمہاری بھر کم ہو اور گھر کو گھر سمجھو۔ لڑو یا جھگڑو تم کو اپنی عمر اسی گھر میں تیر کرنی ہے۔

چند روز تک محمد عاقل مزاج دار بہو سے ناخوش رہا۔ آخر کو خلیا ساس نے میاں بی بی کا ملاپ کرا دیا۔ لیکن جب مزاجوں میں ناموافقت ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں بگاڑ کا سامان موجود ہوتا ہے۔ محمد عاقل نے ایک دن اپنی ماں سے کہا کہ "آج میں نے ایک دوست کی دعوت کی ہے افطاری اور کھانے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے"۔

۱؎ رنگ تھام سنبھال ۲؎ طاقت ۳؎ دونوں طرف یعنی دونوں سمدھیانوں سے ۴؎ پیغام اور پیغام ایک ہی چیز ہے ۵؎ دور کرو ۶؎ گھر کا کام کاج کچھ وہ کریں کچھ تم کرو ۷؎ یعنی چھچھور پن چھوڑو وقار مزاجی اختیار کرو ۸؎ بسر کرنی ہے گزارنی ہے ۹؎ مسلمان آفتاب کے ڈوبتے ہی روزہ کھولتے ہیں۔ روزہ کھولنے کو روزہ افطار کرنا اور وقت کو افطار کا وقت اور جس چیز سے روزہ کھولیں مثلاً شربت وغیرہ اس کو افطاری کہتے ہیں ۱۰؎ بندوبست

ماں نے جواب دیا" تین دن سے افطار کے وقت مجھ کو لرزہ[1] چڑھتا ہی۔ مجھکو اپنی خبر تک نہیں رہتی۔ خدا ہمسائی کا بھلا کرے کہ وہ بے چاری آ کر پکا جاتی ہے تم نے دعوت سے پہلے گھر میں پوچھ تو لیا ہوتا"

محمد عاقل نے بی بی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ" یہ کیا اتنے کام کی بھی نہیں ہیں" بہو کو اتنا ضبط کہاں تھا کہ اتنی بات سن کر چپ رہے۔ سنتے ہی بولی " اسی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے۔ لو صاحب روزے میں چولھا پھونکنا!" محمد عاقل نے سوچا اب اگر میں کچھ رد و کد کرتا ہوں تو پہلے کی طرح رسوائی ہوگی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا[2] اور افطار کے واسطے کچھ بازار سے مول لے آیا۔ غرض بات ٹل گئی۔

اب محمد عاقل کو دوسری آفت پیش آئی عید۔ بے چارے نے ایک ہفتہ آگے سے مزاج دار بہو صاحب کے جوڑے کی تیاری شروع کی۔ ہر روز طرح طرح کے کپڑے، رنگ برنگ کی چوڑیاں، ڈیڑھ حاشیہ اور سلمہ ستارے کی کامدار جوتیاں لاتا۔ مزاج دار کی خاطر تلے کچھ نہیں آتا تھا[3] اور پھر کم بخت کچھ اپنے منہ سے پھوٹتی بھی نہ تھی[4] کہ ایسی چیز لادو۔ یہاں تک کہ عید کا ایک دن باقی رہ گیا۔ مجبور ہو کر اکبری خانم کی خالہ کے پاس گیا۔ انہوں نے آواز سن کر اندر بلا لیا بلائیں لیں[5]، پیار سے بٹھایا اور پوچھا" کہو اکبری تو اچھی ہے؟"

محمد عاقل نے کہا" صاحب آپ کی بھانجی تو عجب مزاج کی عورت ہیں میرا تو دم ناک میں آگیا ہے[6]۔ جو ادا ہے سو نرالی ہے اور جو بات ہے سو ٹیڑھی"

---

[1] جاڑے کی کپکپی [2] کھسیانا ہو کر رہ گیا [3] پسند نہیں آتا تھا [4] یعنی کہتی بھی نہ تھی [5] پیار کے طور پر دونوں ہاتھ سر پر پھیر کر اپنی کنپٹیوں پر انگلیوں کے چٹخانے کو بلائیں لینا کہتے ہیں [6] یعنی میں بہت عاجز آگیا ہوں۔ ۱۲

خلیا ساس نے کہا "بیٹا! اس کا کچھ خیال مت کرو! ابھی کم عمر ہے۔ بال بچے ہونگے، گھر کا بوجھ پڑے گا مزاج خود بخود درست ہو جائے گا۔ اور آخر اچھے لوگ بروں سے بھی نباہ دیتے ہیں۔ بیٹا تم کو خدا نے سب لائق کیا ہے۔ ایسی بات نہ ہو کر لوگ ہنسیں۔ آخر تمہاری ناموس[1] ہے"

محمد عاقل نے کہا "جناب میں تو خود اسی خیال سے بہت در گزر کرتا رہتا ہوں اب دیکھئے کل عید ہے۔ اس وقت تک نہ چوڑیاں پہنی ہیں، نہ کپڑے بنائے ہیں۔ ذرا آپ چل کر سمجھا دیجئے۔ میں نے بہت کچھ کہا۔ اماں نے بہت منتیں کیں۔ نہیں مانتیں"

خلیا ساس نے کہا: "اچھا تمہارے خالو[2] ابا نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہیں آلیں تو اُن سے پوچھ کر چلتی ہوں"

غرض خالہ اماں نے جا کر چوڑیاں پہنائیں۔ کپڑے قطع کئے۔ جلدی کے واسطے سب مل کر سینے بیٹھیں۔ خالہ نے کہا "بیٹی پائجامے میں کلیاں تم لگاؤ۔ گوٹ تمہاری ساس کترے۔ میں اتنے میں تمہارے ڈوپٹے میں توئی ٹانکتی ہوں"

جب اکبری کلیاں لگا چکی تو اُس نے اِترا[3] کر خالہ سے کہا "لو بی۔ تم کو ابھی دو ٹیلے[4] باقی ہیں اور میں دونوں پائچوں میں کلیاں لگا بھی چکی"۔ خالہ نے دیکھا تو سب کلیاں الٹی۔ اکبری کی ساس کے لحاظ سے منہ پر تو کچھ نہ کہا لیکن چپکے چپکے دو چار چٹکیاں ایسی لیں کہ اکبری کی آنکھوں میں آنسو[5] بھر آئے اور اشارے سے کہا کہ دیدوں[6] پھوٹی سوجھ نو، الٹی کلیاں لگا بیٹھی۔ اکبری نے اپنا سیا ہوا

---

[1] عزت و آبرو [2] اپنے شوہر سے مراد ہے [3] شیخی اور بڑائی مار کر [4] عرض کے دو کنارے [5] چٹکیوں کی تکلیف سے [6] اندھی ۱۲۔

ادھیڑ اور پھر کلیاں لگانی شروع کیں۔ جب لگا چکی خالہ نے دیکھا تو سب میں جھول اب تو خالہ سے نہ رہا گیا اور اکبری کی ساس کی آنکھ بچا کر ایک سوئی اکبری کے ہاتھ میں چبھو دی اور کلیاں پھر اُدھیڑ کر آپ لگائیں۔ غرض خدا خدا کر کے مزاج[1] دار بہو کا جوڑا سِل کر تیار ہوا۔ اکبری کی خالہ اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔

اگلے دن بچے عید کی خوشی میں سویرے سے جاگے کسی نے رات کی مہندی گھولی۔ کسی نے کھلی[2] اور بیسن کے لئے غل مچایا۔ کسی نے اُٹھتے کے ساتھ عیدی[3] مانگنی شروع کی۔ محمد عاقل بھی نمازِ صبح سے فارغ ہو کر حمام میں غسل کرنے چلا گیا۔ نہا دھو چار گھڑی دن چڑھے واپس آیا۔ لڑکوں کو دیکھا کہ کپڑے بدل بدلا عید گاہ کے واسطے تیار بیٹھے ہیں۔ لیکن مزاج دار بہو صاحب حسبِ عادت پڑی سو رہی ہیں محمد عاقل نے اپنی چھوٹی بہن محمودہ سے کہا۔ "محمودہ جاؤ اپنی بھابی کو جگا دو۔"

پہلے تو محمودہ نے تامل کیا اس واسطے کہ یہ مزاج دار بہو سے بہت ڈرتی تھی جب سے بیاہ ہوا مزاج دار نے ایک دن بھی اپنی چھوٹی نند کے ساتھ محبت سے بات نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس کو اپنے پاس آنے اور بیٹھنے دیا تھا۔ لیکن بھائی کے کہنے سے عید کی خوشی میں محمودہ دوڑی چلی گئی اور کہا "بھابھی اُٹھو۔" بھابھی نے اُٹھتے کے ساتھ محمودہ کے ایک طمانچہ صحیح[4] کیا۔ محمودہ رونے لگی۔ باہر سے بھائی آواز سُن کر دوڑا اُس کو روتا دیکھ کر گود میں اُٹھا لیا اور پوچھا "کیا ہوا؟" محمودہ نے روتے روتے کہا کہ "بھابی جان نے مارا۔"

مزاج دار نے کہا "دیکھو چھوٹی نامراد[5]۔ آپ تو دوڑتے میں گری اور میرا نام لگاتی ہے،

---

[1] دلی کا دستور ہے کہ سسرال والے بہو کا کچھ نام رکھ دیا کرتے ہیں اسکو خطاب کہتے ہیں مزاج دار بہو اکبری کا سسرالی خطاب تھا [2] کھلی اور بیسن سے بال دھوتے ہیں اور بدن کو صاف کرتے ہیں [3] عید کا انعام [4] عادت کے مطابق [5] مار دیا۔ لگا دیا [6] نامراد کو سنا ہے کہ اس کی کوئی مراد نہ بر آوے ۱۲

محمد عاقل کو غصہ آیا لیکن مصلحت وقت سمجھ کر ضبط کیا۔ محمودہ کو پیار چمکار کر چپ کیا اور بی بی سے کہا "خیر اٹھو۔ نہاؤ۔ کپڑے بدلو۔ دن زیادہ چڑھ گیا ہے۔ میں عیدگاہ جاتا ہوں۔"

مزاج دار نے ناک بھوں سکیڑ کر کہا "میں تو ایسے سویرے نہیں نہاتی سردی کا وقت ہے۔ تم اپنی عیدگاہ جاؤ۔ میں نے کیا پلہ[1] پکڑ رکھا ہے۔[2]"

محمد عاقل کو ایسی روکھی بات سن کر بہت رنج ہوا اور مزاج دار سدا کی ایسی کم بخت تھی کہ ہمیشہ اپنے میاں کو ناخوش رکھتی تھی اتنے میں محمد عاقل کی ماں نے پکارا کہ "بیٹا جاؤ بازار سے دودھ لاؤ تو خیر سے عیدگاہ کو سدھارو۔[3]"

محمد عاقل نے کہا "بہت خوب۔ پیسے دیجئے، میں دودھ لائے دیتا ہوں۔ لیکن اگر میرے واپس آنے تک انہوں نے کپڑے نہ بدلے تو سب کپڑے چولھے میں رکھ دوں گا۔" محمد عاقل تو دودھ لینے بازار گیا۔ ماں کو معلوم تھا کہ لڑکے کا مزاج بہت برہم ہے اور طبیعت بھی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اوّل تو اس کو غصہ نہیں آتا اور جو کبھی آجاتا ہے تو اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ ایسا نہ ہو سچ مچ نئے کپڑے جلا دے۔ جلدی سے بہو کے پاس گئیں اور کہا "بیٹی خدا کے لئے برس[4] کے برس دن تو بدشگونی مت کرو! اٹھو، نہاؤ، کپڑے بدلو۔"

مزاج دار نے کہا "نہیں بی۔ میں تو اس وقت نہیں نہاتی۔ ٹھیر کر نہالونگی۔"

بارے ساس نے منت سماجت[5] کر کے بہو کو نہلا دھلا۔ کنگھی چوٹی[6] کر۔ کپڑے پہنا محمد عاقل کے آنے سے پہلے پہلے دلہن بنا کر بٹھا دیا۔ محمد عاقل یہ دیکھ کر خوش ہوا

---

[1] پلہ پکڑ رکھنے سے مراد ہے روکنا [2] روانہ ہو جاؤ۔ بیاہ اور برکت کے لئے سدھارنا بولا جاتا ہے۔

[3] غضب ناک۔ خفا [4] عید برس دن آتی ہے اور گویا اس سے نیا برس شروع ہوتا ہے۔

[5] عاجزی۔ خوشامد [6] سر گوندھنا ۱۲

عیدگاہ چلتے ہوئے محمود ہ سے پوچھا، کہو بی تمہارے واسطے بازار سے کون سا کھلونا لائیں؟

محمودہ نے کہا: "اچھی خوبصورت سی رحل لا دینا۔ اُس پر ہم اپنا سی پارہ رکھیں گے۔ اور قلم دوات رکھنے کے لئے ایک ننھی سی صندوقچی"۔

مزاج دار خود بخود بولی: "اور ہمارے لئے؟

محمد عاقل نے کہا: جو تم فرمائش کرو لیتا آؤں"۔

مزاج دار نے کہا: "بھٹے اور سنگھاڑے اور جھڑبیری کے بیر اور مٹر کی پھلیاں اور ڈھیر سارے نارنگیاں۔ ایک ڈفلی ایک کھنجری"۔

یہ سُن کر محمد عاقل ہنسنے لگا اور کہا "ڈفلی اور کھنجری کا کیا کرو گی؟" مزاج دار احمق نے جواب دیا "بجائیں گے اور کیا کریں گے؟

محمد عاقل سمجھا کہ ابھی تک اس بے وقوف میں بے تمیز بچوں کی طرح کھانے اور کھیلنے کے پست خیالات موجود ہیں۔ کپڑے بدلنے سے جو خوشی محمد عاقل کو ہوئی تھی سب خاک میں مل گئی اور اسی افسردہ دلی کی حالت میں عیدگاہ چلا گیا۔

اس کا جانا اور مزاج دار نے ایک اور نئی بات کی۔ ساس سے کہا "ہم کو ڈولی منگا دو۔ ہم اپنی اماں کے گھر جائیں گے"۔

ساس نے کہا: "بھلا یہ جانے کا کیا موقع ہے؟ چار مہینے کے بعد تو تم ماں کے گھر سے اب آئی ہو۔ عین عید کے دن جانا بالکل نامناسب ہے"۔

مزاج دار نے کہا: "میرا جی بہت گھبراتا ہے۔ دل الٹا چلا آتا ہے۔ مجھ کو اپنے میکے کی سہیلی باسو منہیار کی بیٹی بنو بہت یاد آتی ہے"۔

۱؎ بہت ساری۔ ڈھیر کا ڈھیر ۲؎ نیچے اور ادنی درجے کے ۳؎ لفظی معنی ٹھہرا ہوا۔ مراد ہے ناخوشی اداسی
۴؎ دل کے گھبرانے کو دل کے الٹا چلا آنے سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲۔

ساس نے کہا "بیٹی نوج کسی کو کسی سے ایسا عشق ہو جیسا تم کو بنو کا ہے۔ اگر ایسا ہی دل چاہتا ہے تو اسی کو بلا بھیجو۔"

مزاج دار نے کہا "واہ بڑی بچاری بلانے والیں! ایسا ہی بلانا تھا تو کل اسی کو بلوا کر چوڑیاں پہنوائی ہوتیں۔"

ساس نے کہا "بھلا بیٹی مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکا یک تم کو اس کی یاد گد گدائے گی۔"

مزاج دار نے کہا "خیر! بحث سے کیا فائدہ؟ ڈولی منگوانی ہے تو منگوا دو۔ نہیں تو میں بوا سلمتی کے ابا سے منگوا بھیجوں۔"

ساس نے کہا "لڑکی۔ کوئی تیری عقل ماری گئی ہے! میاں سے پوچھا نہیں، گچھا نہیں، آپ ہی آپ چلیں۔ اور مجھ کو تو اپنا بڈھا چونڈا نہیں منڈوانا ہے جو لڑکے کی بے اجازت ڈولی منگوا دوں۔"

مزاج دار بولی "کیسے میاں اور کیسا پوچھنا؟ اب کوئی اپنے ماں باپ سے عید بقر عید کو بھی نہ ملا کرے؟" اتنا کہہ کر مولن کنجڑے سے ڈولی منگوا، یہ جا وہ جا۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل عید گاہ سے لوٹا اور گھر میں گھستے ہی پکارا "بولی اپنی خنجری اور ڈفلی۔ لو بجاؤ۔"

دیکھا تو سب چپ ہیں۔ ماں سے پوچھا "کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟"

محمود نے کہا "بھابی جان چلی گئیں۔" محمد عاقل نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ایں۔ کیوں گر گئیں؟ کہاں گئیں؟ کیوں جانے دیا؟"

ماں نے جواب دیا "بیٹھے بٹھائے یکا یک کہنے لگیں میں تو اپنی ماں کے ہاں جاؤں گی۔ میں نے ہر چند منع کیا، ایک نہ مانی۔ مولن سے ڈولی منگوا چلی گئیں۔"

---

[1] اکبری کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو کل مجھ کو چوڑیاں پہنوائیں بنو سے کیوں نہ لیں [2] سفید بالوں کی چوٹی [3] محمد عاقل مراد ہے ۱۲

ہیں روکتی کی روکتی رہ گئی۔"

محمد عاقل یہ سُن کر غصے کے مارے تھرا اٹھا[1]۔ اور چاہا کہ سسرال جا کر ابھی اس نابکار[2] عورت کو سزا دے، یہ سوچ کر باہر چلا۔ ماں سمجھ گئی۔ جانے کو پکارا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ماں نے کہا "شاباش بیٹا۔ شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں اور تم سنتے ہو اور جواب نہیں دیتے۔ تیرھویں صدی میں ماؤں کا یہی وقر رہ گیا ہے!" یہ سنتے ہی محمد عاقل اُلٹے پاؤں پھرا[3]۔ ماں نے کہا: "بیٹا تو یہ تو بتا۔ اس دھوپ میں کہاں جاتا ہے؟ ابھی عید گاہ سے آیا ہے۔ اب پھر باہر چلا۔ اماں صدقے[4] گئی۔ جی ماندہ ہو جائے گا!"

محمد عاقل نے کہا "بی میں کہیں نہیں چلا مسجد میں حافظ جی سے ملنے جاتا ہوں" ماں نے کہا "اے لڑکے ہوش میں آ! میں نے دھوپ[5] میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا۔ لو صاحب ہمیں سے باتیں بنانے چلا ہے! حافظ جی کے پاس جاتا ہی تو انگرکھا اور دوپٹہ اتار کر رکھ جا۔" یہ سُن کر محمد عاقل مسکرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس جانماز پر بٹھا لیا اور اس کے سر کی طرف دیکھ کر بولی کہ "عید گاہ کے آنے جانے میں تمہارے بال تمام گرد آلود ہو گئے ہیں۔ ذرا تکئے پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ تو میں صاف کر دوں۔" محمد عاقل ماں کے کہنے سے ذرا کے ذرا لیٹ گیا۔ محمودہ بھائی کو لیٹا دیکھ پنکھا جھلنے لگی۔ کچھ تو عید گاہ کے آنے جانے کی تکان۔ ادھر پنکھے کی ٹھنڈی ہوا اور ماں نے جو دست[6] شفقت سر پر پھیرا تو سب سے زیادہ اس کی راحت[7]۔ غرض محمد عاقل سو گیا۔ جاگا تو دن ڈھل چکا تھا اور وہ غصہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔ ماں نے

---

[1] کانپ اٹھا [2] نکمی نالائق [3] یعنی فوراً لوٹ آیا [4] صدقہ دیا رد بلا مشہور بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری بلا کے ٹالنے کو میں تم پر سے صدقے ہو گئی [5] یعنی میرے بال عمر کی وجہ سے سفید ہوئے ہیں اور میں بچی نہیں ہوں کہ تم مجھ کو بہکاتے ہو [6] پیار کا ہاتھ [7] آرام ۱۲

کہا۔ "لو ہاتھ منہ دھوؤ۔ وضو کرکے ظہر کی نماز پڑھو، وقت تنگ ہے۔ پھر آؤ تو تم کو کام بتائیں۔"

نماز پڑھ پڑھا کر محمد عاقل آیا تو ماں نے کہا: "لو سسرال جاؤ۔ اور تجھے میری ہی جان کی قسم ہے جو تو وہاں کچھ لڑا یا بولا۔"

محمد عاقل نے کہا "تو مجھ کو مت بھیجو"۔ ماں نے کہا: "لڑکے خیر خیر بنا؟ الٰہی کیسی بری زبان ہے۔ سسرال تو تیری اور بھیجوں کس کو؟ لو یہ ایک روپیہ تو اپنی سالی اصغری کے ہاتھ میں عیدی کا دینا اور یہ ایک اٹھنی اپنی خلیا ساس کے بیٹے میاں سلیم کو۔ اور آدھے کھلونے بھی لیتے جاؤ۔ ایک خوان میں سویاں اور دودھ اور مٹھائی کی ٹوکری بھی ماما عظمت کے ہاتھ اپنے ساتھ لوائے جاؤ۔ دیکھو خبردار کچھ بولنا چالنا مت۔"

محمد عاقل نے کہا: "اور اماں خجری اور ڈفلی بھی لیتا جاؤں؟" ماں نے کہا۔ "کہیں ایسی بات وہاں مت بول اٹھنا!"

غرض محمد عاقل ساس کے گھر پہنچے۔ گھر میں اکبری خانم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اودھم مچا رہی تھی اور باہر گلی میں تمام غل کی آواز چلی آتی تھی۔ ماما عظمت اندر گئی۔ اصغری نے ماما کو دور سے دیکھ دبی آواز سے کہا: "اے بی آپا اے بی آپا چپ کرو۔ تمہاری سسرال سے ماما آئی ہے۔ عظمت نے اندر پہنچکر محمد عاقل کو بلایا۔ "صاحب زادے آئیے!" غرض محمد عاقل اندر گئے۔ ساس کو سلام کیا۔ ماں تو کہا "جیتے رہو۔ عمر دراز ہو۔" اتنے میں اصغری بھی اپنی اوڑھنی سنبھال سنبھول کوٹھری سے نکلیں۔ اور نہایت ادب سے جھک کر بہنوئی کو سلام کیا۔ اصغری کو بہنوئی نے

لے تیسرے پہر یا دن ڈھلے کی نماز ۔ سے اگرچہ خدا کے سوائے دوسرے کی قسم کھانا شرعاً منع ہے مگر فروعی کی بات ہے کہ مسلمان احتیاط نہیں کرتے خصوصاً عورتیں ۔ سے شور و غل ۔ دنگا ۔ ۱۲

ہاتھ پکڑ کر برابر بٹھالیا اور روپیہ دیا۔ اصغری ماںؓ کی طرف دیکھنے لگی۔ ماں نے کہا "کیا ہوا۔ لے لو عیدی کا ہے۔" اصغری نے روپیہ لے کر پھر سلام کیا اور ادب سے ذرا پرے کو سرک کر ہو بیٹھی۔ پھر اٹھ کر نہایت سلیقے کے ساتھ اُجلا دستر خوان بہنوئی کے آگے لا بچھایا اور ایک رکابی میں سویاں۔ ایک پیالے میں دودھ تشتری میں قند۔ ایک چمچہ لاکر سامنے رکھدیا۔ ساس نے کہا "بیٹا کھاؤ۔"

محمد عاقل نے عذر کیا کہ "مجھ کو عیدگاہ میں زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں نے کھانا کھایا ہے۔"

ساس نے کہا۔ "کیا مضائقہ ہے۔ سویّاں تو پانیؓ ہوتی ہیں۔ کھاؤ بھی۔"

جب تک محمد عاقل سویاں کھاتا رہا اصغری الائچیؓ ڈال ایک مزہ دار پان بنالائی۔ کھانے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد محمد عاقل نے کہا "جناب میں رخصت چاہتا ہوں۔"

"ساس۔" اب کہاں جاؤ گے یہیں سو رہنا۔"

محمد عاقل۔ "آج عید کا دن ہے آئے گئے سے ملنا ہے۔ دوسرے کہیں کچھ بھیجنا بھجوانا اور میں اماں سے رات کے واسطے کہہ بھی نہیں آیا۔"

ساس "ملنے ملانے کا تو اب وقت نہیں رہا۔ شام ہونے آئی۔ اور بھیجنے بھجوانے کو سمدھن کافی ہیں۔" اور ہنس کر یہ بھی کہا کہ "تم کچھ سمدھن کا دودھ نہیں پیتے آخر عظمت جائے گی۔ خبر کر دے گی۔"

غرض محمد عاقل نے بہت کچھ حیلے کئے۔ ساس نے ایک نہ مانی اور محمد عاقل کو زبردستی رہنا پڑا۔ چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے اصغری

۱؎ کہ یہ اجازت دیں تو لوں ۲؎ یعنی ذرا اُدھر ہٹ کر۔ کیونکہ اول بار اس کو بہنوئی نے اپنے پاس بٹھالیا تھا ۳؎ یعنی جلد ہضم ہو جاتی ہیں ۱۲

نے برتن بھانڈا، گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھی۔ باہر کے دروازے کی زنجیر بند کی۔ کوٹھڑیوں کو قفل لگا کنجیاں ماں کے حوالے کیں۔ باہر کے[1] الان اور باورچیخانے کا چراغ گل کیا۔ ماں اور آپا اور بہنوئی سب کو پان بنا کر دئے۔ اور اطمینان سے جاکر سو رہی۔

الگ گھر کرنے پر ساس (اکبری کی ماں) اور داماد (محمد عاقل) کا مباحثہ

اب ساس نے محمد عاقل سے کہا "کیوں بیٹا۔ تم میاں بی بی میں یہ کیا آئے دن لڑائی رہا کرتی ہے؟ اکبری کی تو ایسی بُری عادت ہے کہ کبھی بھول کر بھی سسرال کی بات منہ سے نہیں کہتی۔ نہیں، دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہوتا ہے کہ سسرال کی ذرا ذرا سی بات ماؤں سے لگایا کرتی ہیں۔ نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے، بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ، حاشا[2] کہ یہ کچھ بھی بتائے لیکن ٹولے محلے کی بات کانوں[3] کان پہنچ ہی جاتی ہے۔ اور[4] تیری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھی بیٹھی سُنا کرتی ہوں۔"

محمد عاقل نے ساس سے یہ بات سُن کر تھوڑی دیر تامل کیا اور لحاظ کے سبب جواب منہ سے نہیں نکلتا تھا مگر اُس نے خیال کیا کہ مدت کے بعد ایسا اتفاق ہوا ہے اور خود انہوں نے چھیڑ کر پوچھا ہے۔ ایسے موقع پر سکوت[5] کرنا سراسر[6] خلاف مصلحت ہے۔ بہتر ہے کہ عمر بھر کا زہر اگل ڈالے۔ شاید آج کی گفتگو میں آئندہ کے واسطے

---

[1] ہوئی نہیں بھلو نہیں سکتا [2] ایک کے کان سے دوسرے کے کان تک یعنی ایک سے دوسرے تک [3] اجنبی باہر والے [4] چپ رہنا [5] بالکل سرتاسر [6] مراد یہ ہے کہ جتنا رنج اور غصہ اور گلہ شکوہ ہو سب کہہ گزروں ۱۲

کوئی بات نکل آئے۔ غرض محمد عاقل نے شرماتے شرماتے کہا کہ آپ کی صاحب زادی موجود ہیں۔ ان ہی سے پوچھئے ہمارے یہاں ان کو کیا تکلیف پہنچی، خاطر داری و مدارات میں کسی طرح کی کمی ہوئی یا ان سے کوئی لڑا۔ یا کسی نے ان کو برا کہا۔ آپ کو معلوم ہے گھر میں ہم گنتی کے کئے آدمی ہیں۔ والدہ سے تو تمام محلہ واقف ہے، ایسی نیک مزاج اور صلح کل ہیں کہ تمام عمر ان کو کسی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کوئی ان کو دس باتیں سخت بھی کہہ جائے تو چپ رہ جاتی ہیں۔ محمد کامل دن بھر لکھنے پڑھنے میں رہتا ہے۔ صبح کا نکلا رات کو گھر آتا ہے، کھانا کھایا اور سو رہا۔ میں نے اس کو ان سے کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ محمودہ ان کی صورت سے ڈرتی ہے۔ رہا میں سو موجود بیٹھا ہوں۔ جو کچھ شکایت مجھ سے ہو بے تکلف بیان کریں۔"

محمد عاقل کی ساس اب بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر بولیں "ہاں بھائی جو کچھ تمہارے دل میں ہو تم بھی صاف صاف کہہ گزرو۔ بات کا دل میں رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ دل میں رکھنے سے رنج بڑھتا اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔"

اکبری اگرچہ جھوٹ بولنے پر بہت دلیر تھی لیکن اس وقت محمد عاقل کے رو برو کوئی بات کہتے بن نہ پڑی اور جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ میں نے بہت سی جھوٹ جھوٹ باتیں ماں سے آکر لگائی ہیں، ایسا نہ ہو کہیں اس وقت قلعی ہی کھل جائے۔ یہ سوچ سمجھ کر اس نے اس بات ہی کو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا کہ "ہم تو الگ گھر کریں گے۔"

اکبری کی ماں نے داماد سے کہا۔ "کیوں بھائی۔ تم کو الگ ہو کر رہنے میں کیا عذر ہے۔ خدا کا فضل ہے، خود نوکر ہو، خود کماتے ہو، کسی بات میں ماں باپ کے محتاج نہیں، اپنا کھانا۔ اپنا پہننا پھر دوسرے کا دست نگر ہو کر رہنا کیا فائدہ۔ بیٹا ہو کیسے ہی

۱؎ آؤ بھگت۔ سلوک ۲؎ متوجہ ۳؎ کبھی مردوں کی طرح بھی عورتوں سے خطاب کیا جاتا ہے ۴؎ یعنی معلوم ہو جائے کہ یہ ماں سے آکر جھوٹ لگایا کرتی ہے ۵؎ ہاتھ کا دیکھنے والا۔ مراد ہے محتاج ۱۲

پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے ماں باپ کے گھر کہاں؟ جو چاہا سو کھایا جو چاہا سو پکایا۔ اور غور کرنے کی بات ہے۔ ماں باپ کے ساتھ رہ کر لاکھ کماؤ پھر بھی نام نہیں۔ لوگ کیا جانیں تم اپنا کھاتے ہو یا ماں باپ کے سر پڑے ہو۔"

محمد عاقل نے کہا "آرام پوچھئے تو ہم کو جواب حاصل ہے الگ ہوئے پیچھے اس کی قدر معلوم ہو گی۔ دونوں وقت پکی پکائی کھالی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ الگ ہونے پر آٹا، دال، گوشت، ترکاری، تیل، نمک، ایندھن سبھی کا فکر کرنا پڑے گا۔ اور آپ ہی انصاف فرمایئے خانہ داری میں کتنے بکھیڑے ہیں بے سبب ان سب آفتوں کو اپنے سر لینا میرے نزدیک تو عقل کی بات نہیں۔ رہا یہ کہ جو چاہا سو کھایا اور جو چاہا سو پکایا اب بھی حاصل ہے۔ ان ہی سے پوچھئے کبھی کوئی فرمائش کی ہے جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو؟ بڑے کنبوں میں البتہ اس طرح کی تکلیف ہوا کرتی ہے ایک کا دل میٹھے چاولوں کو چاہتا ہے، دوسرے کو بھونی کھچڑی چاہیئے۔ تیسرے کو پلاؤ درکار ہے۔ چوتھے کو قورمہ کھانا منظور ہے۔ پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہو دس کے واسطے دس ہنڈیاں روز کے روز کہاں سے آئیں؟ ہمارے یہاں کنبہ کون بہت بڑا ہے۔ فرمائش کریں تو ہم، اور نہ کریں تو ہم۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ اگر ان کو ایسا ہی لحاظ ہے، آپ کھانے کا اہتمام کیا کریں۔ خود والدہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں ان ہی سے پوچھئے کہا ہے یا نہیں؟ اور نام کو جو آپ نے فرمایا یہ تو میرے نزدیک محض خیال خام ہے۔ اپنے آرام سے کام ہے، لوگ جو چاہیں سو سمجھیں، اور فرض کیجئے۔ لوگوں نے یہی جانا کہ ہم ماں باپ کے سر پڑے ہیں تو اس میں ہماری کیا بےعزتی ہے ماں باپ ہیں، کوئی غیر تو نہیں۔ ماں باپ نے ہم کو پالا پرورش کیا، کھلایا، پہنایا،

۱؎ لفظی معنی کچا یعنی کچی اور ٹھیک بات نہیں ۲؎ یعنی ہم نے اپنے خرچ کا بوجھ ان کے سر پر ڈال رکھا ہے ۱۲

پڑھایا لکھایا، شادی بیاہ کیا۔ ان سب باتوں میں بے عزتی نہیں ہوئی تو اب کون سا سرخاب[1] کا پر ہم میں لگ گیا ہے کہ ان کا دستِ نگر ہوتا ہماری بے عزتی کا موجب[2] سمجھا جائے؟"

ساس نے جواب دیا: "اگر سب لوگ تمہاری طرح سمجھا کریں تو کیوں الگ ہوں؟ دنیا کا دستور ہے، ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ بیٹے ماں باپ سے جدا ہو جاتے ہیں اور میں تو جانتی ہوں دنیا میں کوئی بہو ایسی نہ ہو گی جس کا میاں کماؤ ہو اور وہ ساس نندوں میں رہنا پسند کرے۔"

محمد عاقل نے کہا: "یہ آپ کا فرمانا درست ہے۔ اگر بیٹے ماں باپ سے جدا نہ ہوا کرتے تو شہر میں اتنے گھر کہاں سے آتے۔ لیکن ہر ایک کی حالت جدا ہے۔ الگ ہو کر رہنا میری حالت کے لئے ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ دس روپیہ کا تو میں نوکر۔ اتنی آمدنی میں الگ گھر کا سنبھالنا نہایت مشکل نظر آتا ہے۔ اور پھر اس نوکری کا بھی اعتبار نہیں۔ خدانخواستہ الگ ہوئے پیچھے اگر نوکری جاتی رہی تو پھر باپ کے گھر آنا مجھ پر نہایت شاق[3] ہو گا۔ اس وقت البتہ بے عزتی ہو گی کہ میاں الگ تو ہو گئے تھے پھر جھک[4] مار کر باپ کے ٹکڑوں پر آپڑے۔ لوگوں کی ریس اس معاملے میں ٹھیک نہیں۔ آدمی کو اپنے حال پر نظر کرنی چاہیئے۔ وہ نقل آپ نے سنی ہے کہ ایک شخص نے بازار سے نمک اور روئی مول لی۔ نمک خچر پر لادا اور روئی گدھے پر۔ چلتے چلتے راہ میں ایک ندی واقع ہوئی ندی تھی پایاب[5]۔ اس شخص نے

---

[1] سرخاب لال پروں کا دریائی جانور ہوتا ہے۔ اس کے پر بڑے قیمتی ہوتے ہیں امیر لوگ ان کو ٹوپیوں میں لگاتے ہیں۔ مطلب یہ ہو کہ ہم ایسے کہاں کے امیر ہو گئے ہیں [2] سبب [3] ناگوار سخت [4] عاجز آکر، تھک کر [5] یعنی پانی تھا کم کہ لوگ ناؤ کے بدون پار اتر جاتے تھے ۱۲

خچر اور گدھے دونوں کو لدا لدایا پانی میں اتار دیا۔ بیچ ندی میں پہنچ کر خچر نے غوطہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد سر ابھارا تو گدھے نے پوچھا "کیوں یار خچر! یہ تم نے کیا کیا؟" خچر نے جواب دیا کہ بھائی! تم تو بڑے خوش قسمت ہو۔ تم پر لدی ہے روئی۔ اس کا بوجھ ہے ہلکا۔ مجھ کم بخت پر ہے نمک۔ بوجھ کے مارے میری کمر کٹ کر لہو لہان ہو گئی ہے۔ یہ ہمارا مالک ایسا بے رحم ہے کہ اس کو مطلق ہماری تکلیف کا خیال نہیں۔ اناپ شناپ جتنا چاہتا ہے لاد دیتا ہے۔ میں نے سمجھا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کمر ندارد ہے۔ آؤ غوطہ لگاؤ۔ نمک پانی میں بھیگ کر کچھ تو گھل جائے گا جس قدر ہلکے ہوئے غنیمت۔ مالک بہت کرے گا چھ سات ڈنڈے اور مارے گا۔ سو یوں بھی راہ بھر ڈنڈے کھاتا آتا ہوں۔ دیکھو اب میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔" گدھے بے وقوف نے بھی خچر کی ریس کر کے غوطہ لگایا۔ روئی بھیگ کر اور وزنی ہو گئی۔ سر ابھارا تو ہلا نہ جاتا تھا۔ خچر ہنسا اور کہا "کیوں بھائی گدھے کیا حال ہے؟" گدھے نے کہا "یار میں تو مرا جاتا ہوں۔" خچر نے کہا "ابے احمق! تو نے میری ریس تو کی لیکن اتنا تو سمجھ لیتا۔ تیری پیٹھ پر روئی ہے نمک نہیں ہے" اماں جان! ایسا نہ ہو لوگوں کی ریس کرنے سے میرا حال اس گدھے کا سا ہو۔"

ساس نے کہا کہ "بھائی تم تو کسی سے قائل ہونے والے ہو نہیں، اور نہ میں تمہاری طرح منطق پڑھی ہوں۔ میں تو سیدھی بات یہ سمجھتی ہوں کہ دس روپے مہینہ تم کماتے ہو۔ خدا کا فضل ہے سستا سما ہے۔ بال نہیں بچے نہیں۔ اللہ رکھے دو میاں بی بی۔ خاصی طرح گوشت روٹی کھاؤ۔ چین سکھ تن زیب پہنو آیندہ کا فکر تمہاری طرح کیا کریں تو دنیا کا کارخانہ بند ہو جائے۔ نوکری تو نوکری زندگی

---

[1] خونا خون یعنی لہو بڑا ٹپک رہا ہو [2] بے سوچے سمجھے اوپر تلے [3] ماننے والے [4] منطق ایک علم ہی اس کو آدمی بڑھ کر بڑا حجتی ہو جاتا ہے۔ [5] مراد یہ ہے کہ غلہ ارزاں ہے ۱۲

کا اعتبار نہیں۔ جے دن جینا ہے ہنسی خوشی سے تیر[1] کر دینے چاہئیں۔"

محمد عاقل نے کہا "یہی تو میں سوچتا ہوں۔ خوشی الگ ہو کر رہنے میں ہے یا ساتھ میں۔"

ساس نے کہا "دلیل اور حجت سے کیا مطلب۔ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی۔ اس کے قبول کرنے میں تم کو اس بلا[2] کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ ہم ان کی خاطر داری میں کمی نہیں کرتے۔ آرام اور خوشی کیا چیز ہے جس میں بی بی خوش ہو۔ اور جس کو وہ آرام سمجھے۔"

اس کے بعد باتوں میں رنجش[3] تراوش[4] کرنے لگی۔ محمد عاقل نے سکوت اختیار کیا۔ رات بھی زیادہ گئی تھی۔ محمد عاقل نے ساس سے کہا "اب آپ آرام کیجئے میں اس مضمون کو پھر سوچوں گا۔" یہ لوگ تو سو رہے، محمد عاقل رات بھر اسی خیال کی ادھیڑبن[5] میں رہا۔ صبح کو اٹھا تو دیکھا۔ اصغری جھاڑو دے رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر اصغری نے سلام کیا اور کہا "بھائی صاحب! وضو کے واسطے گرم پانی موجود ہے۔"

محمد عاقل نے کہا "نہیں بھائی! مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔"

اصغری نے کہا "بھائی صاحب چلے نہ جایئے گا۔ آپ کے واسطے چائے بنائی ہے۔ لیکن سادی پیجیے گا یا دودھ کی۔"

محمد عاقل نے کہا "جیسی مل جائے۔"

اصغری بولی "آپ کی آواز کچھ بھاری بھاری لگتی ہے۔ شاید نزلے کی تحریک

---

[1] گزار دینے [2] اس قدر [3] رنجیدگی [4] ٹپکنے لگی [5] یعنی بنتا تھا اور ادھیڑتا تھا۔ کبھی سوچتا تھا کہ یوں کروں پھر خیال آتا تھا کہ نہیں ۱۲

ہے تو دودھ ضرر کرے گا۔"

محمد عاقل نے کہا: "نہیں نزلے کی تحریک تو نہیں۔ رات کو اماں جان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ بدخوابی[1] البتہ ہے۔"

محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو دیکھا نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھ دی۔ چائے دان میں گرما گرم چائے دو پیالیاں۔ دو چمچے اور ایک طشتری میں قند۔ محمد عاقل نے چائے پی۔ خوش ذائقہ[2]۔ خوش رنگ۔ بو باس درست۔ پی کر جی باغ باغ[3] ہو گیا اکبری حسب عادت پڑی سوتی تھی۔ محمد عاقل نے کہا "اماں جان ان کو بھی نماز کی تاکید کیجیے۔"

ساس نے کہا "بیٹا یہ اپنی نانی کی بہت چہیتی[4] ہیں۔ اُن کی محبت نے ان کی خصلت، ان کی عادت سب خراب کر رکھی ہے۔ جب یہ چھوٹی تھی اور ہیں کسی بات پر گھرک بیٹھتی تو کئی کئی دن تک مجھ سے بولنا چھوڑ دیتی تھیں۔ اور یہ تو کیا مجال تھی کہ اکبری کو کوئی ہاتھ[5] لگا دے۔ اکبری بات بات پر ضد کرتی۔ چیزوں کو توڑتی پھوڑتی، ان کے ڈر کے مارے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسی بات پر اکبری کے باپ سے روز بگاڑ رہتا تھا۔"

اب محمد عاقل رخصت ہونے لگا۔ چلتے چلتے ساس نے کہا "بیٹا رات کی بات یاد رکھنا اور ضرور اُس کا کچھ بندوبست کرنا۔"

---

[1] یعنی خوب نیند نہیں بھری [2] مزہ [3] خوش ہو گیا [4] پیاری [5] ہلکے سے مار بیٹھے۔۱۲

باب پانچواں (۵)

ماں سے محمد عاقل کے الگ ہونے کی صلاح

راہ میں محمد عاقل رات کی ان ہی باتوں کو سوچتا آیا۔ گھر میں پہنچا تو ماں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر فکر معلوم ہوتا ہے۔ سمجھا ضرور آج سسرال میں لڑا۔ پوچھا "محمد عاقل۔ آخر میرے کہنے پر عمل[۱] نہیں کیا۔"

محمد عاقل: "اماں! سچ کہتا ہوں لڑائی بھڑائی کچھ بھی نہیں ہوئی۔"

ماں: "پھر سست کیوں ہے؟"

محمد عاقل: "کچھ بھی نہیں۔ سوتا اُٹھ کر آیا ہوں اس سبب سے شاید آپ کو میرا چہرہ اُداس معلوم ہوتا ہوگا؟"

ماں: "لڑکے ہوش میں آ۔ کیا تجھ کو سوتا اُٹھ کر کبھی تھوڑا ہی دیکھا ہے؟ سچ بتا کیا بات ہے؟"

محمد عاقل نے آخر مجبور ہو کر رات کا تمام قصہ ماں کے روبرو بیان کیا۔ سنتے کے ساتھ ہی ماں کو کاٹو[۲] تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ لیکن عورت تھی بڑی دانشمند کہنے لگی کہ "ہر چند میری تمنا[۳] یہ تھی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے تم سب کو اپنے کلیجے[۴] سے لگائے رہوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو۔ لیکن میں دیکھتی ہوں تو سامان اُلٹے ہی اُلٹے نظر آتے ہیں۔ لو آج میں تم سے کہتی ہوں کہ بیاہ کی

---

[۱] یہ محاورہ یاد رکھنے کے قابل ہے [۲] یعنی ڈر کے مارے خون خشک ہوگیا [۳] آرزو، دلی خواہش [۴] تم سب میرے پاس میری آنکھوں کے سامنے رہو۔ ۱۲

دوسرے مہینے سے مزاج دار بہو کا ارادہ الگ گھر کرنے کا ہے۔ تو جو دس روپے مہینے کے مہینے لاکر مجھ کو دیتے ہو ان کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ آئے دن[1] میں تمہاری بی بی کی سہیلیوں سے سنتی رہتی ہوں کہ بہو بلّی ماروں کے محلّے میں مکان لیں گی۔ زلفن کو ساتھ لے جائیں گی۔ جب تک یہ سب لڑکیاں اکھٹی بیٹھی رہتی ہیں یہی مشورہ یہی مذکور آپس میں رہا کرتا ہے۔ میں نے تمہاری خلیا ساس کے منہ پر[2] ایک مرتبہ یہ بات بھی رکھ دی تھی کہ مزاج دار بہو کو اگر ہمارے ساتھ رہنا ناگوار ہے تو اپنا کھانا کپڑا الگ کرلیں، مگر رہیں اسی گھر میں۔ پھر تمہاری خلیا ساس سے معلوم ہوا کہ مزاج دار بہو کو یہ بھی منظور نہیں۔ آدمی بیاہ خوشی اور آسائش کے واسطے کرتا ہے۔ روز کی لڑائی، آئے دن کا جھگڑا نہایت بُری بات ہے۔ اگر تمہاری بی بی کو بھی منظور ہے، الگ رہنے سے اُن کی خوشی ہے تو بسم اللہ[3] ہم کو عذر نہیں۔ جہاں رہو خوش رہو آباد رہو۔ خدا نے ایک مامتا اولاد کی ہمارے پیچھے لگادی ہے سو کبھی تم ادھر کو آنکلے، ایک نظر دیکھ لیا، صبر آگیا۔ گھر کے کام دھندے سے کبھی چھٹکارا ملا، میں آپ چلی گئی، تم کو دیکھ آئی۔"

یہ کہنا تھا کہ محمد عاقل کا جی بھر آیا اور بے اختیار[4] رونا شروع کیا اور سمجھا کہ آج ماں سے جدائی ہوتی ہے۔ ماں بھی روئی۔ تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا "میں تو الگ نہیں رہوں گا۔ بی بی رہے یا جائے۔"

ماں نے کہا "ارے بیٹا! یہ بھی کہیں ہوتی ہے۔ اشرافوں میں کہیں بیبیاں بھی چھوٹتی ہیں۔ تم کو اپنی عمر ان ہی کے ساتھ کاٹنی ہے۔ ہمارا کیا ہے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ میری صلاح مانو، جو وہ کہیں

---

[1] ہر روز [2] یعنی خود اُن سے روبرو کہدیا تھا [3] خدا کا نام لے کر الگ ہوجاؤ [4] رنج کو ضبط نہ کرسکا۔ ۱۲

سو کرو۔ ہم نے جس دن سے تمہارا بیاہ کیا اُسی دن سے تم کو الگ سمجھا۔ نہ تم انوکھے بیٹے، نہ میں انوکھی ماں۔ کون بیٹا ساری عمر ماں کے ساتھ رہا ہے؟"

محمدؐ عاقل نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح پوچھی۔ سب نے یہی کہا۔ کہ رفع فساد[3] بہتر ہے اور ساتھ رہنے پر کیا منحصر[4] ہے۔ ماں سے الگ رہو اور ان کی خدمت و اطاعت[5] کرو۔ جب سب لوگوں نے یہی صلاح دی محمدؐ عاقل نے بھی کہا خیر الگ رہ کر بھی دیکھ لو۔ اگر یہ عورت سنبھل جائے اور گھر کو گھر سمجھے۔ بدمزاجی، نافرمانی بدزبانی چھوڑ دے تو الگ رہنا عیب نہیں، گناہ نہیں۔ یہی نہ کہ خانہ داری کی فکر کرنا پڑے گی اور تنگی سے گزرے گی۔ سو دنیا میں رہ کر فکر سے کسی حالت میں نجات نہیں۔ اب کچھ فکر نہیں تو یہ ہر روز کا فساد بجائے خود عذاب ہے اور تنگی رزق کا اندیشہ بھی بیجا ہے، مقدر میں ہے بہر حال پہنچے گا۔ آدمی کی سعی[6] و تدبیر کو اس میں کیا دخل؟ یہ سوچ کر محمدؐ عاقل نے الگ ہو جانے کا ارادہ مصمّم[7] کر لیا۔ انفاق سے اُسی کے مکان سے متصل[8] ایک مکان بھی خالی تھا۔ ایک روپیہ ماہواری کرائے پر ٹھیرا لیا بلکہ سرقفلی[9] دے کر شرط خط بھی لکھ دیا۔ کنجی لے لی۔ اور سسرال کہلا بھیجا کہ مکان قرار پا گیا ہے اب آؤ تو نئے مکان میں اُٹھ چلیں۔ اور اپنی ماں سے بھی کہہ دیا کہ یہی تارکش والا مکان لے لیا ہے۔ ماں نے جتنا اسباب مزاج دار بہو کا تھا۔ کپڑوں کے صندوق، برتن، فرش، مسہری، پلنگ سب علیحدہ کوٹھری میں رکھوایا۔ شام کو مزاج دار بہو بھی آ پہنچیں۔ صبح اُٹھ ماں نے کوٹھری کھول محمدؐ عاقل سے کہا "لو بھائی! اپنی چیزیں دونوں میاں بی بی خوب دیکھ بھال لو۔"

---

[1] نئی طرح کے [2] فساد کا دور کرنا [3] موقوف [4] تابعداری [5] اپنی جگہ یعنی خود [6] کوشش [7] پکا [8] ملا ہوا [9] کرایہ دار جو تھوڑا کرایہ مالک مکان کو پیشگی دے اس کو سرقفلی کہتے ہیں [10] کرایہ نامہ ۱۲

محمد عاقل نے کہا: "اماں! تم کیا کہتی ہو؟ کیا کوئی غیر جگہ ہے؟" ماں نے کہا "بیٹا! یہ بات نہیں۔ ایسا نہ ہو اُٹھانے بٹھانے میں کوئی چیز اِدھر اُدھر ہو جائے۔" اور ماما سے کہا۔ کہ "عظمت تم اور ہمسائی یہ سب اسباب تار کش والے گھر میں پہنچا دو۔" اکبری کی سہیلیاں۔ چنیا۔ رحمت۔ زلفن۔ سلمتی آ پہنچیں اور بات کی بات میں سارا اسباب اُٹھا کر اِدھر سے اُدھر لے گئیں ✻

باب چھٹا

اکبری کا الگ گھر اور اس کی بدانتظامی

مزاج دار بہو ہنسی خوشی نئے گھر میں آکر بسیں۔ تین دن تک دونوں وقت محمد عاقل کی ماں نے کھانا بھیجا۔ چوتھے دن محمد عاقل نے بی بی سے کہا۔ "لو صاحب! اب کچھ کھانے کا بندوبست شروع ہو۔" مزاج دار نے کہا "سب اسباب ابھی بے ٹھکانے پڑا ہے۔ یہ رکھا جائے تو فراغت سے ہنڈیا چولھے کو دیکھوں۔ ابھی تو مجھکو فرصت نہیں۔" غرض سات روز تک تنور پر روٹی پکتی رہی۔ رات کو کباب اور دن کو کبھی ملائی اور کبھی دہی بازار سے منگواتے اور دونوں میاں بی بی روٹی کھا لیتے۔ آخر محمد عاقل نے روز کہہ کہہ کر مزاج دار سے کھانا پکوایا۔ مزاج دار نے کبھی کھانا پکایا نہ تھا۔ روٹی پکائی تو عجیب صورت کی۔ نہ گول نہ چوکھونٹی، ایک کان اِدھر نکلا ہوا اور چار کان اُدھر۔ کنارے موٹے بیچ میں ٹکیا کہیں

ؔ بے جگہ ۱۲۔

جلی، کہیں کچی۔ دھوئیں میں کالی۔ اور دال جو پکائی تو پانی الگ دال الگ۔ غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے سالن پکاتی بدرنگ بدمزہ۔ نمک ڈالا تو زہر اور کبھی پھیکا پانی۔ دو ایک دن تو محمد عاقل نے صبر کیا۔ آخر کار اس نے تو اپنی ماں کے گھر کھانا شروع کر دیا۔ مزاج دار نے بھی اپنے آرام کا ٹھکانا کر لیا، دونوں وقت بازار سے کچوریاں اور ملائی۔ کندا کھویا۔ ربڑی۔ کباب منگوا کر کھا لیا کرتی۔ کھانا جو پکتا زلفن وغیرہ کھا کھا کر موٹی ہوئیں۔ ان ملیوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، لیکن دس روپے مہینے میں یہ چھوتیاں کیوں کر ہو سکتی تھیں۔ چپکے چپکے اسباب بکنے لگا۔ مگر محمد عاقل کو اصلاً اس کی خبر نہ تھی۔

ایک روز محمد عاقل تو نوکری پر گیا تھا۔ مزاج دار دوپہر کو سو گئی۔ چنیا جو آئی اُس نے دیکھا ہو بے خبر سو رہی ہیں۔ اس نے اپنے بھائی میرن کو جا خبر کی۔ وہ بڑا شاطر بدمعاش تھا۔ مزاج دار تو سوتی کی سوتی رہیں۔ میرن آ کے دن دہاڑے تمام برتن چرا کر لے گیا۔ مزاج دار اٹھ کر جو دیکھیں تو گھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے کوٹھری کو قفل لگا ہوا تھا اُس کا اسباب تو بچا باقی جو چیز اوپر تھی ایک ایک کر کے سب لے گیا۔ اب پانی پینے تک کو کٹورا نہ رہا۔ محمد عاقل نوکری پر سے آیا تو سن کر بہت مغموم ہوا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت بی بی سے لڑا اور خوب اپنا سر پیٹا۔ آخر رو کر بیٹھ رہا۔ قرض دام کر کے ہلکی ہلکی دو پتیلیاں

شعرہ دار ؎ پاکیزہ ؎ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلی کی تقدیر سے چھینکا ٹوٹ پڑتا ہے تو اس کو بے مشقت کھانا مل جاتا ہے۔ چنانچہ اکبری کی سہیلیوں کی قسمت سے ایسا ہی ہوا ؎ ہرگز ؎ چالاک ؎ یعنی اوپر کا سارا اسباب اٹھ گیا گویا کوڑا ننا کوئی سمیٹ کر لے گیا ؎ پوربی زبان کی مثال ہے یعنی جب چڑیاں کھیت چگ گئیں تو اب پچھتائے اور افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ پہلے سے بندوبست کرنا تھا کہ چڑیاں کھیت چگنے نہ پائیں ۱۲

مول لایا۔ چھوٹے چھوٹے برتن ہاں سے مانگ لئے۔ لگن۔ توا۔ رکابی۔ ساس نے بھیج دیئے غرض کسی طرح کام چل نکلا*

باب ساتواں

ایک کٹنی کا اکبری کو ٹھگنا

اتفاق سے اُن دنوں ایک کٹنی[۱] شہر میں وارد[۲] تھی اور ہر جگہ اس کا غُل تھا۔ محمد عاقل نے بھی بی بی سے کہہ دیا تھا کہ کسی اجنبی[۳] عورت کو گھر میں مت آنے دینا ان دنوں ایک کٹنی آئی ہوئی ہے۔ کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے۔ لیکن مزاج دار شدّت[۴] سے بے وقوف تھی۔ اس کی عادت تھی ہر ایک سے جلد مل جانا۔ ایک دن وہی کٹنی حجن کا بھیس بنا اس گلی میں آئی۔ یہ مکارہ حجن بے وقوف عورتوں کی پھسلانے کے لیئے طرح طرح کے تبرکات[۵] اور صدہا قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھا کرتی تھی۔ تسبیح، خاکِ شفا[۶]۔ زمزمیاں[۷]، مدینہ منورہ[۸] کی کھجوریں، کوہ طور[۹] کا سُرمہ،

---

۱ وہ عورت جو دوسری عورتوں کو بہکائے ۲ کہیں سے آکر ٹھیری تھی ۳ اوپری انجان۔

۴ بہت حد سے زیادہ ۵ وہ چیزیں جن کو ثواب اور برکت کی نظر سے لوگ دیکھیں یا پاس رکھیں ۶ زمینِ کربلا کی مٹی کو خاکِ شفا کہتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مٹی بیمار چاٹ لے تو چنگا ہو جائے ۷ ٹین کی ڈبیاں جن میں زمزم کا پانی ہوتا ہے۔ زمزم مکہ معظمہ کے مشہور کنویں کا نام ہے (۸) چوں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے نکل کر مدینے جا رہے تھے مسلمان ادب سے مدینہ منورہ کہتے ہیں منورہ کے لفظی معنی روشن ۹ کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کو پیغمبری ملی تھی ۱۲

خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا، عقیق البحر[1] اور مونگے کے دانے، اور نادِ علی[2]، پنج سورے[3] اور بہت سی دعائیں۔ گلی میں آکر جو اس نے اپنی دوکان کھولی بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔ مزاج دار نے بھی سُنا۔ زلفن سے کہا "گلی سے اٹھنے لگے تو حجن کو یہاں بلا لانا۔ ہم بھی تبرکات کی زیارت[4] کریں گے۔" زلفن جا کھڑی ہوئی اور حجن کو بلا لائی۔ مزاجِ دار نے بہت خاطر داری سے حجن کو پاس بٹھایا اور سب چیزیں دیکھیں، سرمہ اور نادِ علی دو چیزیں مزاج دار نے پسند کیں۔ حجن نے مزاج دار کو باتوں میں تاڑ لیا[5] کہ یہ عورت جلد ڈھب[6] پر چڑھ جائے گی۔ ایک پیسے کا بہت سا سرمہ تول دیا۔ اور دو آنے کو نادِ علی حوالے کی اور فیروزے کی ایک انگوٹھی تبرک کے طور پر اپنے پاس سے مفت دی۔ مزاج دار ریجھ گئیں۔ اس کے بعد حجن نے سمندر کا حال، عرب کی کیفیت اور ول سے جوڑ کر دو چار باتیں ایسی کیں کہ مزاج دار نے کمال شوق سے سُنا اور اس کی طرف ایک خاص التفات[7] کیا۔ حجن نے پوچھا "کیوں بی تمہارے کوئی بال بچہ نہیں؟"

مزاج دار نے آہ کھینچ کر کہا "ہماری ایسی تقدیر کہاں تھی؟"

حجن نے پوچھا "بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟"

---

[1] مونگے کی طرح کا ہوتا ہے مگر سیاہ رنگ۔ [2] کسی پتھر پر اکثر یشب پر یہ رباعی کندہ کرا لیتے ہیں "نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب۔ کل ہم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی" ترجمہ علی کو پکار جن سے عجیب عجیب کرامتیں ظہور ہوتی ہیں وہ مصیبتوں میں تمہاری مدد کریں گے۔ اے محمد تمہاری پیغمبری اور اے علی تمہارے خدا کے ولی ہونے کے طفیل سے جلد سب رنج و غم دور ہوں گے۔ جس پتھر پر رباعی مذکورہ بالا کندہ ہو اس کو نادِ علی کہنے لگے ہیں۔ یہ باتیں مسلمانوں میں شیعہ لوگوں کی ہیں [3] قرآن پاک کی پانچ سورتیں یٰسٓ (یاسین)، واقعہ، انا فتحنا۔ تبارک الذی۔ عم یتساءلون لکھ کر وظیفہ کے لئے ایک کتاب علیحدہ بنا لیتے ہیں اس کو پنج سورہ کہتے ہیں [4] بزرگ چیز کے دیکھنے یا کسی بزرگ شخص سے ملنے کو زیارت کرنا بولتے ہیں [5] پہچان لیا [6] تالو میں آجائے گی [7] توجہ۔

مزاج دار نے کہا "ابھی برس روز نہیں ہوا"
مزاج دار کی بے عقلی کا اب تو جمّن کو یقین ہوا اور دل میں کہنے لگی کہ اس نے تو اولاد کا نام سن کر ایسی آہ کھینچی جیسے برسوں کا امیدوار۔ جمّن نے کہا۔ "نا امیدی کی بات نہیں۔ تمہارے تو اتنے بچے ہوں گے کہ تم سنبھال بھی نہ سکو گی۔ البتہ بالفعل اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہوگا۔ میاں کا کیا حال ہے؟"
مزاج دار نے کہا "ہمیشہ مجھ سے ناخوش رہا کرتے ہیں۔"
غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے جمّن کے ساتھ ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جزو کل اس سے کہہ دیا اور جمّن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل جمّن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی۔ "اچھی بی جمّن اب کب آؤ گی؟"
جمّن نے کہا۔ میری بھانجی موم گروں کے چھتے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے۔ اسی کے علاج کے واسطے میں آگرے سے آئی ہوں۔ اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے مگر انشاء اللہ دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گی۔"
اگلے دن جمّن پھر آموجود ہوئی اور ایک ریشمی ازار بند لیتی آئی۔ مزاج دار دور سے جمّن کو آتے دیکھ کر خوش ہوگئی اور پوچھا "ازار بند کیسا ہے؟"
جمّن نے کہا "بکاؤ ہے"
مزاج دار نے پوچھا "کتنے کا ہے؟"
جمّن نے کہا "چار آنے کا۔ محلے میں ایک بیگم رہتی ہیں۔ اب غریب ہوگئی ہیں

ے گلی ملی ۱۲-

اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی ہیں۔ میں ان کی اکثر چیزیں بیچ لادیا کرتی ہوں۔"
مزاج دار اتنا سستا ازار بند دیکھ کر لوٹ[1] ہو گئی۔ فوراً[2] پیسے نکال حجن
کے ہاتھ دیئے اور بہت گڑگڑا کر حجن سے کہا: "اچھی بی! جو چیز بکاؤ ہوا کرے پہلے مجھ کو
دکھا دیا کرو۔"

حجن نے کہا "بہت اچھا۔ پہلے تم پیچھے اور۔" اس کے بعد اِدھر اُدھر کی
باتیں ہوا کیں۔ چلتے ہوئے حجن نے ایک بٹوا نکالا۔ اس میں کپڑے اور کاغذ کی
کئی تہوں میں تھوڑی لونگیں تھیں۔ ان میں سے دو لونگیں حجن نے مزاج دار
کو دیں اور کہا کہ "دنیا میں ملاقات اور محبت اسی واسطے ہوا کرتی ہے کہ ایک سے
دوسرے کو فائدہ ہو۔ یہ دو لونگیں میں تم کو دیتی ہوں۔ ایک تو تم اپنی چوٹی میں
باندھ لو۔ دوسری بہتر تھا کہ تمہارے میاں کی پگڑی میں رہتی۔ پر تمہارے میاں
شاید شبہ کریں، خیر تکیے میں سی دو اور ان کا اثر آج ہی سے دیکھ لینا۔ لیکن
اتنی احتیاط کرنا کہ پاک صاف جگہ میں رہیں۔ اور اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ[3] مجھ کو
ناپ دو۔ میں تم کو ایک گنڈا[4] بنوا لادوں گی۔ میں جب حج کو گئی تھی تو اسی جہاز
میں بھوپال کی ایک بیگم بھی سوار تھیں۔ شاید تم نے ان کا نام بھی سنا ہو بلقیس جہانی بیگم
سب کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا۔ دولت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نوکر چاکر، لونڈی،
غلام پالکی نالکی سبھی کچھ تھا۔ ایک تو اولاد کی طرف سے رنجیدہ رہا کرتی تھیں، کوئی بچہ
نہ تھا۔ دوسرے نواب صاحب کو ان کی طرف مطلق التفات نہ تھا اور شاید اولاد نہ ہونے
کے سبب محبت نہ کرتے ہوں۔ ورنہ بیگم صورت شکل میں چندے آفتاب چندے ماہتاب[5]
اور اس حسن و دولت پر مزاج ایسا سادہ کہ ہم جیسے ناچیزوں کو برابر بٹھانا اور

---

[1] ریجھ گئی [2] اسی وقت [3] لال سوت [4] کچھ پڑھ پڑھ کر سوت میں گرہ لگا دیتے ہیں اسی کو
گنڈا کہتے ہیں [5] کچھ کچھ سورج کی طرح چمکتی ہوئی اور کچھ کچھ چاند کی طرح ۱۲۔

پوچھا۔ بیگم کو فقیروں سے پرلے درجے کا اعتقاد تھا۔ ایک دفعہ سُنا کہ تین کوس پر کوئی کامل وارد ہے۔ اندھیری رات میں گھر سے پیادہ پا ان کے پاس گئیں اور پہر بھر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ فقیروں کے نام کے قربان جائیے ایک مرتبہ جو شاہ صاحب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا فرمایا کہ جا مائی رات کو حکم ملے گا۔ بیگم کو خواب میں بشارت[2] ہوئی کہ حج کو جا اور مراد کا موتی سمندر سے نکال لا۔ صبح اُٹھ حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بلا نسو مسکین[3] بیگم نے آپ کرایہ دے کر جہاز پر سوار کرائے ان میں سے ایک میں بھی تھی۔ ہر وقت پاس کا رہنا۔ بیگم صاحب (الٰہی دونوں جہان میں سُرخ رُو[4]) مجھ پر بہت مہربانی کرنے لگیں اور سہیلی کہا کرتی تھیں۔ دس دن تک برابر جہاز پانی میں چلا گیا رہویں دن بیچ سمندر میں ایک پہاڑ نظر آیا۔ ناخدا نے کہا۔ کوہِ حبشہ[7] یہی ہے اور ایک بڑا کامل فقیر اس پر رہتا ہے۔ جو گیا یا مُراد[8] آیا۔ بیگم صاحب نے ناخدا سے کہا کہ کسی طرح مجھ کو اس پہاڑ پر پہنچاؤ۔ ناخدا نے کہا حضور جہاز تو پہاڑ تک نہیں پہنچ سکتا البتہ اگر آپ ارشاد کریں تو جہاز کو لنگر[10] کریں اور آپ کو ایک کشتی[11] پر بٹھا کر لے چلیں۔ بیگم نے کہا خیر یہی سہی۔ پانچ عورتیں بیگم کے ساتھ کوہ حبشہ پر گئی تھیں ایک میں اور چار اور۔ پہاڑ پر پہنچے تو عجیب طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ چلتے چلتے شاہ صاحب تک پہنچے۔ ہُو[12] کا مقام تھا۔ نہ آدمی نہ آدم زاد۔ تن تنہا[13] شاہ صاحب ایک غار[14] میں رہتے تھے۔ کیسی نورانی شکل جیسے فرشتہ۔ ہم کو دیکھ کر دعا دی۔ بیگم کو بارہ[15] لونگیں دیں اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ مجھ سے کہا تُو بھی جا آگرہ اور دلّی میں لوگوں کے

---

[1] اپنے فن کا پورا [2] کسی نے خوش خبری دی [3] غریب محتاج [4] خوش [5] مقبول [6] جہاز کے ملاحوں کا سردار [7] حبشے کا پہاڑ [8] مراد لے کر [9] حکم دیں [10] ٹھہرا دیں [11] ناؤ [12] سنّاٹے کی جگہ تھی کہ خدا کے سوائے وہاں کوئی اور نہ تھا [13] اکیلے [14] گڑھے میں۔ پہاڑ کی کھوہ میں۔ [15] ۱۲

کام بنایا کرو۔ بیٹی! ان بارہ لونگوں میں کی دو لونگیں یہ ہیں۔ ہم سب حج کر کے جو لوٹے تو نواب صاحب یا تو بیگم کی بات نہ پوچھتے تھے یا یہ نوبت ہوئی کہ ایک مہینے آگے سے بمبئی میں آکر بیگم کے لینے کو پڑے تھے۔ جوں ہی بیگم نے جہاز سے پاؤں اتارا نواب صاحب نے اپنا سر بیگم کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور رو رو کر خطا معاف کرائی۔ چھ برس میں بھوپال میں حج سے آکر ٹھہری۔ فقیر کی دعا کی برکت سے لگاتار اوپر تلے اللہ رکھے چار بیٹے۔ بیگم کے میرے رہتے ہو چکے تھے۔ پھر مجھ کو اپنا دیس یاد آیا۔ بیگم سے اجازت مانگی۔ بہت روکا۔ میں نے کہا شاہ صاحب نے مجھ کو دلی آگرے کی خدمت سپرد کی ہے۔ مجھ کو وہاں جانا ضرور ہے۔ یہ سن کر بیگم نے چار و ناچار مجھ کو رخصت کیا۔"

دو لونگیں اس کے ساتھ دو ورق کی حکایت دلچسپ[1]۔ مزاج دار دل و جان سے معتقد ہو گئی۔ حجن تو لونگیں دے کر رخصت ہوئی۔ مزاج دار بہو نے غسل[2] کر، کپڑے بدل، خوشبو لگا، ایک لونگ بسم اللہ کر کے اپنی چوٹی میں باندھی اور میاں کے پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل ایک لونگ کسی تکئے میں رکھ دی، محمد عاقل جو گھر آیا بی بی کو دیکھا صاف ستھری، پلنگ کی چادر بے کہے بدلی ہوئی، خوش ہوا اور التفات کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

مزاج دار نے کہا۔ "دیکھو ہم نے آج ایک چیز مول لی ہے" یہ کہہ کر ازار بند دکھایا۔ محمد عاقل نے کہا۔ "کتنے کو لیا ہے؟"

مزاج دار نے کہا "تم تو ان کو کتنے کا ہے" وہ ازار بند خاص لاہور کا بنا ہوا نہایت عمدہ تھا۔ چوڑا۔ چکلا۔ کلابتو کی لچھے دار ہڑنیں[3]۔ محمد عاقل نے کہا دو روپیہ

---

[1] برابر [2] دل کو لگتی ہوئی [3] نہانا [3] ازار بند کے دونوں سروں پر جو ریشم کو گوندھ دیتے ہیں ان کو ہڑنیں کہتے ہیں، کیونکہ ان کی شکل ہڑوں کی سی ہوتی ہے اور ہڑ ایک مشہور پھل ہے ۱۲

سے کسی طرح کم کا نہیں"۔

مزاج دار "چار آنے کو لیا ہے"۔

محمد عاقل "سچ کہو؟"

مزاج دار "تمہارے سر کی قسم۔ چار ہی آنے کو لیا ہے"۔

محمد عاقل۔ "بہت سستا ہے۔ کہاں سے مل گیا؟"

مزاج دار "ایک حجن بڑی نیک بخت ہے۔ بہت دنوں سے گلی میں آیا کرتی ہے۔ کسی بیگم کا ہے۔ بیچنے کو لائی تھی"۔

یہ کہہ کر سرمہ۔ نادِ علی۔ فیروزے کی انگوٹھی بھی مزاج دار نے دکھائی۔ طمع[1] ایسی بری چیز ہے کہ بڑا سیانا[2] آدمی بھی اس سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور۔ مینا طوطا۔ لعل۔ بلبل۔ آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں۔ لیکن دانے کی طمع سے جال میں پھنس جاتے اور زندگی بھر قفس[3] میں قید رہتے ہیں۔ اسی طرح محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا۔ اور جب مزاج دار نے کہا کہ "وہ حجن بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے۔ محمد عاقل نے کہا: "ضرور دیکھنا چاہیے۔ لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو۔ پیچھے خرابی پڑے اور وہاں حجن کوئی ٹھگنی نہ ہو"۔ مزاج دار نے کہا: "خدا خدا کرو، وہ حجن ایسی نہیں ہے"۔ غرض بات گئی گزری ہوئی۔ محمد عاقل سے جو آج ایسی باتیں ہوئیں، لونگوں پر مزاج دار کا اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج حجن کو بلوایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور حجن کو ماں بنایا۔ رات کے وقت محمد عاقل سے پھر حجن کا ذکر آیا۔ محمد عاقل نے کہا: "دیکھو ہوشیار رہنا۔ اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں"۔ لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر

---

[1] لالچ [2] چالاک۔ ہوشیار [3] پنجرا۔ ۱۲

ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے کو کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے۔ محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً[1] اس حجن کے آنے کی ممانعت کرتا، اور سب چیزیں اس کی پھروا دیتا۔ اور مزاج دار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس تہ[2] کو سمجھتی کئی دن کے بعد مزاج دار نے حجن سے پوچھا "کیوں بی آج کل بیگم کی کوئی چیز نہیں لاتیں؟"

حجن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے۔ کہا "تمہارے ڈھب[3] کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں"۔ دو چار دن کے بعد چھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور کہا۔ "وہی خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانسو کی۔ پنّا مل جوہری کی دوکان پر میں نے دکھائی تھی۔ لٹو[4] ہو گیا۔ دو سو روپے زبردستی میرے پلے باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے پچاس روپے پر لائی ہوں۔ تم لے لو پھر ایسا مال نہ ملے گا۔

مزاج دار نے کہا "پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں"۔

حجن نے کہا "کیا ہوا بیٹی۔ پونہچیاں بیچ کر لے لو۔ نہیں تم جانو۔ آج یہ موتی بک جائیں گے"۔ حجن نے ایسے ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور حجن کو پونہچیاں نکال حوالے کر دیں۔ حجن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا۔ اے ہے کیسی بے احتیاطی سے زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی دھگدگی میں ڈور ڈلواؤ۔ بالی پتے۔ مگر مرکیاں۔ بازو بند سیلے چکٹ[5] ہو گئے ہیں۔ میل سونے کو کھائے جاتا ہے، ان کو اُجلواؤ"۔

مزاج دار نے کہا "کون ڈورا ڈلوائے اور کون اُجلوا کر لائے؟ ان[6] سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں مجھے فرصت نہیں"۔

۱؎ بالکل یک قلم ۲؎ بھید۔ اندر کی بات ۳؎ مصرف کی۔ کام کی ۴؎ یعنی خوش ہو کر لٹو کی طرح سر گھمانے لگا
۵؎ میل کی تہیں جم گئی ہوں تو چکٹ کہتے ہیں ۶؎ عورتیں شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں مراد ہے۔ محمد عاقل ۱۲

جمن نے کہا "اوئی بیٹی! یہ کون بڑا کام ہے! تو موتی رہنے دو میں ابھی ڈورا ڈلوا لادوں اور جو زیور میلا ہے نکال دو میں ابھی اُجلوا دوں۔"

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔ جمن نے کہا "زلفن کو بھی ساتھ کر دو سنار کے پاس بیٹھی رہے گی۔ میں پٹوے سے ڈورے ڈلواؤں گی۔ مزاج دار نے کہا "اچھا" یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی۔ آئی تو جمن نے کہا "لڑکی ذرا میرے ساتھ چل سنار کی دوکان پر بیٹھی رہیو۔"

جمن نے زیور لیا۔ زلفن ساتھ ہوئی۔ گلی سے باہر نکل جمن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا لاؤ اُجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا ڈلوانے کا الگ۔ زیور کو الگ کرتے کرتے جمن بولی "ایں! ناک کی کیل کیا ہوئی؟"

زلفن نے کہا "اسی میں ہوگی۔ ذرا بھر کی تو چیز ہے۔ اسی پوٹلی میں دیکھو۔"

پھر جمن آپ ہی آپ بولی "لے ہے! پان دان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی۔ اری زلفن دوڑ تو جا۔ جلدی سے لے آ۔"

زلفن بھاگی بھاگی آئی اور دروازے سے چلائی "بی بی ناک کی کیل پان دان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے۔ جمن نے مانگی ہے۔ جلدی دو۔ جمن گلی کے نکڑ پر بنیے کی دوکان کے آگے بیٹھی ہے۔"

یہ کہنا تھا کہ مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا[1]۔ زلفن سے کہا "باؤلی ہوئی ہے! کیسی کیل! میرے پاس کہیں بھی؟ تو نے دیکھی ہے؟ اری کم بخت دوڑ۔ دیکھ تو جمن کہیں چلی نہ جائے۔"

زلفن اُلٹے پاؤں دوڑی گئی۔ جمن کو اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہ تھا۔

---

[1] یعنی اس کو شبہ ہوا۔ ۱۲

مزاج دار سے آکر کہا "بی جحن کا تو کہیں پتہ نہیں۔ ہم بازار تک دیکھ آئی۔ اتنی دیر میں نہیں معلوم کہاں غائب ہو گئی۔"

یہ سُن کر مزاج دار سر پیٹنے لگی "ہائے میں لٹ گئی! ہائے میں لٹ گئی!! ارے لوگو خدا کے لئے دوڑیو" موم گروں کے چھتے تک لوگ دوڑے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کہیں کی بھٹیاری[1] بھاتی[2] مہینے بھر سے کرائے پر آ کر رہی تھی۔ چاروں سے مکان چھوڑ چلی گئی۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ محمد عاقل نے آکر سنا۔ سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہا۔ "اری تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی۔ میں تو تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔"

مزاج دار نے کہا "چل دور ہو! اب باتیں بنانے کھڑا ہوا ہے۔ ازار بند دیکھ کر تو نے آپ مجھ سے نہیں کہا کہ بیگم کا اسباب ضرور دیکھنا۔"

غرض خوب مزے کی لڑائی دونوں میاں بی بی میں ہوئی۔ تمام محلہ جمع ہو گیا۔ بات پر بات چلی تو معلوم ہوا کہ اسی جحن نے کنجی کی گلی میں احمد بخش خاں کی بی بی کا تمام زیور اس حیلے[3] سے ٹھگ لیا کہ ایک فقیر سے دونا کرا لادوں گی۔ روئی کے کٹرے میں میاں مسیتا کی بیٹی سے ایسی محبت بڑھائی کر ان کا زیور عاریت[4] کے بہلانے سے اڑا لے گئی۔ غرض زیور تو گیا گزرا ہوا۔ باتیں بہت سی رہ گئیں۔ برتن چوری جا چکے تھے زیور یوں غارت ہوا۔ ہزار روپے کے موتیوں کی جوڑی جو لوگوں نے بھیجی[5] تو تین پیسے کی تھی۔ تھانے میں اطلاع ہوئی۔ لوگوں نے بطور خود[6] بہت ڈھونڈا[7] جحن کا سُراغ نہ ملا پر نہ ملا۔

اکبری کو جہیز میں جو کپڑے ملے تھے ان کا حال سنئے جب تک ساس کے ساتھ رہیں ساس دسویں پندرہویں دن نکال کر دھوپ دے دیا کرتی تھیں۔

---

[1] چلتی پھرتی [2] بہلانے [3] مانگے [4] کے چلتی ہوئی [5] اپنے طور پر [6] پتہ [7] کھوج ۱۲۔

شروع برسات میں الگ ہو کر رہیں۔ کپڑوں کا صندوق جس کوٹھڑی میں جس طرح رکھا گیا تھا، تمام برسات گزر گئی، اُس کو دیکھنا نصیب نہ ہوا، وہیں اُسی طرح رکھا رہا۔ جاڑے کی آمد میں دولائی کی ضرورت ہوئی تو صندوق کھولا گیا، بہت سے کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی، چوہوں نے کاٹ کاٹ کر تعبارٹے ڈال دیے تھے۔ کوئی کپڑا اسلامت نہیں بچنے پایا۔

اکبری کا جتنا حال تم نے پڑھا اُس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ اکبری کو نانی کے لاڈ نے اس کی زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ تو کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح[2] ہوئی جب اکبری نے ساس سے جدا ہو کر الگ گھر کیا برتن بھانڈا۔ کپڑا۔ زیور سب کچھ اُس کے پاس موجود تھا۔ چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی چند روز میں تمام مال و اسباب خاک[3] میں ملا دیا۔ اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔ اگر محمد عاقل بھی اس کی طرح احمق اور بدمزاج ہوتا تو شاید ایک دوسرے سے قطع[4] تعلق ہو جاتا۔ لیکن محمد عاقل نے ہمیشہ عقل و شرافت کو برتا۔ ہم کو اکبری کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اگر ہم ان سب کو لکھنا چاہیں تو ایسی ایسی تین چار کتابیں بنیں۔ مگر اکبری کے حالات پڑھنے سے کبھی تو غصہ آتا ہے۔ اور کبھی طبیعت کڑھتی[5] ہے۔ اس سے اُس کے زیادہ حالات لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس کی چھوٹی بہن اصغری کا حال کیوں نہ لکھیں کہ بات بات پر پڑھنے والوں اور سننے والوں سب کا جی خوش ہو۔

---

[1] بڑے بڑے چھید [2] درستی [3] یعنی کھو دیا [4] یعنی میاں بی بی ایک دوسرے سے چھوٹ جاتے [5] رنجیدہ ہوتی ہے ۱۲

باب (۸) آٹھواں

اصغری کا بیاہ اور اُس کا مختصر حال

یہ لڑکی اپنی ماں کے گھر میں ایسی تھی جیسے باغ میں گلابؔ کا پھول یا آدمی کے جسمؔ میں آنکھؔ۔ ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طور کا سلیقہ اس کو حاصل تھا۔ دانائی ہوشیاری۔ ادب۔ قاعدہ۔ غربتؔ۔ نیک دلی۔ ملنساری۔ خدا ترسیؔ۔ حیا۔ لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن سے اس کو کھیل کود۔ ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔ کبھی اس کو کسی نے واہیات بکتے یا کسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ محلے کی جتنی عورتیں تھیں سب اس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں بے شک زہےؔ قسمت اُس ماں اور باپ کی جن کی بیٹی اصغری تھی اور خوش نصیب اُس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اصغری کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔ باتؔ تو اس کی محمد کامل سے ٹھیری ٹھیرائی تھی، اب چرچا ہونے لگا کہ مہینہ اور دن مقرر ہو جائے۔ اُدھر محمد کامل کی ماں اکبری کے ڈھنگ دیکھ کر اس قدر ڈر گئی تھی مثل ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے کہ اکبری کے تصورؔ سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ در پردہ

۱؎ گلاب کے پھول میں رنگ اور خوشبو دو صفتیں ہیں جو دوسرے پھولوں میں نہیں ہوتیں ۲؎ بدن سے آدمی کے بدن میں سینکڑوں عضو پڑے ہیں مگر آنکھ کی بناوٹ کوئی نہیں پاتا ۳؎ غریبی عاجزی ۴؎ خدا سے ڈرنا۔ غریبوں پر ترس کرنا ۵؎ زہے قسمت۔ خوش نصیب دونوں فارسی کی ترکیبیں ہیں اور ہم معنی ہیں یعنی ان کی تقدیر کا کیا کہنا ۶؎ مراد ہے بیاہ ۷؎ خیال ۸؎ یعنی خیال کے ساتھ کانپ اٹھتی تھی ۱۲۔

محمد کامل کی ماں کا ارادہ تھا کہ چھوٹے لڑکے کی منگنی کسی اور جگہ کر دوں۔ محمد عاقل کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور اس نے ماں سے کہا: "اماں میں نے سنا ہے کہ تم محمد کامل کی منگنی چھڑانی چاہتی ہو"

ماں نے کہا: "کیا بتاؤں بیٹا۔ بڑے سوچ میں ہوں۔ کیا کروں کیا نہ کروں تم سے میری آنکھ سامنے نہیں ہوتی۔ خدا نے مجھ کو تمہارا گنہگار بنا دیا۔ دیکھیے محمد کامل کی قسمت کیسی ہے!"

محمد عاقل نے کہا: "اماں میں سچ کہتا ہوں۔ اصغری ہزار لڑکیوں میں ایک ہے۔ عمر بھر چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ پاؤ گی۔ صورت۔ سیرت دونوں میں خدا نے اس کو لائق اور فائق بنایا ہے۔ ہرگز اندیشہ مت کرو بسم اللہ کر کے بیاہ ڈالو۔ اور بڑی بہن پر جو خیال کرو تو آپ نے سنا ہو گا۔ بیت

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد + خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اپنا اپنا مزاج ہے اور اپنی اپنی طبیعت۔ شعر

گل جو چمن میں ہیں ہزار، دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ جدا جدا، سب کی ہے بو الگ الگ

تمہاری بڑی بہو کو لاحول ولا قوۃ اصغری سے کیا نسبت ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک اور خدا راس لائے بیاہ کے بعد میری بات کا تم کو یقین حاصل ہو گا۔ مجھ کو اپنے بارے میں

۱؎ چھپکے ۲؎ یعنی شرمندگی کے مارے ۳؎ عادت خصلت ۴؎ سب سے بہتر ۵؎ ہر عورت عورت نہیں اور ہر ایک مرد مرد نہیں۔ خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائیں ۶؎ پھول ۷؎ شعر کے بنانے والے کا تخلص یعنی نام ہے ۸؎ لفظی معنی تو یہ ہیں کہ برائی سے بچنا اور بھلائی پر قدرت رکھنا بے خدا کی مدد کے نہیں ہوتا۔ مگر یہ کلام حقارت کے مقام پر بولتے ہیں ۹؎ دھول کو پاک جہاں کے ساتھ کیا نسبت ۱۰؎ مراد کے موافق ہو ۱۲۰

تم سے ذرا بھی شکایت نہیں۔ اس خیال کو طبیعت سے نکال ڈالو۔ میں خوب
جانتا ہوں کہ کوئی کسی کے دل میں نہیں گھستا۔ ظاہر حال پر سب کی نظر پڑا کرتی
ہے اور انجام کی خبر خدا کو ہے۔ یوں تو جس کو لا بٹھاؤگی کامل کی بی بی ہوگی۔
تمہاری بہو اور ہماری بھاوج۔ مگر اماں میں پھر کہتا ہوں کہ اصغری میری
جانی بوجھی ہوئی لڑکی ہے۔ وہ آئے گی تو شاید تمہاری بڑی بہو کو بھی ٹھیک
کرے گی۔ ہے تو چھوٹی مگر سارا گھر بلکہ سارا محلہ اس کا ادب کرتا ہے۔ اور وہ ہے
بھی اسی قابل۔ دیکھو خدا کے لئے کہیں اصغری کو نہ چھوڑ نا۔

محمد عاقل نے جو اصغری کی اس قدر تعریف کی پھر محمد کامل کے ساتھ جو بات
ٹھی پکی ہو گئی۔ غرض دونوں سمدھیانوں کی صلاح سے یہ امر قرار پایا کہ
بقر عید کے اگلے دن اصل خیر[۲] سے نکاح ہو۔ اصغری کا باپ دوراندیش خاں
پہاڑ پر نوکر تھا۔ اس کو خط گیا خط پہنچتے ہی خاں صاحب کی باچھیں[۳] ہی تو کھل گئیں
اصغری کو سب بچوں میں بہت چاہتا تھا۔ فوراً رخصت کی درخواست کی جواب[۴]
صاف ملا بہت زور مارے ایک نہ چلی۔ جاڑے کی آمد تھی۔ دورہ[۵] شروع
ہونے کو تھا حاکم کو بھی بہانہ معقول تھا دوراندیش خاں کو رخصت نہ ملنے
سے بہت رنج ہوا۔ مگر بندگی[۶] و بے چارگی۔ کیا کرتا۔ قہر درویش بر جان درویش
چپ ہو کر بیٹھ رہا۔ لیکن بڑا بیٹا خیر اندیش تھا۔ پانسو روپے نقد دے اس
کو گھر روانہ کیا اور سب پس و پیش سمجھا دیا۔ گھر پر زیور۔ کپڑا۔ برتن سب پہلے سے

---

[۱] یعنی اکبری [۲] خدا خیر رکھے [۳] یعنی مارے خوشی کے ہنس پڑے [۴] درخواست نامنظور ہوئی [۵] حاکم لوگ اپنے علاقہ میں پھرتے ہیں اس کو دورہ کہتے ہیں [۶] نوکری سے آدمی پرائے بس میں ہو جاتا ہے [۷] فقیر غصہ کرے تو اپنی جان پر کرے۔ دوسرے کا کیا کر سکتا ہے [۸] آگا پیچھا۔ بھلا برا ۱۲۔

موجود تھا۔ خیر اندیش خاں نے مکان پر پہنچ، چاول، گھی، گیہوں، مصالح، نمک سب بقدر ضرورت خرید لیا۔ اصغری کے کپڑوں میں مصالح ٹکنا شروع ہوا۔ ماں کا ارادہ تھا کہ اصغری کو بڑی بہن سے بڑھ چڑھ کر جہیز ملے۔ جوڑے بھی اس کے بھاری ہوں زیور کے عدد بھی زیادہ ہوں۔ برتن بھی استعمالی وزنی دیئے جائیں، اصغری آخر اسی گھر میں رہتی تھی جو بات ہوتی اس کو ضرور معلوم ہو جاتی۔ جب اصغری نے سنا کہ مجھ کو آپا سے زیادہ جہیز ملنے والا ہے بے وقوف لڑکی ہوتی تو خوش ہوتی اصغری کو رنج ہوا۔ اور اس فکر میں ہوئی کہ کس تدبیر سے اماں کو منع کر دوں۔ آخر تماشا خانم اپنی خالہ زاد بہن سے شرماتے شرماتے کہا۔ میں نے ایسا ایسا سنا ہے مجھ کو اس کا نہایت سوچ لگا ہے۔ کئی دن سے نہایت فکر میں تھی۔ الٰہی کیا کروں۔ اچھا ہوا تم آنکلیں۔ بوجہ ہم عمری تم سے کہنے میں تامل نہیں۔ کوئی اماں کو اتنی بات سمجھا دے کہ مجھ کو آپا سے زیادہ ایک چیز نہ دیں۔"

تماشا خانم نے سن کر کہا: "تم بھی بوا کوئی تماشے کی عورت ہو۔ وہی کہاوت ہے گدھے کو نون دیا اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ خدا دلواتا ہے تم کیوں انکار کرو"

اصغری نے کہا۔ "تم دیوانی ہوئی ہو۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ آپا کے مزاج سے تم واقف ہو۔ ان کو ضرور رنج ہوگا۔ ناحق اماں سے بدمزگی ہوگی۔ مجھ سے بھی ان کو بدگمانی پیدا ہوگی"

تماشا خانم نے کہا۔ "بوا۔ اس میں رنج کی کیا بات ہے؟ اپنی اپنی قسمت ہے اور سمجھنے کو سو طرح کی باتیں ہیں۔ ان کی بسم اللہ کی شادی ہوئی۔ روزہ کشائی ہوئی

۱؎ گوٹا ٹھپا لگایا جاتا ہے ۲؎ گنتی شمار ۳؎ برتنے کے لائق ۴؎ عورتوں کے محاورے میں ہم عمروں کو ایک دوسرے کا دائیں وار کہتے ہیں ۵؎ عجیب اس قابل کہ تمہارا کوئی تماشا دیکھے ۶؎ خرابیاں ۷؎ قرآن شروع کرانے کی شادی ۸؎ پہلے روزے کی شادی لفظی معنی روزہ کھلوانا یعنی افطار کرانا۔ ۱۲

چار برس تک منگنی رہی۔ تیر تیوہارا ن کا کونسا نہیں ہوا۔ ان کی کسر ادھر سمجھ لیں۔"

اصغری نے کہا۔ "سچ ہے۔ مگر نام تو جہیز کا ہے چھوٹی کو زیادہ ملے گا تو بڑی کو رنج ہو ہی گا۔ ایک محلے کا رہنا۔ روز کا ملنا ملانا جس بات سے دلوں میں فرق پڑے کیوں کی جائے۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "بہن ناحق تم اپنا نقصان کرتی ہو۔ اجی مہینے دو مہینے میں سب بھول بسر جائیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "اے بی اللہ اللہ کرو۔ نفع نقصان کیسا؟ کہیں ماں باپ کے دینے سے پوری پڑتی ہے اور جہیز سے عمریں کٹتی ہیں، خدا اپنی قدرت سے دے۔ تم اس بات میں اصرار مت کرو۔ نہیں میں کچھ دوسری تدبیر کروں مجھ کو کسی طرح منظور نہیں۔"

غرض اصغری کی ماں تک یہ بات پہنچ گئی اور وہ بھی سوچ سمجھ کر اپنے ارادے سے باز رہیں۔ اور دل میں کہنے لگیں دینے کے سو ڈھب ہیں۔ دوسری جگہ سمجھ لوں گی۔ الغرض روزِ مقرر کو ساعتِ نیک[۲] میں نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ خیر اندیش خاں ایسا منتظم آدمی تھا کہ اکیلے نے نہایت خوبی کے ساتھ بہن کا بیاہ کر دیا۔ براتیوں کی مدارات[۳] علیٰ قدر[۴] مراتب خوب ہوئی۔ حق حقوق والوں کو بہت خاصی طرح راضی کر دیا۔ جب اصغری کی رخصت کا وقت آ پہنچا گھر میں آفت برپا تھی ماں پر تو نہایت درجے کا صدمہ تھا۔ محلے کی بیبیوں کا یہ حال تھا کہ آ آ کر اصغری کو گلے لگا لگا کر روتی تھیں اور ہر ایک کے دل سے دعا نکلتی تھی۔ اصغری اُن دعاؤں کا بڑا بھاری جہیز لے کر سسرال میں داخل ہوئی۔ وہاں کی رسمیں جو تھیں

---

[۱] عید بقرعید کوئی تیوہار ہو منگنی ہوئے پیچھے سمدھیانوں میں لین دین ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تماشا خانم کا مطلب اسی سے ہے۔ [۲] اچھی گھڑی [۳] خاطر داری [۴] ہر ایک کی اس کے مرتبے کے مطابق ۱۲۔

ادا ہوئیں۔ رونمائی کے بعد اصغری خانم کو تمیزدار بہو کا خطاب ملا۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصغری نے خانہ داری کو کس طرح پر سنبھالا۔ کیا کیا مشکلیں اس کو پیش آئیں اور اُس نے اپنی عقل سے کیونکر اُن کو رفع کیا۔

ذرا اصغری کی حالت کو اکبری کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اصغری ماں کی دوسری بیٹی اور ساس کی دوسری بہو تھی۔ دونوں طرف کے ارمان اور حوصلے اکبری کے بیاہ میں نکل چکے تھے۔ اکبری سولہ برس کی بیاہی گئی تھی اور اصغری بیاہ کے وقت پوری تیرہ برس کی بھی نہ تھی۔ جب اکبری کا بیاہ ہوا اس کا دولھا محمد عاقل دس روپے کا نوکر تھا اور اصغری کا دولھا محمد کامل ہنوز پڑھتا ہی تھا۔ محمد عاقل کی نسبت محمد کامل کم علم اور کم عقل بھی تھا۔ اکبری کامل دو برس تک بال بچوں کے بکھیڑے سے آزاد رہی اور اصغری کو خدا نے بیاہ کے دوسرے برس ہی چھوٹی سی عمر میں ماں بنا دیا۔ اکبری کو کبھی شہر سے باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اصغری برسوں سفر میں رہی۔ پس بہرحال اصغری کی حالت اکبری کے مقابلے میں اچھی نہ تھی۔ مگر اصغری کو بچپن سے تربیت ہوئی تھی۔ روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیزدار بہو کا وہ عالی شان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے اور اصغری خانم ہی کے نام سے وہ محلہ خانم کا بازار مشہور ہوا۔ جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے تمیزدار بہو ہی کی بنوائی ہوئی ہے خاص بازار سے آگے بڑھ کر لال ڈگی کی بغل میں تمیز گنج اسی کا ہے۔ مولوی محمد حیات کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اس کے لنگر خانے سے خمیری روٹی اور

لہ منہ دکھائی ؎ دور ؎ یعنی اس کو بچپن سے سکھایا پڑھایا گیا تھا ؎ اونچا شہ دلی کے قلعہ کے نیچے لال پتھر کا بنا ہوا ایک خوبصورت تالاب تھا۔ اب نہیں ہے ۱۲

پچے کا قلیہ دونوں وقت پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیا مسجد کے برابر سرائے اسی تمیز دار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ رمضان کے رمضان فتحپوری میں بمبئی کے چھاپے کے پانسو قرآن اسی کی طرف سے تقسیم ہوا کرتے ہیں۔ ہزار کمل آتے جاڑے مسکینوں کو اِسی کے گھر سے ملتے ہیں۔

جب خیر اندیش خاں نے اپنے باپ دوراندیش خاں کو اطلاع کی کہ خدا کے فضل و کرم سے خیر و خوبی کے ساتھ ہمشیرہ عزیزہ کا عقد ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ مہر فاطمہ پر ہو گیا۔ دوراندیش خاں نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی لیکن بیٹی کی مفارقت کا قلق بہت دنوں تک رہا۔

باب نواں (۹)

بیاہی ہوئی لڑکیوں کے لیے عمدہ نصیحت

اصغری کے نام شادی ہو جانے کے بعد دوراندیش خاں نے جو خط لکھا دیکھنے کے لائق ہے۔ اتفاق سے ہم کو اُس کی نقل ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ خط یہ ہے:-

---

لے گوشت میں چنے کی دال پڑی ہوئی ۔ ٹے نکاح ۔ ٹے بقرعید کا مہینہ ۔ ٹے فاطمہ سے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی مراد ہیں جو حضرت کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں ان کا مہر تھا بیس اوقیہ ایک اوقیہ بیس درہم۔ ہم نے جو حساب کیا تو انگریزی ایک سو آٹھ روپے اور آٹھ ماشے ہوتے ہیں۔ یعنی ایک سو پونے نو روپے۔ اس میں مولویوں کا کچھ اختلاف بھی ہے مگر یہ حساب قریب قریب صحیح ہے مسلمانوں کو مہر فاطمہؓ سے بڑی نصیحت ہونی چاہیے ۔ ٹے جدائی ۔ ٹے رنج۔ ۱۲

آرام دل[1] وجانم برخوردار اصغری خانم سلمہا اللہ تعالیٰ۔ دعا اور اشتیاق دیدہ بوسی[2] کے بعد واضح ہو تمہارے بھائی خیر اندیش خاں کے لکھنے سے تمہاری رخصت کا حال معلوم ہوا۔ برسوں سے یہ تمنا دل میں تھی کہ اس فرض کو میں اپنے اہتمام خاص سے ادا کروں، مگر حاکم نے رخصت نہ دی، مجبور رہا۔ یہ بات تم پر ظاہر ہوئی ہوگی کہ سب بچوں میں تم سے مجھ کو ایک خاص طرح کا انس تھا اور میں اس بات کو بطور اظہار[3] احسان نہیں لکھتا بلکہ تم نے اپنی خدمت گزاری اور فرماں برداری سے خود میرے اور سب کے دل میں جگہ پیدا کی تھی۔ آٹھ برس کی عمر سے تم نے میرے گھر کا تمام بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مجھ کو ہمیشہ یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ تمہارے سبب بیگم یعنی تمہاری ماں کو بڑی بے فکری حاصل ہے جب کبھی اس اثنا[4] میں مجھ کو گھر جانے کا اتفاق ہوا تمہارا انتظام دیکھ کر ہمیشہ میرا جی خوش ہوا۔ اب تمہارے رخصت ہو جانے سے ایسا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی[5] شاید اس عمر میں ہونے کی مجھ کو امید نہیں ہو سکتی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے، اور اس خدمت کے صلے[6] میں میری دعاؤں کا اثر تم پر ظاہر ہو۔ خیر اندیش خاں کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے اکبری خانم سے زیادہ جہیز نہیں لینا چاہا۔ اس سے تمہاری بلند نظری[7] اور عالی ہمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر میں اس کا نعم البدل[8] بھیجتا ہوں، وہ یہ خط ہے۔ اس کو تم بطور دستور العمل[9] کے اپنے پاس رکھو اور ان نصیحتوں پر عمل کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک مشکل تم پر آسان ہوگی اور اپنی زندگی آرام و آسائش میں بسر کروگی

---

[1] اے میرے دل اور میری جان کو آرام پہنچانے والی اصغری خانم خدا اس کو سلامت رکھے [2] آنکھوں کا بوسہ دینا یعنی چومنا [3] یعنی کچھ اس لئے نہیں لکھتا کہ تم پر اس کا احسان جتاؤں [4] یعنی نوکری کے دنوں میں [5] بدلہ معاوضہ [6] اچھا بدلہ [7] عوض [8] سیر چشمی حوصلے کی بڑائی [9] بہتر بدل۔ [10] وہ تحریر جس کے مطابق عمل کیا جائے۔ ۱۲

سمجھنا چاہئے کہ بیاہ کیا چیز ہے۔ بیاہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ رنگین کپڑے پہنے، مہمان جمع ہوئے، مال و اسباب و زیور پایا۔ بلکہ بیاہ سے نئی دنیا شروع ہوتی ہے، نئے لوگوں سے معاملہ کرنا اور نئے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پہلے پہل بچھڑوں پر جوا رکھا جاتا ہے آدمی کے بچھڑوں کا جوا بیاہ ہے۔ بیاہ ہوا، لڑکی بی بی بنی، لڑکا میاں بنا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دونوں کو پکڑ کر دنیا کی گاڑی میں جوت دیا۔ اب یہ گاڑی قبر کی منزل تک ان کو کھینچنی پڑے گی۔ بس بہتر یہ ہے کہ دل کو مضبوط کر کے اس مہم کا سرانجام کیا جائے اور زندگی کے دن جس قدر ہوں عزت، آبرو، صلح کاری، اتفاق سے کاٹ دیئے جائیں۔ ورنہ لڑائی بھڑائی جھگڑے بکھیڑے، شور و شر، فساد اور ہائے واویلا سے دنیا کی مصیبت اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

اب تم کو اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! سوچنا چاہئے کہ میاں بی بی میں خدا نے کتنا فرق رکھا ہے۔ مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت میں اکیلے گھبرایا کرتے تھے۔ ان کے بہلانے کو خدا نے حضرت حوّا کو جو سب سے پہلی عورت دنیا میں ہو گزری ہیں پیدا کیا۔ بس عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھا اور عورت کا فرض ہے مرد کو خوش رکھنا۔ افسوس ہے کہ دنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔ مردوں کا درجہ خدا نے عورتوں پر زیادہ کیا نہ صرف حکم دینے سے بلکہ مردوں کے جسم میں زیادہ قوت اور ان کی عقلوں میں زیادہ روشنی دی ہے۔ دنیا کا بندوبست مردوں کی ذات سے ہوتا ہے۔ مرد کمانے والے اور عورتیں ان کی کمائی کو موقع مناسب پر خرچ کرنے والیاں اور اس کی نگہبان ہیں۔ کنبہ بطور کشتی کے ہے۔ اور مرد اس کے ملاح ہیں۔ اگر ملاح نہ ہو تو کشتی پانی کی موجوں میں ڈوب جائے گی۔ یا کسی کنارے پر ٹکر کھا کر

پھوٹ پڑے گی۔ کہتے ہیں اگر مرد منتظم[1] نہیں تو اس میں ہر ایک طرح کی خرابی کا احتمال ہے۔ کبھی نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دنیا میں خوشی صرف دولت سے حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ دولت اکثر خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ بہت بڑے اونچے گھروں میں لڑائی اور فساد ہم زیادہ پاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا صرف دولت سے تو خوشی نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے اکثر خانہ داری میں خوشی صرف اتفاق اور صلح کاری سے ہوتی ہے۔ غریب آدمیوں کو ہم دیکھتے ہیں جن کی آمدنی بہت مختصر ہے دن کو محنت مزدوری سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ رات کو سب مل کر دال روٹی سے پیٹ بھر لیتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہتے ہیں بے شک یہ لوگ صلح کاری کے سبب دال روٹی اور گاڑھے دھوتر میں زیادہ آرام سے ہیں بہ نسبت نوابوں اور بیگموں کے جن کا تمام عیش آپس کی ناسازگاری[2] سے تلخ[3] رہتا ہے اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! اتفاق پیدا کرو۔ اور صلح کاری کو غنیمت جانو۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اتفاق کن باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ صرف اس بات سے کہ بی بی اپنے میاں سے محبت کرے بلکہ محبت کے علاوہ اُس کو میاں کا ادب کرنا بھی لازم ہے۔ بڑی نادانی ہے اگر بی بی میاں۔ کو برابر کے درجے میں سمجھے، بلکہ اس زمانے میں عورتوں نے ایسا خراب دستور اختیار کیا ہے کہ ادب کے بالکل خلاف ہے۔ جب چند سہیلیاں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی ہیں تو اکثر یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ فلانی کا میاں اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ رکھتا ہے۔ ایک کہتی ہے "بوا میں نے تو یہاں تک اُن کو دبایا ہے کیا مجال جو میری بات کو کاٹیں یا الٹ کر جواب دیں" دوسری فخر کرتی ہے "جب تک گھڑیوں خوشامد نہ کریں میں کھانا نہیں کھاتی" تیسری

---

[1] انتظام کرنے والا [2] ناموافقت [3] کڑوا۔ ۱۲

بڑائی مارتی ہے۔" میں تو دس مرتبہ پوچھتے ہیں تب ایک جواب مشکل سے دیتی ہوں۔" چوتھی ڈینگ کی لیتی ہے۔ "چاہے وہ پہروں نیچے بیٹھے رہیں بنڑی کو پلنگ سے اترنا قسم ہے۔" پانچویں شیخی بگھارتی ہے۔ "جو میری زبان سے نکلتا ہے پورا کر کے رہتی ہوں۔" شادی بیاہ میں ٹونے ٹوٹکے بھی اسی غرض سے نکلے ہیں کہ میاں مطیع و فرماں بردار رہے، کہیں تو دلہن کی جوتی پر کاجل پار کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے اور چوں نہ کرے کہیں نہاتے وقت دلہن کے پاؤں کے انگوٹھے کے تلے بیڑا رکھا جاتا ہے اور میاں کو کھلایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی کہ پیروں پڑتا رہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کا درجہ اور اعتبار کم کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ تعلیم بہت بُری تعلیم ہے اور ہرگز اس کا نتیجہ قباحت سے خالی نہیں۔ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے۔ اگر دباؤ اور زبردستی سے کوئی ان کو زیر کرنا چاہے ناممکن ہے۔ بہت آسان ترکیب ان کو زیر کرنے کی خوشامد اور تابعداری ہے۔ اور جو احمق عورت اپنا دباؤ ڈال کر مرد کو زیر کرنا چاہتی ہے وہ بڑی غلطی میں ہے۔ وہ شروع سے تخم فساد بوتی ہے اور اس کا انجام ضرور فساد ہوگا، اگرچہ اس کو بالفعل نہیں سمجھتی۔ اصغری خانم! میری صلاح یہ ہے کہ تم گفتگو اور نشست و برخاست میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا۔ مذہب میں میاں بی بی کے متعلق بہت سے احکام ہیں اور چونکہ تم نے قرآن کا ترجمہ اور اردو کے بہت سے مذہبی رسالے پڑھے ہیں میں امید کرتا ہوں وہ احکام تھوڑے بہت ضرور تمہارے خیال میں ہوں گے ان احکام کا مجموعہ خانہ داری کے لیے بڑا دستور العمل ہے۔ مگر افسوس ہے لوگ

---

۱ تابعدار ۲ ذرا نہ کسمسائے ۳ یعنی پانوں کا بیڑا ۴ تیار، مستعد ۵ خرابی ۶ فساد کا بیج ۷ ابھی وقت سردست ۸ بیٹھنے اٹھنے ۹ یعنی ادب کا لحاظ خیال رکھنا ۱۲

خدا رسول کے حکموں کی تعمیل میں تن دہی نہیں کرتے اور اسی انواع و اقسام کی خرابیاں پیش آتی ہیں۔ میں نے حدیث کی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر خدا کے سوائے کسی دوسرے کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو پیغمبر صاحب فرماتے ہیں کہ میں بی بی کو حکم دیتا کہ اپنے میاں کو سجدہ کیا کرے۔ بس اسی ایک بات سے تم خیال کر سکتی ہو کہ میاں اور بی بی میں کیا نسبت ہے۔ اب اس کے ساتھ ملکی رواج کو ملاؤ کہ بی بی نہ تو میاں کو چھوڑ سکتی نہ بدل سکتی نہ اس سے کسی وقت اور کسی حال میں بے نیاز ہو سکتی ہے۔ تو سوائے اس کے کہ سچے دل سے آپ اس کی ہو رہے اور اطاعت سے فرماں برداری سے، خوشامد سے۔ جس طرح ممکن ہو اُس کو اپنا کر لے۔ عافیت کی عزت و آبرو کی دوسری کوئی تدبیر نہ ہے اور نہ ہونی ممکن ہے۔

کیا وجہ کہ شادی بیاہ ایسے چاؤ سے ہوتا ہے اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نندوں کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے؟ یہ مضمون غور کے قابل ہے۔ بیاہ کے پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا۔ اور صرف ان ہی کے ساتھ اس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگتی ہے کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ بس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو نہ معلوم ہو کہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد پیدا نہ ہو۔ یہ تو سب کوئی جانتا ہے کہ بیاہ کے بعد ماں باپ کے ساتھ تعلق چند روزہ ہے۔ آخر گھر الگ ہوگا، میاں بی بی جدا ہو کر رہینگے، دنیا میں یہی ہوتی آئی ہے۔ لیکن نہیں معلوم کم بخت بہوؤں کو بے صبری کہاں کی

۱؎ کوشش ۲؎ آگے آتی ہیں ۳؎ پیغمبر صاحب کے فرمانے اور کرنے کو حدیث کہتے ہیں ۴؎ بے پرواہ ۵؎ تابعداری ۶؎ امن چین ۱۲

پڑ جاتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہوا سی دم ہو جائے۔ بہوؤں میں ایک عیب چغلی کا ہوتا ہے جو بنیاد فساد ہے۔ وہ یہ کہ سسرال کی ذرا ذرا بات آ کر ماں سے لگاتی ہیں اور مائیں خود بھی کھود کھود کر پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن اس کہنے اور پوچھنے سے سوائے اس کے کہ لڑائیاں پڑیں اور جھگڑے کھڑے ہوں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض بہوئیں اس طرح کی مغرور ہوتی ہیں کہ سسرال میں کیسا ہی اچھا کھانا اور کیسا ہی اچھا کپڑا ان کو ملے ہمیشہ نظر حقارت[۱] سے دیکھتی ہیں۔ ایسی باتوں سے میاں کی دل شکنی[۲] ہوتی ہے۔ اصغری! اس کی تم کو بہت احتیاط چاہیے۔ سسرال کی ہر ایک چیز قابل قدر ہے اور تم کو ہمیشہ کھانا کھا کر اور کپڑا پہن کر بشاشت[۳] ظاہر کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو کہ تم نے پسند کیا۔ نئی دلہن کو اس بات کا خیال بھی ضرور رکھنا چاہیے کہ سسرال میں بے دلی سے نہ رہے۔ اگرچہ اوپری ہونے کے سبب البتہ اجنبی[۴] لوگوں میں جی نہیں لگتا۔ لیکن جی کو سمجھانا چاہیے نہ یہ کہ روتے گئے، وہاں رہے تو روتے۔ جاتے دیر نہیں ہوئی آنے کا تقاضا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ[۵] انس پیدا کرنے کے واسطے چالوں کا رواج بہت پسندیدہ ہے، اس سے زیادہ میکے کا شوق ظاہر کرنا سسرال والوں کو ضرور ناپسند ہوتا ہے۔

گفتگو میں درجہ اوسط ملحوظ رہے یعنی نہ اتنی بہت کہ خود بخود بک بک، نہ اتنی کم کہ غرور سمجھا جائے۔ بہت بکنے کا انجام رنجش ہوتا ہے جب رات دن کی بکواس ہوگی، ہزاروں طرح کا تذکرہ ہوگا، نہیں معلوم کس تذکرہ میں کیا بات منہ سے نکل جائے۔ نہ اتنی کم گوئی[۶] اختیار کرنی چاہیے کہ بولنے کے واسطے لوگ خوشامد اور منت کریں، ضد[۷] اور اصرار کسی بات پر زیبا[۸] نہیں۔ اگر کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف بھی ہو، اس وقت

۱؎ ذلت کی نگاہ ۲؎ یعنی میاں کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور اس کو رنج ہوتا ہے ۳؎ یعنی خوشی تمہارے چہرے سے ظاہر ہونے لگے ۴؎ غیر ۵؎ آہستہ آہستہ ۶؎ کم بولنا ۷؎ ہٹ ۸؎ مناسب ۱۲

ملتوی[1] رکھو، پھر کسی دوسرے وقت بطرزِ مناسب طے ہو سکتی ہے۔ فرمائش کسی چیز کی نہ کرنی چاہیئے۔ فرمائش کرنے سے آدمی نظروں میں گھٹ جاتا اور اس کی بات ہلکی پڑ جاتی ہے۔ جو کام ساس نندیں کرتی ہیں تم کو اپنے ہاتھوں سے کرنا عار نہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا ادب ہر دلعزیز[2] ہونے کے واسطے بڑی عمدہ تدبیر ہے۔ اپنا کوئی کام دوسروں کے ذمے نہیں رکھنا چاہیئے، اور اپنی کسی چیز کو بے خبری سے پڑا نہ رہنے دو کہ دوسرے اس کو اٹھا لیں گے۔ جب دو آدمی چھپکے چھپکے باتیں کریں، اُن سے علیحدہ[3] ہو جانا چاہیئے۔ پھر اُس کی تفتیش[4] بھی مت کرو کہ یہ آپس میں کیا کہتے تھے اور خواہ مخواہ یہ بھی مت سمجھو کہ کچھ ہمارا ہی تذکرہ تھا، اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کے ساتھ رکھو۔ جن لوگوں میں بہت جلد نہایت درجہ کا اختلاط[5] پیدا ہو جاتا ہے اسی قدر جلد اُن میں رنجش پیدا ہونے لگتی ہے۔ فقط۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر روز بلا ضرورت بھی اس خط کو کم سے کم ایک دفعہ پڑھ لیا کرو تاکہ اس کا مطلب پیشِ نظر[6] رہے، والدعا[7]۔

حررہ[8]:۔ خیر اندیش خاں

باپ کا خط پا کر اصغری کے دل میں جوشِ محبت نے عجیب اثر پیدا کیا۔ اور بے اختیار رونے کو جی چاہا لیکن نئی بیاہی تھی سسرال میں رو نہ سکی۔ ضبط کو کام میں لائی اور باپ کے خط کو آنکھوں سے لگا بہت احتیاط سے وظیفے کی کتاب میں رکھ لیا۔ ہر روز بلا ناغہ اس کو پڑھتی اور اس کے مطلب پر غور کیا کرتی تھی +

---

[1] موقوف [2] جس کو سب عزیز رکھیں [3] الگ [4] تلاش جستجو [5] بے تکلفی [6] آنکھوں کے آگے [7] یعنی اس کے سوا دعا ہے اور بس [8] اس کو لکھا ۱۲۔

باب دسواں

بیاہ کے بعد اصغری کا برتاؤ اور بتدریج انتظام خانہ داری میں اس کا دخل

جب تک اصغری نئی بیاہی ہوئی رہی تو اس کا جی بہت گھبراتا تھا اس واسطے کہ دفعتہً ماں کا گھر چھوڑ کر نئے گھر اور نئے آدمیوں میں رہنا پڑا۔ یہ تو کام اور انتظام کی خوگر[1] تھی۔ بے شغل اس کو ایک گھڑی چین نہ تھا۔ یا مہینوں بند کوٹھڑی میں چپ چاپ بیٹھنا پڑا۔ ماں باپ کے گھر میں جو آزادی حاصل تھی باقی نہ رہی۔ یہاں سسرال میں آتے ہی اُس کی ہر ایک بات کو لوگ دیکھنے اور تاکنے لگے۔ کوئی منہ دیکھتا ہے کوئی چوٹی کی لمبان ناپتا ہے، کوئی قد کی اٹھان کو تاڑتا ہے۔ کوئی زیور ٹٹولتا ہے، کوئی کپڑے پہچانتا ہے۔ کھاتی ہے تو لقمے پر نظر ہے، نوالہ کتنا بڑا لیا، منہ کتنا کھولا۔ کیونکر چبایا اور کس طرح نگلا۔ اٹھتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ دوپٹہ کیونکر اوڑھا، پائنچے کس طرح اٹھائے۔ سوتی ہے تو وقت پر نگاہ ہے، کس وقت سوئی کب اٹھی۔ الغرض جملہ حرکات[3] و سکنات اس کی زیر نظر[4] تھیں۔ ایسی حالت میں اصغری کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن از بس کہ عاقلہ[5] اور تربیت یافتہ تھی ایسے سخت امتحان میں کامل نکلی اور سب ہوائیں اس کی سسرال والوں کو بھائیں۔ بات کی نہ تو اس قدر بہت کہ لوگ کہیں کیسی لڑکی ہے، چار دن کی بیاہی ہوئی نے کس بلا کی بک بک لگا رکھی ہے! نہ اتنی کم کہ بد مزاج اور تورے[6] ہیٹی سمجھیں۔ کھانا کھایا تو نہ اتنا زیادہ کہ محلے میں چرچا ہو۔

---

[1] یعنی اس کو تو کام کی عادت تھی [2] رفتہ رفتہ [3] چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا [4] نگاہ کے نیچے [5] عقل مند [6] خاص عورتوں کا محاورہ ہے تنک مزاج۔ ۱۲

نہ البتہ کہ ساس نندیں سر نیچا کر بیٹھ رہیں اور یہاں اثر نہ ہو۔ سوئی تو نہ اتنا سویرے کہ چراغ میں بتی پڑی لاڈو بیری تخت چڑھی، اور نہ اتنی دیر تک کہ گویا مردوں سے شرط باندھ کر سوئی تھی۔

دستور ہوتا ہے کہ نئی دلہن کو محلے کی لڑکیاں گھیرے رہا کرتی ہیں۔ اصغری کے پاس بھی جب دیکھو دس پانچ موجود۔ لیکن اصغری نے کسی سے خصوصیت پیدا نہ کی۔ اگر کوئی لڑکی تمام دن بیٹھی رہ گئی تو یہ نہ کہا کہ بوا اپنے گھر جاؤ۔ اگر کوئی نہ آئی تو اس سے یہ نہ پوچھا کہ بوا تم کہاں تھیں کیوں نہیں آئیں؟ اصغری کے اس طرز ملاقات اور طریقۂ مدارات سے رفتہ رفتہ لڑکیوں کا انبوہ کم ہو گیا۔ خصوصاً محلے کے کمینوں کی لڑکیاں تو چاٹ کی آشنا ہوتی ہیں، جب اُنھوں نے دیکھا کہ نہ تو پان پر پان ملتا ہے نہ کچھ سودے سلف کا چرچا ہے، کھسیانی ہو کر چھ سات دن میں آپ ہی آپ الگ ہو گئیں۔ اصغری نے پہلے اپنی نند محمودہ سے ربط بڑھایا، محمودہ لڑکی تو تھی ہی، تھوڑے سے التفات میں رام ہو گئی۔ دن بھر اصغری کے پاس گھسی رہا کرتی۔ بلکہ ماں کسی کسی وقت کہہ بھی اٹھتی کہ "اس بھاوج پر اتنی کیوں مہربان ہو؟ بڑی بھاوج کے تو سائے سے تم بھاگتی پھرتی تھیں۔" محمودہ اس کا جواب دیتی "وہ تو ہم کو مارتی تھیں۔ ہماری چھوٹی بھابی جان تو ہم کو پیار کرتی ہیں۔"

محمودہ کی ملاقات سے اصغری نے اپنا خوب کام نکالا۔ اول تو تمام گھر بلکہ تمام کنبے اور محلے کا حال محمودہ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کیا اور جو بات شروع میں شرم و لحاظ کے سبب خود نہ کر سکتی محمودہ کے ذریعہ سے کہا کرتی۔ اصغری نے گھر کے کام میں بتدریج اس طرح دخل دینا شروع کیا کہ شام کو محمودہ سے روٹی منگا کر

۱؎ کہاوت ہے ۲؎ بھیڑ ۳؎ ہلگئی۔ مانوس ہو گئی۔ تابعدار بن گئی ۱۲

چراغ کی بتیاں بٹ دیا کرتی۔ ترکاری بنا لیتی۔ محمودہ کا پھٹا اُدھڑا کپڑا سی دیتی۔ ساس اور میاں کے لئے پان بنا دیا کرتی۔ شدہ شدہ باورچی خانہ تک جانے اور ماما عظمت کو بھوننے بگھارنے میں صلاح دینے لگی۔ یہاں تک کہ اصغری کی رائے پر کھانا پکنے لگا۔ جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دینا شروع کیا گھر والوں نے جانا کہ کھانا بھی عجیب نعمت ہے۔ پھر تو یہ حال ہو گیا کہ جس دن اصغری کسی وجہ سے ماما عظمت کی صلاح کار نہ ہوتی، کھانا پھیکا پھیکا پھرتا۔

باب گیارہواں (۱۱)

اصغری نے گھر کی ماما عظمت کی چوری پکڑی وہ لگی اُس سے دشمنی کرنے

ساس بہوؤں کی لڑائی بھی کچھ معمولی سی بات ہے۔ اصغری یوں لڑنے کے قابل نہ تھی تو اُس کا ہنر باعثِ فساد ہوا۔ ماما عظمت اس گھر میں ایسی دخیل کار تھی کہ کُل کاموں کا مدار[1] ایک اس ماما پر تھا۔ سودا سلف، کپڑا، غرض جو کچھ بازار سے آتا سب ماما عظمت کے ہاتھوں آتا۔ زیور تک عظمت بنوا کر لاتی۔ جس چیز کی طرح ضرورت ہوتی تو ماما عظمت کی معرفت لی جاتی۔ غرض کہ ماما عظمت مردوں کی اس گھر کی منتظم تھی، جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دیا تو ماما عظمت کا غبن[2] ظاہر ہونے لگا۔ ایک دن پسندوں[3] کے کباب پک رہے تھے اور اصغری باورچی خانے میں

---

[1] یعنی گھر کے سارے کام اس پر موقوف تھے یہی کرے تو ہوں ورنہ بند [2] چوری [3] گوشت کے پارچے قیمہ کئے ہوئے ۱۲

بیٹھی ہوئی ماما کو بتاتی جاتی تھی جب گوشت پس کر تیار ہوا اور دہی مصالح ملنے کا وقت آیا اصغری نے ماما سے کہا "دہی مجھ کو چکھا لو کھٹا اور باسی ہو گا تو کباب بگڑ جائیں گے۔" ماما نے دہی کا دونا نکال اصغری کے ہاتھ میں دیا۔ اصغری نے چکھا تو کھٹا[1] چونا[2] کئی دن کا باسی۔ نیلا نیلا پانی الگ اور دہی کی پھٹکیاں[3] پھٹکیاں الگ اصغری نے کہا "اے ہے! کیسا بُرا دہی ہے۔ یہ تو ہرگز کبابوں میں ڈالنے کے لایق نہیں۔ ماما جلد جاؤ اور ٹکے کا اچھا تازہ میٹھا دہی دیکھ کر لاؤ۔"

ماما نے کہا "اوئی بیوی! سیر بھر گوشت کے کبابوں میں ٹکے کا دہی! اونٹ[4] کے منہ میں زیرہ کیا ہو گا؟ یہ دہی جو تم نے ناپسند کیا ایک آنے کا ہے۔"

اصغری کو سُن کر حیرت ہوئی اور بولی کہ ہمارے گھر تو آئے دن کباب پکتے رہا کرتے ہیں۔ ہمیشہ سیر بھر گوشت میں ڈیڑھ پیسے کا دہی پڑتا تھا۔ اس حساب سے تو ٹکے کا میں نے زیادہ سمجھ کر منگوایا کہ کباب خوب نرم اور سرخ ہوں۔"

ماما نے کہا "بیوی تم اپنے محلے کا حساب کتاب رہنے دو۔ بھلا کہاں چاندنی[5] چوک اور کہاں ترکمان دروازہ۔ جو چیز چاندنی چوک میں پیسے کی ہے وہ یہاں ایک آنے کو بھی نہیں ملتی۔ یہ خاک ملا محلہ تو اُجڑی نگری سونا دیس ہے یہاں ہر چیز کا توڑا، ہر شے کا قحط رہتا ہے۔"

چونکہ کھانے میں دیر ہوتی تھی اصغری یہ سُن کر چپ ہو رہی اور ماما سے کہا "خیر جتنے کا ملتا ہو جلد لاؤ۔" لیکن اصغری ایسی بھولی نہ تھی کہ ماما کی بات کو تسلیم کر لیتی اپنے دل میں کہنے لگی ضرور دال[6] میں کچھ کالا ہے۔ دمڑی چھدام فرق ہو تو مضائقہ

---

[1] پتوں کا پیالہ [2] چونا بولتے ہیں مگر چوکا ایک گھاس ہوتی ہے بہت ہی ترش [3] چھوٹے چھوٹے ٹکڑے [4] کہاوت ہے [5] چاندنی چوک بیچ دلّی ہے اور ترکمان دروازہ شہر کا دکھن کنارہ [6] کہاوت ہے یعنی ماما جو دہی کم لائی اس میں ضرور شبہ کی بات ہے ۱۲

نہیں۔ یہ غضب کہ ایک شہر کے دو محلوں میں دُگنے چوگنے کا فرق! اس وقت سے اصغری بھی تاک میں ہوئی۔ اگلے دن ماما پان لائی تھی۔ اصغری نے دیکھ کر کہا کہ "ماما تم تو بالکل ہرے پتے اٹھا لاتی ہو۔ ان میں نہ تو کچھ لذت ہوتی ہے نہ کچھ مزہ ملتا ہے۔ اب تو جاڑے کی آمد ہے۔ کرارے پکے پان ڈھونڈ کر لایا کرو۔"

"ماما نے کہا کہ "پکے پان تو پیسے کے دو آتے ہیں۔ اور یہاں اللہ رکھے آدھی ڈھولی روز کا خرچ ہے۔ اس خیال سے میں نئے پان لاتی ہوں۔"

"اتنے میں اصغری کے گھر سے اس کی اپنی ماما کفایت النساء خیر صلاح کی کی خبر کو آنکلی۔ پانوں کا تذکرہ تو در پیش تھا ہی۔ اصغری نے اپنی ماما سے پوچھا "کیوں بی کفایت النساء تم کو آج کل کیسے پان ملتے ہیں؟"

"کفایت النساء نے کہا" بیوی پیسے کے بارہ[۱۲]"

"اصغری نے صندوقچہ کھول دو پیسے کفایت النساء کے ہاتھ دیئے اور کہا "اسی محلے کے تنبولی سے پان لے آؤ۔"

کفایت النساء بڑے بڑے کرارے دلدار[ط] تئیس پان لے آئی۔ اصغری نے کہا "چاندنی چوک کی نسبت بھی پیسے پیچھے تین پان زیادہ ملے۔"

کفایت النساء نے کہا "بیوی یہ محلہ شہر کا پھاٹک ہے۔ جو چیز شہر میں آتی ہے اسی دروازے سے آتی ہے۔ گوشت۔ اناج۔ پان یہ چیزیں اس محلے میں سستی ملتی ہیں۔ البتہ ہری ترکاری سبزی منڈی سے سیدھے کابلی دروازہ ہو کر شہر میں جاتی ہے۔ وہ کسی قدر مہنگی ملتی ہوگی۔ پرانے پان تئیس ملے، نئے لیتی تو چالیس ملتے۔"

اصغری نے کہا۔ یہ نامراد ماما عظمت تو ہر چیز میں یوں ہی آگ لگاتی ہے،

ط دل دار یعنی بیز موٹے ۱۲

کفایت نساء! تم دو چار دن یہاں رہو۔ میں اماں سے کہلا بھیجوں گی۔ وہاں کا کام دو چار دن کے لئے ہر کوئی دیکھ بھال لے گا۔"

کفایت نساء نے کہا "بیوی میں حاضر ہوں۔ خدا نہ کرے کیا یہاں وہاں دو دو گھر ہیں۔"

غرض چار دن کفایت نساء کے ہاتھوں ہر طرح کا سودا بازار سے آیا اور ہر چیز میں ماما عظمت کا غبن ثابت ہوا۔ لیکن یہ سب باتیں اس طرح پر ہوئیں کہ اصغری کی ساس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اصغری نے جانا یا کفایت نساء نے یا ماما عظمت نے۔ اس واسطے کہ اصغری بہت مروت اور لحاظ کی عورت تھی۔ اُس نے سمجھا کہ اس بڑھیا ماما کو بدنام اور رسوا کرنے سے کیا فائدہ۔ رات کے وقت کھانے سے فارغ ہو کر کوٹھے پر اصغری پان کھا رہی تھی۔ کفایت نساء بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں ماما عظمت آئی۔ کفایت نساء نے کہا "کیوں بوا عظمت! یہ کیا ماجرا ہے؟ چوری کون نوکر نہیں کرتا؟ دیکھو یہ گھر والی موجود ہیں۔ سات برس تک برابر ان کی خدمت کی کئی کئی برس سے گھر کا کاروبار سب یہ اٹھائے ہوئے تھیں۔ اللہ رکھے امیر گھر اور امیری خرچ۔ ہزاروں روپے کا سودا۔ ان ہی ہاتھوں سے آیا۔ حق دستوری[1] یہ کیوں کر کہوں نہیں لیا۔ اتنا لینا تو ہم نوکروں کا دھرم ہے خدا بخشے چاہے مارے۔ لیکن اس سے زیادہ ہضم نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھ کر نمک حرامی میں داخل ہے۔"

عظمت نے کہا "لو! بوا۔ میرا حال کون نہیں جانتا، اب میری بلا چھپائے۔ ہاں میں تو چراتی اور لوٹتی ہوں۔ لیکن نہ آج سے بلکہ سدا سے میرا یہی کام ہے۔ ذرا میری حالت پر بھی تو نظر کرو۔ کہ اس گھر میں کس بلا کا کام ہے۔ اندر باہر میں اکیلی آدمی

---

[1] حال کے نوکروں کا دستور ہوتا ہے کہ پیسہ روپیہ ٹکا روپیہ جیسا قاعدہ ہو حق الخدمت لیا کرتے ہیں اس کو دستوری کہتے ہیں ۱۲

چار نوکروں کا کام میرے اکیلے دم پر پڑتا ہے۔ پھر لوا لیے مطلب تو کوئی اپنی ہڈیاں[1] یوں نہیں پیلتا بیوی کئی مرتبے مجھ کو موقوف بھی کر چکی ہیں۔ پھر آخر مجھ ہی کو بلوایا۔ سمجھ کا پھیر ہے کوئی یوں سمجھا، کوئی یوں سمجھا۔ چار آدمی کے بدلے میں اکیلی ہوں چار کی تنخواہ بھی مجھ اکیلی کو ملنی چاہیے۔"

اس ماما عظمت کی حقیقت اس طرح پر ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر اُتارو[2]۔ ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے۔ آئے دن اس پر شبہ ہوتا رہتا تھا۔ مگر تھی چالاک، گرفت[3] میں نہیں آتی تھی۔ کئی مرتبہ نکالی گئی۔ جب موقوف ہوئی۔ بنئے۔ بزاز۔ سنار۔ قصائی کنجڑے۔ جن جن سے اس کی معرفت۔ اچاپت۔ قرض اٹھتی تھی تقاضے کو آموجود ہوئے۔ اس ڈر کے مارے پھر بلائی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سرزوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی جتا کر لیتی اور بتا کر جُراتی۔ دکھا کر نکالتی اور للکھا کر مُکر جاتی۔ گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئیں کھانے میں امتیاز۔ کپڑے میں تکلف۔ سب کارخانہ قرض پر تھا۔ اور قرض کی آڑھت[4] ماما عظمت کے دم سے تھی۔ کھلے خزانے کہتی تھی کہ میرا نکلنا آسان بات نہیں۔ گھر نیلام کرا کے نکلوں گی۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔

اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن ہو گئی اور اپنے بچاؤ کے لئے بدلہ لینے کی نظر سے تدبیریں سوچنے لگی اور اس فکر میں ہوئی کہ محمد کامل اور اس کی ماں سے اصغری کو برا بنائے۔ اصغری کو اس کی مطلق[5] خبر نہ تھی بلکہ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختار کل ہے نہ اپنی عادت سے باز آئے گی نہ نکلے گی تو اپنے جی میں کہا کہ پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ۔ میں

---

[1] مراد یہ ہو کہ اتنی محنت نہیں کرتا۔ [2] اتری ہوئی ہر وقت تیار [3] پکڑ [4] یعنی قرض اس کی معرفت آتا تھا [5] صاف صاف ۱۲

مفت میں ماما سے کیوں بُری بنوں؟ باورچی خانے کا جانا اور کھانے میں دخل دینا بالکل موقوف کیا۔ گھر والوں کو تو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے مِٹ بنانے لگے۔ کوئی کہتا "اے ہے گوشت منہ میں کچر کچر ہوتا ہے"۔ کوئی کہتا "دال میں نمک زہر ہوگیا ہے، زبان پر نہیں رکھی جاتی"۔ لیکن اصغری سے کون کہہ سکتا تھا کہ تم کھانا پکاؤ۔ مجبوراً جیسا بُرا بھلا ماما عظمت پکا رینادھ کر رکھ دیتی کھانا ہی پڑتا تھا۔

باب بارھواں (۱۲)

اصغری پر ماما کا پہلا وار

ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا۔ ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ محمد کامل نے کہا آج تو کڑھائی کو دل چاہتا ہے۔ لیکن بشرطیکہ تمیزدار بہو اہتمام کریں۔ اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی، اس کو خبر نہیں کہ محمد کامل نے کڑھائی کی فرمائش کی۔ ماما عظمت گھی۔ شکر۔ بیسن وغیرہ سامان لے آئی اور محمد کامل سے کہا۔ صاحب زادے لیجیے سب سودا تو میں لے آئی۔ جاؤں بہو صاحب کو بلا لاؤں۔"

کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کڑھائی کا کچھ تذکرہ تک نہیں کیا۔ اُسی طرح

لہ گلگلے۔ پوریاں۔ سموسے۔ بڑے اندرسے کی گولیاں۔ اس قسم کے پکوان جو کڑھائی میں تلے جاتے ہیں ۱۲۔

اُلٹے پاؤں اتراآئی اور کہا "بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے" ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا کڑھائی کیا خاک تلتی۔ سب چیزوں کا ستیاناس ملا کر رکھ دیا۔ کس چاؤ سے تو محمد کامل نے فرمائش کی تھی۔ بدمزہ پکوان کھا کر بہت اداس ہوا۔ کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا بیٹھی ہوئی اپنا پائجامہ سی رہی ہیں جی ہی جی میں ناخوش ہوا کہ ایں! سینے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑھائی کو کہا تو درد سر کا بہانہ کر دیا۔

یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی۔ اور دستور ہے کہ میاں بیبیوں میں بگاڑ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ ازبس کہ اکثر چھوٹی سی عمر میں بیاہ ہو جاتا ہے خدا کے فضل سے عقل مصلحت اندیش نہ میاں میں ہوتی ہے نہ بی بی میں۔ اگر ذرا سی بات بھی خلاف مزاج دیکھی تو میاں لگے اپنے کو اکڑے بیٹھے ہیں اور بی بی الگ منہ اندھائے لیٹی ہیں اور جب ایک جگہ کا رہنا سہنا ہوا تو مخالفت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیشتر واقع ہونا کیا تعجب ہے یہ مخالفت کثرت سے ہونے ہوتے دونوں طرف سے لحاظ اور پاس اٹھ جاتا ہے اور تمام عمر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ میاں بی بی شروع سے اپنا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ صاف رکھیں اور ادنیٰ رنجش کو پیدا نہ ہونے دیں۔ ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں جمع ہو کر آخر کو فساد عظیم ہو جائینگی اور رنجش کو پیدا نہ ہونے دینے کی یہ حکمت ہے کہ جب کوئی ذرا سی بات بھی خلاف مزاج واقع ہو اس کو دل میں نہ رکھا۔ رُو در رُو کہہ کر صاف کر لیا۔ اگر محمد کامل بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ کیوں صاحب ذرا سا کام تم سے نہ ہو سکا اور درد سر کا

لہ آرزو۔ ارمان ۲ نامناسب بات کی سوچنے والی ۳ اٹھا کئے ۴ اکثر ۵ یعنی لڑائی ہوا کرتی ہے ۶ بڑا فساد ۷ منہ در منہ یعنی بے تکلف سامنے

بہانہ کردیا؟ اسی وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی۔ لیکن محمد کامل نے منہ پر تو لگائی مہر اور دل میں دفتر شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد کامل کی کم التفاتی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر کرے لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو اُن کو بھی کسی قدر مکدر پایا۔ حیرت میں تھی کہ الٰہی کیا ماجرا ہے!

باب تیرہواں (۱۳)

اصغری پر ماما کا دوسرا وار

ابھی یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ماما عظمت نے ایک شرارت اور کی رمضان کا قرب تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا "ماما۔ رمضان آتا ہے۔ ابھی سے سب تیاری کر چلو۔ برتن چھوٹے بڑے سب قلعی کرانے ہیں۔ مکان میں برس بھر ہوا سفیدی نہیں ہوئی۔ لالہ ہزاری مل سے کہو کہ جس طرح ہو سکے کہیں سے پچاس روپے دے، عید کا خرچ سر پر چلا آتا ہے۔"

ماما عظمت بولی "کہ تمیز دار بہو اپنی ماں کے یہاں مہمان جائیں گی اور سنا ہے تحصیلدار بھی آنے والے ہیں۔ ضرور دونوں بیٹیوں کو بلا بھیجیں گے۔ بلکہ ایک جگہ تو اس بات کا مذکور تھا کہ تمیز دار بہو کا ارادہ ہے باپ کے ساتھ چلی جائیں۔ بہو جائیں گی تو چھوٹے صاحبزادے بھی جائیں گے۔ پھر بیوی تمہارا اکیلا دم ہے۔ مکان میں سفیدی

ؔ چالاکی ؔ کم توجہی ؔ شروع ؔ ناصاف۔ روٹھا ہوا ؔ یعنی رمضان کا مہینہ نزدیک آ لگا تھا ؔ اکبری اصغری کے باپ ۱۲-

ہو کر کیا ہوگی، اور برتن قلعی ہو کر کیا ہوں گے؟ ہزار آہی ہل کم بخت تو ایسا بے مروت ہوگیا ہے کہ ہر روز تقاضے کو اس کا آدمی دروازے پر کھڑا رہتا ہے اور قرض کیوں کر دے گا؟ محمد کامل کی ماں یہ سُن کر سرد ہو گئی اور سرد ہونے کی بات ہی تھی۔ میاں تو جس دن سے لاہور گئے پھر کو گھر کی شکل نہ دیکھی۔ چھٹے چھ مہینے برسویں دن جی میں خیال آگیا تو کچھ خرچ بھیجدیا ورنہ کچھ سروکار نہیں۔ محمد عاقل ماں سے الگ ہو ہی چکا تھا صرف محمد کامل کا دم گھر میں تھا۔ اس کے گئے پیچھے مطلع صاف تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما سے پوچھا "اری سچ بتا۔ تمیزدار بہو ضرور جائیں گی؟"

ماما بولی "بیوی جانے نہ جانے کی تو خدا جانے جو سنا تھا سو کہدیا۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا "اری کم بخت کس سے سنا، کیوں کر معلوم ہوا؟"

ماما بولی "سنتے کی جو پوچھو تو کفایت نسا سے میں نے دو روپے قرض مانگے تھے اس نے کہا میں دے تو دیتی لیکن پہاڑ پر جانے والی ہوں۔ تب میں نے اس سے حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہے۔ بس اتنی دیر ہے کہ تحصیلدار آئیں عید کی صبح کو یہ سب لوگ روانہ ہو جائیں گے اور سننے پر کیا منحصر ہے۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔ بیوی کیا تم کو تمیزدار بہو کے ڈھنگوں سے نہیں سمجھ پڑتا۔ دیکھو پہلے تو بہو گھر کا کام کاج بھی دیکھتی بھالتی تھیں۔ اب تو کوٹھے پر سے نیچے اترنا بھی قسم ہے۔ خط پر خط باپ کے نام چلے جاتے ہیں۔ سوائے جانے کے ایسا اور کونسا معاملہ ہے۔"

محمد کامل کی ماں یہ حال سُن کر سناٹے میں رہ گئی۔ اور اسی سوچ میں بیٹھی تھی کہ محمد کامل باہر سے آیا۔ محمد کامل کو پاس بلا کر پوچھا کہ "محمد کامل ایک بات پوچھتی ہوں سچ سچ بتاؤ گے؟"

ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تعلق۔ پروا جس جگہ چاند سورج یا کوئی ستارہ نکلتا ہو وہ اس کا مطلع بولا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ محمد کامل کے گئے پیچھے گھر میں کوئی مرد نہ تھا جیب چاپ ۱۲

محمد کامل نے کہا۔ "اماں بھلا ایسی کون بات ہے جو تم سے چھپاؤں گا؟"
محمد کامل کی ماں نے جو کچھ ماما سے سنا تھا حرف بحرف محمد کامل سے کہا۔
محمد کامل نے کہا۔ "اماں میں سچ کہتا ہوں مجھ کو اس کی مطلق خبر نہیں نہ مجھ سے
تمیز دار بہو نے اس کا تذکرہ کیا"۔
محمد کامل کی ماں بولی "ہمارے سامنے کا بچہ اور ہم ہی سے باتیں بناتا ہے
اتنی بڑی بات اور تجھ کو خبر نہیں!"
محمد کامل نے کہا "تم کو تو یقین نہیں آتا۔ تمہارے سر کی قسم[1] مجھ کو معلوم نہیں"
اتنے میں ماما بھی آنکلی۔ محمد کامل کی ماں نے کہا "کیوں بی عظمت! محمد کامل
تو کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں"۔
ماما نے کہا "میاں تم برا مانو یا بھلا مانو۔ تمہاری بیوی جانے کی تیاریاں تو کر
رہی ہیں۔ تم سے شاید چھپاتی ہوں۔ یہ مزاج دار بہو نہ ہوں کہ اُن کے پیٹ میں
بات نہیں سماتی تھی۔ یہ تمیز دار بہو ہیں کہ کسی کو اپنا بھید نہ دیں"۔
محمد کامل کی ماں نے پوچھا "بھلا محمد کامل۔ اگر یہ بات سچ ہو تو تمہارا کیا ارادہ ہے؟"
محمد کامل نے کہا "بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم کو اکیلا چھوڑ کر چلا
جاؤں گا اور تمیز دار بہو کی بھی ایسی کیا زبردستی ہے کہ بے پوچھے گچھے چلی جائیں گی
اور میں آج تمیز دار بہو سے پوچھوں گا کہ کیوں جی یہ کیا بات ہے"۔
محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اس نامراد ماما کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی بہو
سے کچھ ذکر نہ کرو۔ جب بات تحقیق ہو جائے گی۔ اس وقت دیکھا جائے گا"۔
اس طرح کی باتوں سے ماما عظمت اصغری کو ساس اور میاں سے برا بنانے کی

---

[1] اگرچہ خدا کے سوا دوسرے کی قسم کھانا شرعاً منع ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان احتیاط نہیں کرتے خصوصاً عورتیں ۱۲

فکر میں تھی اور اصغری سے ہر چند کسی نے کچھ کہا سنا نہیں، لیکن وہ بھی ان سب کے قیافے سے سمجھ گئی تھی کہ ضرور کچھ کشیدگی ہے۔ اصغری کے پاس محمودہ بڑی جاسوس تھی۔ ذرا ذرا سی بات اصغری سے کہتی اور ماما کی بدذاتی سب اصغری پر کھل گئی تھی لیکن اصغری ایسی احمق نہ تھی کہ جلد بگڑ بیٹھتی۔ وہ اس فکر میں ہوئی کہ اس معاملہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں، آخر کبھی نہ کبھی بات کھلے گی۔ اصغری نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا عظمت رہ تو سہی! انشاء اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی کیسا سیدھا بناتی ہوں۔ اب یہاں تک تیرے مغز چل گئے ہیں کہ گھر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ تجھ کو وہاں ماروں گی کہ پانی نہ ملے اور ایسا تجھ کو اجاڑوں کہ پھر اس محلے میں آنا نصیب نہ ہو۔

ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی۔ تیسرا وار اصغری پر اور صحیح کیا۔

باب (۱۴) چودھواں

اصغری پر ماما کا تیسرا وار

ہزاری مل کی تو عادت تھی جب کبھی ماما عظمت کو اپنی دُکان کے سامنے سے آتے جاتے دیکھتا تو اُدبدا کر چھیڑتا کہ کیوں ماما ہمارے حساب کتاب کا بھی کچھ فکر ہے؟ اور ساتویں آٹھویں دن گھر پر تقاضا کہلا بھیجتا۔ ایک دن حسب معمول ماما عظمت سودے

---

۱ صورت شکل ۲ رکاوٹ کھچاؤ ۳ جو دوسروں کے بھید لیتا پھرے ۴ ضرور۔ خواہی نخواہی ۱۲

سلفت کو باہر جاتی تھی۔ ہزاری مل نے ٹوکا۔ ماما بولی "اے لالہ۔ یہ کیا تم نے مجھ سے آئے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو جن کو دیتے ہو اُن سے مانگو۔ ان پر تقاضا کرو۔ میں بے چاری غریب آدمی، ٹکے کی اوقات[1] مجھ سے اور مہاجنوں کے لین دین سے واسطہ؟"

ہزاری مل نے کہا: "یہ بات تم نے کیا کہی کہ مجھ سے واسطہ نہیں؟ دکان سے تو تم لے جاتی ہو۔ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ ہم تو تم کو جانتے ہیں اور تمہاری ساکھ[2] پر دیتے ہیں۔ ہم گھر والوں کو کیا جانیں؟"

ماما نے کہا "اے لالہ ہوش میں آؤ۔ ایسے گھر کے بھولے۔ میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی؟ میرے پاس نہ جائداد نہ دولت اور تم نے سینکڑوں روپے آنکھ بند کر کے مجھ کو دیدئے۔ اور اگر مجھ کو دیا ہے تو تم کو بھی قسم ہے جاؤ مجھی سے لے بھی لینا۔ میرے جو محل کھڑے ہوں گے سرکار میں عرضی لگا کر نیلام کرا لینا۔"

ماما کی ایسی اُکھڑی اکھڑی باتیں سن کر ہزاری مل بہت سٹ پٹایا[3]۔ اور لگا ماما سے ملاوٹ کی باتیں کرنے کہ "آج تو تم کسی سے لڑ کر آئی معلوم ہوتی ہو۔ بتا تو کیا بات ہے؟ بیوی صاحب نے کچھ کہا یا صاحب زادے کچھ خفا ہوئے؟ یہاں تو آؤ۔ بات تو سنو۔"

ادھر تو ماما سے یہ کہا۔ اور اُدھر دکان پر جو لڑکا بیٹھا تھا ایک پیسہ اُس کے ہاتھ دیا کہ دوڑ کر دو گلوریاں تو بنوا کر لا اور دیکھ ذرا سا زردہ بھی الگ ہتھیلی میں لیتا آئیو۔ جب ماما بیٹھ گئی تو پھر ہزاری مل نے ہنس کر پوچھا، معلوم ہوتا ہے آج ضرور کسی سے لڑی ہو۔" ماما نے کہا "خدا نہ کرے کیوں لڑنے لگی۔ بات یہ بات میں نے بھی

---

[1] یعنی دو پیسہ کی حیثیت [2] اعتبار [3] گھبرایا۔ ۱۲

کہدی۔ رتی برابر جھوٹ کہا ہو تو تو میرا کان پکڑ دو۔"

ہزاری مل "یہ تو ٹھیک ہے۔ بیوپار تو مالک کے ہاتھ ہے، پر تمہاری ہاتھوں سے ہوتا ہے یا نہیں؟ نہ ہمارے نام رقعہ نہ چھٹی، تم نے مالک کے نام سے جو مانگا سو دیا۔"

ماما۔ "ہاں یوں کہو۔ اس سے میں کب مکرتی ہوں؟ جو لے گئی ہوں ہزاروں میں کہہ دوں۔ لاکھوں میں کہہ دوں۔ اور ہماری بیوی کے بھی رُوئیں رُوئیں سے دعا نکلتی ہے، بے چاری کبھی تکرار نہیں کرتیں۔"

ہزاری مل۔ "ماما! بیگم صاحب[1] تو حقیقت میں بڑی امیر ہیں۔ واہ کیا بات ہے۔"

پھر ہزاری مل نے آہستہ سے پوچھا "چھوٹی بہو صاحب کا کیا حال ہے؟ کیسی ہیں؟ اپنی بڑی بہن کے ڈھنگوں پر ہیں یا اور طرح کا مزاج ہے؟"

ماما۔ "لالہ۔ کچھ نہ پوچھو۔ بیٹی تو امیر گھر کی ہیں۔ پر دل کی بڑی تنگ ہیں دمڑی کا سودا بھی جب تک چار مرتبہ پھیر نہ لیں پسند نہیں آتا۔ ہاں خدا رکھے ہنر سلیقہ تو دنیا کی بہو بیٹیوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ کھانا عمدہ سے عمدہ۔ سینے میں درزیوں اور مغلانیوں کو مات کیا ہے۔ لیکن لالہ امیری کی بات نہیں۔ اوّل اوّل تو مجھ پر بھی روک ٹوک شروع کی تھی۔ سو لالہ تم جانتے ہو میرا کام کیسا بے لاگ ہوتا ہے۔ آخر کو تھک کر بیٹھ رہیں۔ بیگم صاحب تو اولیا[2] آدمی ہیں اور ان ہی کے دم قدم کی برکت سے گھر چلتا ہے ہم غریب بھی اُن ہی کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ بہتیرا لوگوں نے بیگم صاحب کو بھڑکایا، لیکن خدا سلامت رکھے ان کے دل پر میل نہ آیا اور کسی طرح کا کلام انھوں نے منہ پر نہ رکھا۔"

ہزاری مل۔ "سنا ہے چھوٹی بہو صاحب کو بڑا بھاری جہیز ملا۔"

---

[1] محمد عاقل کی ماں مراد ہیں [2] اولیا جمع ہے ولی کی لیکن مفرد کی جگہ مستعمل ہے ۱۲

ماما نے چھوٹتے ہی کہا: "خاک! بڑی سے کبھی اترتا ہوا۔"

ہزاری مل: "بڑا تعجب ہے! ان کے بیاہ کے وقت تو خاں صاحب تحصیلدار تھے۔ بڑی بیٹی سے زیادہ دینا لازم تھا۔"

ماما: "اے ہے! تحصیلدار کا کچھ دوش[1] نہیں، اس بے چارے نے تو بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ یہی چھوٹی کھوٹی منہ ٹوٹی[2] تھیں۔ اماں باوا کی خیر خواہی کے مارے کہہ کہہ کر سب چیزیں کم کرائیں۔"

ہزاری مل: "اگر یہی حال ہے تو بڑی بہن کی طرح یہ بھی الگ گھر کریں گی۔"

ماما: "الگ گھر کرنا کیسا، یہ تو بڑے گل[3] کھلائیں گی۔ بڑی بہو بدمزاج تھیں، لیکن دل کی صاف۔ اور یہ زبان کی میٹھی اور دل کی کھوٹی۔ کوئی کیسا ہی جان مار کر کام کرے ان کی خاطر[4] تلے نہیں آتا۔ بات بھی کہیں گی تو تہ کی، منہ پر کچھ، دل میں کچھ۔ نا بابا۔ یہ عورت ایک دن نباہ کرنے والی نہیں۔ اب تو پہاڑ پر باپ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

ہزاری مل: "لاہور سے ان دنوں کوئی خط آیا؟"

ماما: "ہر روز انتظار رہتا ہے۔ نہیں معلوم کیا سبب ہے۔ کوئی خط نہیں آیا۔ بیوی خرچ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ رمضان سر پر آ رہا ہے۔ بلکہ پرسوں ترسوں مجھ سے کہتی تھیں۔ ہزاری مل سے پچاس روپے اور قرض لانا۔"

ہزاری مل قرض کا نام سن کر چونک پڑا اور کہا: "پچھلا حساب چکا دیں تو آگے کو کیا انکار ہے؟ بڑی بی دیکھنا۔ بیگم صاحب سے اچھی طرح پر سمجھا کر کہہ دینا کہ جہاں سے بن پڑے روپے کا فکر کریں۔ اب میرے ساجھی میرے روکے نہیں

۱؎ قصور ۲؎ کواری لڑکی جو اپنے بیاہ برات کی بات میں دخل دے ۳؎ یعنی ان کی ذات سے بڑے فساد برپا ہوں گے ۴؎ یعنی ان کو کسی کی محنت کا [illegible]ال نہیں ۱۲

رُکتے۔ ایسا نہ ہو کل کلاں کو مجھے بات دینی آجائے۔"

ماما "تمہارا روپیہ خدا ہی نکلوائے گا تو نکلے گا۔ بیگم صاحب کہاں سے دیں گی۔ بال بال تو قرض دار ہو رہی ہیں۔ موذی الگ جان کھاتا ہے۔ بزاز جدا غل مچاتا ہے۔"

ہزاری مل "مجھ کو دوسرے لین داروں سے کیا واسطہ؟ ہماری دکان کا حساب تو بیگم صاحب کو بے باق کرنا ہی پڑے گا۔ میں تو بیگم صاحب کی سرکار کا بڑا لحاظ کرتا ہوں۔ لیکن میرا ساجھی چھدامی لال اب کسی طرح نہیں مانتا۔ اگر وہ یہ حال سُن پائے تو آج نالش کر دے۔"

ماما "یہ سب حال بیگم صاحب سے کہہ تو میں دونگی۔ لیکن گھر کا ذرا ذرا حال مجھ کو معلوم ہے۔ نالش کرو، فریاد کرو، نہ روپیہ ہے نہ دینے کی گنجائش۔ روپیہ ہوتا تو قرض کیوں لیا جاتا؟"

اتنی باتوں کے بعد ماما عظمت ہزاری مل سے رخصت ہو کر سودا سلف لے کر گھر میں آئی تو محمد کامل کی ماں نے پوچھا "ماما تو بازار جاتی ہے تو ایسی بے فکر ہو جاتی ہے کہ کھانا پکانے کا کچھ خیال تجھ کو نہیں رہتا؟ دیکھ تو کتنا دن چڑھا ہے اب کس وقت گوشت چڑھے گا کب پکے گا؟ کب کھانا ملے گا؟"

ماما "بیوی۔ موئے ہزاری مل کے جھگڑے میں اتنی دیر ہو گئی۔ وہ جان ہار ہر روز مجھ کو آتے جاتے ٹوکا کرتا ہے۔ آج میری جان جل گئی۔ اور میں نے کہا کہ کیا تو نے مجھ سے روز کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ کیوں مرا جاتا ہے۔ ذرا صبر کر۔ لاہو سے خرچ آنے دے تو تیرا اگلا پچھلا سب حساب کتاب بے باق ہو جائے گا۔ وہ موا تو میرے سر ہو گیا اور بھرے بازار میں لگا مجھ کو فضیحت کرنے۔"

۱؎ یعنی ساجھی مجھے قائل معقول کر دے ۲؎ بنیا ۳؎ قرض خواہوں سے ۴؎ مرنے جوگا۔ ۱۲

محمد کامل کی ماں "ہزاری مل کو کیا ہو گیا ہے! وہ تو ایسا نہ تھا۔ آخر برسوں سے ہمارا اس کا لین دین ہے۔ سویرے بھی دیا ہے۔ دیر کر کے بھی دیا ہے۔ کبھی اس نے تکرار نہیں کی۔"

ماما۔ بیوی کوئی اور مہاجن دکان میں ساجھی ہوا ہے اس موئے نے جلدی مچا رکھی ہے جس جس پر لینا تھا سب سے کھڑے وصول کر لیا جس نے نہیں دیا نالش کر دی۔ ہزاری مل نے کہا ہے کہ بیگم صاحبؑ سے بہت بہت ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے کہہ دینا کہ میرے بس کی بات نہیں۔ جس طرح ہو سکے دو چار دن میں روپے کی راہ نکال دیں۔ ورنہ چھدامی لال ضرور نالش کر دے گا۔"

اس خبر کے سننے سے محمد کامل کی ماں کو سخت تردد پیدا ہوا۔ امیر بیگم ان کی چھوٹی بہن خانم کے بازار میں رہتی تھیں۔ وہ ذرا خوش حال تھیں۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا کہ ماما لاہور سے تو خط کا جواب تک نہیں آتا۔ خرچ کی کیا امید ہے؟ اگر سچ مچ ہزاری مل نے نالش کر دی تو کیا ہو گا؟ میرے پاس تو اتنا اثاثہ بھی نہیں کہ بیچ کر ادا کر دوں گی۔ اور ہونے پر دنیا میں بھی بے عزتی ہے؟ نام تو سارے شہر میں بد ہو گا۔ ڈولی لے آؤ میں امیر بیگم کے پاس جاتی ہوں دیکھوں اگر وہاں کوئی صورت نکل آئے۔"

ماما "بیوی نالش تو ہوئی دھری ہے جس نے منہ سے کہا اس کو کرتے کیا دیر لگتی ہے اور چھوٹی بیگم بے چاری کے پاس کہاں سے روپیہ آیا۔ وہ تو ان دنوں خود حیران ہیں۔"

محمد کامل کی ماں "آخر پھر کچھ کرنا تو پڑے گا۔"

لہ مراد ہے محمد کامل کے باپ کے پاس سے ۔ سہ سامان، اسباب ۱۲۔

ماما نے پاس جا کر چپکے سے کہا کہ "مہینے بھر کے واسطے تمیزدار بہو اپنے کڑے دے دیتیں تو بات رہ جاتی۔ بالفعل ان کڑوں کو گروی رکھ کر آدھے تہائی ہزاری مل کے بھگت جاتے۔ مہینے بھر میں یا تو میاں خرچ بھیج دیتے یا میں کسی اور مہاجن سے لے آتی۔"

محمد کامل کی ماں: "اری تو کوئی دیوانی ہوئی ہے! خبردار! ایسی بات منہ سے بھی مت نکالنا۔ اگر رہنے کا مکان تک بھی بک جائے تو بلا سے مجھ کو منظور ہے، لیکن بہو سے کہنے کا منہ نہیں۔"

ماما: "بیوی میں نے تو اس خیال سے کہا کہ بہو ہوئی بیٹی ہوئی، کچھ غیر نہیں ہوتیں، اور کیا خدا نہ کرے کچھ پیچ ڈالنے کی نیت[1] ہے۔ مہینے بھر کا واسطہ[2] ہے چیز صندوقچے میں نہ پڑی رہی مہاجن کے پاس رکھی رہی جس میں اس کی خاطر جمع رہے۔"

محمد کامل کی ماں: "پھر بھی بہو بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور بہو بھی نئی بیاہی ہوئی کہ اگر سچ پوچھو تو ابھی اچھی طرح اس کی گھونگھٹ بھی نہیں کھلی۔ بھلا اس سے کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ دیکھو خبردار۔ پھر زبان سے ایسی بات مت نکالیو۔ ایسا نہ ہو محمودہ کے کان پڑ جائے اور بہو سے جا لگائے۔"

ماما: "صاحب زادی تو ابھی کھڑی ہوئی سن رہی تھیں۔ مگر ابھی اُن کو اِن باتوں کی سمجھ نہیں۔"

محمد کامل کی ماں: "ڈولی لے آؤ۔ میں بہن تک جاؤں تو سہی۔ پھر جیسی صلاح ٹھہرے گی دیکھا جائے گا۔"

محمد کامل کی ماں تو سوار ہو خانم کے بازار سدھاریں[3] اور محمودہ نے سب حال تمیزدار بہو کو جا سنایا۔

---

[1] ارادہ۔ [2] معاملہ، کام۔ [3] روانہ ہوئیں ۱۲

باب پندرہواں (۱۵)

خط۔ اصغری کی طرف سے ماما کی شرارتوں کے دفعیے کا آغاز

اصغری کو اور کچھ تو نہ سوجھی فوراً اپنے بڑے بھائی خیر اندیش خاں کو یہ خط لکھا۔

جناب برادر صاحب معظم[1] مکرم سلامت!

تسلیمات[2] کے بعد مطلب ضروری عرض کرتی ہوں کہ مدت سے میں نے اپنا حال آپ کو نہیں لکھا۔ اس واسطے کہ جو عریضہ جناب والد صاحب کی خدمت میں بھیجتی ہوں آپ کی نظر سے بھی گزرتا ہوگا۔ اب ایک خاص بات ایسی پیش آئی ہو کہ آپ ہی کی خدمت میں اس کا عرض کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب سے میں سسرال آئی کسی طرح کی تکلیف مجھ کو نہیں پہنچی۔ اور بڑی آپا کو جن باتوں کی شکایت رہا کرتی تھی، آپ[3] کی دعا سے وہ باتیں میرے ساتھ نہیں ہیں۔ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں خوش رہتی ہوں۔ لیکن ایک ماما عظمت کے ہاتھوں سو وہ ایذا ہے جو کسی بد مزاج ساس اور بد زبان سے بھی نہ ہوتی۔ یہ عورت اس گھر کی پرانی ماما ہے اور اندر باہر کا سب کام اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے گھر کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا۔ اب اتنا قرض ہو گیا ہے کہ اس کے ادا ہونے کا سامان نظر نہیں آتا۔ کسی طرح کا بند و بست گھر میں نہیں ہے۔ میں نے چند روز معمولی کاروبار خانہ داری میں دخل دیا تھا تو ہر چیز میں غبن، ہر بات میں فریب پایا گیا

---

[1] بھائی صاحب تعظیم و تکریم یعنی عزت کئے گئے [2] بہت سلام [3] یعنی یہ سب کچھ آپ کی دعا کی برکت ہے۔ ۱۲

میری روک ٹوک سے ماما میری دشمن ہوگئی اور اُس دن سے ہر روز تازہ فساد کھڑا
کئے رہتی ہے۔ اب تک ہر چند کوئی قباحت[1] کی بات پیدا نہیں ہوئی لیکن اس
ماما کا رہنا مجھ کو سخت ناگوار ہے، مگر اس کا نکلنا بھی بہت دشوار[2] ہے۔ تمام بازار کا
قرض اسی کی معرفت ہے موقوفی کا نام بھی سُن پائے تو قرض خواہوں کو جا بھڑکائے[3]
پھر قرض کا نہ حساب ہے نہ کتاب۔ زبانی تکوں[4] پر سب لینا دینا ہو رہا ہے۔ میں چاہتی
ہوں کہ سب لوگوں کا حساب کتاب ہو کر لکھا پڑھی ہو جائے اور بقدر مناسب ہر
ایک کی قسط مقرر کر دی جائے اور قرض لینے کا دستور آیندہ کے واسطے موقوف
ہو۔ ماما نکال دی جائے۔ یقین ہے کہ جناب والد صاحب کے ساتھ آپ بھی رمضان
میں تشریف لائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر لاہور ہو کر آئیے اور اباجان[5]
کو جس طرح بن پڑے کم سے کم دو ہفتے کے واسطے اپنے ساتھ لوا لائیے۔ آپ سب
لوگوں کے سامنے یہ سب معاملہ بخوبی طے ہو جائے گا۔ میں اس خط کو سخت تشویش[6]
کی حالت میں لکھ رہی ہوں۔ کوئی مہاجن آمادہ نالش ہے۔ ماما نے صلاح دی ہے
کہ میرے کپڑے گرو رکھے جائیں۔ اماں جان[7] روپے کے بندوبست کے واسطے
اسی وقت خالہ جان[8] کے پاس گئی ہیں۔ فقط

ادھر تو اصغری نے بھائی کو خط لکھا اور اُدھر اپنی خالہ سے کہلا بھیجا کہ میں
اکیلی ہوں۔ بوا تماشا خانم کو دو دن کے واسطے بھیج دیجیے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ
آپ کے یہاں مہمان آئی ہوئی ہیں۔ غرض شاموں[9] شام بی تماشا خانم آ پہنچیں

---

[1] خرابی [2] مشکل [3] جا کر اُبھار دے [4] ڈھکوسلوں۔ اصل میں تُکّا کہتے ہیں سرکنڈے کے تیر کو جو
لڑکے واہی تباہی اِدھر اُدھر چلاتے پڑے پھرتے ہیں [5] اصغری کے سسرے مولوی محمد فاضل مراد ہیں
یہ دلی کا دستور ہے کہ سسرال والوں کے ساتھ اصلی ناطے لگا کر جان کا لفظ آخر میں بڑھا دیا کرتے ہیں
[6] پریشانی [7] اصغری کی ساس [8] اصغری کی خلیا ساس [9] یعنی شام ہوتے ہوتے ۱۰۰

ڈولی سے اترتے ہی پکاری۔ "اللہ بی اصغری! ایسا بھی کوئی بے مروت نہ ہو۔ میں نے خالو ابا کا خط تم سے منگوا بھیجا تھا تم نے نہ دیا۔"

اصغری نے کہا۔ "ادئی۔ کون مانگنے آیا؟"

تماشا خانم بولی "دیکھو۔ یہی ماما عظمت موجود ہیں۔ کیوں بی اس جمعے کو تم ہمارے گھر گئی تھیں۔ میں نے تم سے کہدیا تھا یا نہیں؟"

عظمت بولی۔ "ہاں بی انہوں نے تو کہا تھا۔ مجھ کم بخت سنتری بہتری[1] کو بات یاد نہیں رہتی۔ یہاں آتے آتے گھر کے دھندے میں بھول گئی۔"

اصغری نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں تم کو تو لوٹنا اور فساد ڈلوانا یاد رہتا ہے۔"

اور تماشا خانم سے کہا "خط موجود ہے۔ اور ایک اور نئی کتاب بھی آئی ہے۔ بڑی مزے کی باتیں اس میں ہیں۔ وہ بھی تم لیتی جانا۔"

اصغری نے ماما کا سب حال ذرا ذرا تماشا خانم سے کہا۔ تماشا خانم مزاج کی تھیں بڑی تیز۔ اسی وقت جوتی لے کر اٹھیں اور ماما کو مارنے چلیں۔ اصغری نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا۔ "خدا کے لئے آپا ایسا غضب[2] مت کرنا۔ ابھی جلدی مت کرو۔ سب بات بگڑ جائے گی۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "تم یوں ہی پس و پیش لگا کر اپنا وقر[3] کھوتی ہو۔ بوا اگر میں تمہاری جگہ ہوتی۔ خدا کی قسم مردار کو مارے جوتیوں کے ایسا سیدھا بناتی کہ عمر بھر یاد رکھتی۔"

اصغری نے کہا۔ "دیکھو ان شاء اللہ اس نمک حرام پر مفت کی مار پڑے گی۔

---

[1] اصل میں ستر بہتر کی عمر ہوئی لیکن محاورے میں مسلوب الحواس جس کو بات یاد نہ رہے اور ستر بہتر برس کی عمر میں لوگ ایسے ہی بدحواس ہو بھی جایا کرتے ہیں۔ [2] غضب کے اصل معنی غصہ ہیں لیکن محاورے میں خرابی کی جگہ بولا جاتا ہے۔ [3] ادب ۱۲۔

کوئی دن کی دیر ہے۔"

اس کے بعد تماشا خانم نے پوچھا "تمہاری ساس اپنی بہن کے یہاں کس غرض سے گئی ہیں۔"

اصغری نے کہا "وہ بے چاری بھی اسی نامراد ماما کے ہاتھوں سے دربدر ماری ماری پھرتی ہیں۔ کوئی مہاجن ہے، اُس کا کچھ دینا ہے۔ ماما نے آج آ کر کہا تھا کہ وہ نالش کرنے والا ہے۔ اُسی کے روپے کی فکر میں گئی ہیں۔"

تماشا خانم نے پوچھا "کون سا مہاجن نالش کرنے والا ہے۔"

اصغری نے کہا "نام تو میں جانتی نہیں۔"

تماشا خانم نے ماما سے پوچھا "عظمت۔ کون سا مہاجن ہے؟"

عظمت "بیوی۔ ہزاری مل۔"

تماشا خانم "وہی ہزاری مل نا جس کی دکان جوہری بازار میں ہے؟"

عظمت "ہاں بیوی ہاں۔ وہی ہزاری مل۔"

یہ سن کر تماشا خانم نے اصغری سے کہا "اُس سے تو ہماری سسرال میں بھی لین دین ہے۔ بھلا کیا موئے کی طاقت ہے جو نالش کرے گا۔ میں یہاں سے جا کر تمہارے بھائی جان[1] سے کہوں گی۔ دیکھو تو کیسا ٹھیک بناتے ہیں۔"

دو دن تماشا خانم اصغری کے پاس رہیں۔ تیسرے دن رخصت ہوئیں اور چلتے چلتے کہہ گئیں کہ "بوا اصغری تم کو میرے سر کی قسم جب تمہارے سسرے آئیں اور یہ سب معاملہ مقدمہ پیش ہو مجھ کو ضرور بلوانا۔ اور عظمت کو تو بس میرے حوالے کر دینا۔"

---

[1] تماشا خانم نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا۔ ۱۲

وہاں محمد کامل کی ماں کو اُن کی بہن نے چھیڑ لیا کہ "اے ہے آپا کبھی کبھار تو تم آئی ہو۔ بھلا ایک ہفتہ تو رہو"۔ لیکن آدمی ہر روز یہاں تمیزدار بہو کی خبر کو آتا تھا۔

باب (۱۶) سولھواں

ماما کی چوتھی شرارت

ماما عظمت نے بیٹھے بٹھائے ایک بدذاتی اور کی۔ اُن دنوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی۔ شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوئی۔ ہر محلے اور ہر کوچے میں اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنے اپنے کوچے اور گلیاں صاف کریں۔ دروازوں پر سفیدی کرالیں۔ بدروئیں صاف رکھیں۔ اگر کسی جگہ کوڑا پڑا ملے گا تو جرمانہ کیا جائے گا۔ اسی مضمون کا ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر بھی لگایا گیا۔ ماما عظمت رات کو جا کر محلے کے پھاٹک سے وہ اشتہار اکھاڑ لائی اور چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر اندھیرے منہ خانم کے بازار میں محمد کامل کی ماں سے خبر کرنے دوڑی گئی۔ ابھی مکان کے کواڑ بھی نہیں کھلے تھے کہ اُس نے جا آواز دی۔ محمد کامل کی ماں نے آواز پہچانی اور کہا کہ "ارے دوڑو کواڑ کھولو۔ عظمت ایسے ناوقت کیوں بھاگی آئی ہے۔"

عظمت سامنے آئی تو پوچھا "ماما خیریت ہے؟"

عظمت بولی "بیوی مکان پر اشتہار اشتہار کیا ہوتا ہو ڈلے ہے مجھ رنڈیا کو

لہ رانڈ۔ بیوہ۔ حقارت کے طور پر رنڈیا کہا ۱۲۔

تو سید عا نام بھی نہیں آتا) لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہزاری مل نے نالش کردی۔"

محمد کامل کی ماں نے اپنی بہن سے کہا۔ "تو لوا۔ میں تو جاتی ہوں۔ جاؤں ہزاری مل کو بلوا کر سمجھاؤں گی۔ خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے۔"

بہن بولی۔ "آپا۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ مجھ سے روپے کا بندوبست نہ ہو سکا لیکن میرے گلے کا توڑا موجود ہے۔ اس کو لیتی جاؤ گروی رکھنے سے کام نکلے تو خیر ورنہ بیچ ڈالنا۔

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "خیر میں توڑا لیے تو جاتی ہوں۔ مگر اس کا روپیہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک توڑے سے کیا ہوگا۔"

بہن بولی۔ "آخر انھوں[1] نے بھی تو کہا ہو کہ میں کسی دوسرے مہاجن سے قرض لا دوں گا۔ تم بسم اللہ کرکے سوار ہو۔ وہ آتے ہیں تو میں ان کو بھی پیچھے سے بھیجتی ہوں۔"

غرض محمد کامل کی ماں مکان پر پہنچی۔ دروازے پر اُتری تو اشتہار لگا دیکھا افسوس کی حالت میں چپ آکر بیٹھ گئیں۔ ساس کی آمد سُن کر اصغری کوٹھے پر سے اتری سلام کیا۔ ساس کو مغموم دیکھ کر پوچھا "آج اماں جان آپ کا چہرہ بہت اُداس ہے۔"

ساس "مہاجن نے نالش کردی ہے۔ روپے کی صورت کہیں سے نہیں بن پڑتی۔ امیر بیگم نے بھی جواب دے دیا اور مکان پر اشتہار لگ چکا دیکھئے کیا ہوتا ہے۔"

اصغری "آپ ہرگز اس کا فکر نہ کیجئے۔ اگر ہزاری مل نے نالش کردی ہے تو کچھ ہرج نہیں۔ تماشا خانم کی سسرال میں اس کا لین دین ہے۔ تماشا خانم نے مجھ سے پکا وعدہ کیا ہے کہ میں ہزاری مل کو سمجھا دوں گی اور اگر نہیں مانے گا تو اُس کے روپے کی کچھ سبیل ہو جائے گی۔ آپ اتنا سوچ کیوں کرتی ہیں؟ ہزاری مل

---

[1] اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتی ہے ہندوستان میں عورتیں شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں۔ ۱۲

ساس نے کہا: "میرے گھر تو سال در سال شب برات میں بیس روپے اُٹھتے ہیں۔ پوچھو یہی عظمت خرچ کرنے والی موجود ہے۔"

اصغری نے کہا: "خرچ کرنے کا کیا عجیب ہے۔ لیکن ایک ضرورت کے واسطے اور ایک بے ضرورت۔ سو شب برات میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے واسطے اتنا روپیہ درکار ہو۔"

ساس نے کہا: "بوا۔ پیر، پیغمبر، بڑے بزرگوں کی فاتحہ[1] مقدم[2] ہے۔ پھر لوگوں کے گھر بھیجنا بھجوانا ضرور ہے۔ لو کہنے کو ذرا سی بات ہے۔ پانچ روپے کی ایک رقم تو اصل خیر سے تمہارے میاں اور بی محمودہ کے انار پٹاخوں کی ہے۔ محمد کامل کا بیاہ ہو گیا تو کیا ہے، خدا رکھے اُس کے مزاج میں تو ابھی تک بچپن کی باتیں چلی جاتی ہیں۔ جب تک سو انار، بیس گڈی پٹاخے نہ لے چکے گا میری جان کھا جائے گا۔ اور محمودہ بھی رو رو کر اپنا بُرا حال کرے گی۔"

اصغری: "امّاں جان۔ مسلمانوں میں شب برات کی کچھ ایک رسم سی پڑ گئی ہے ورنہ دین میں تو اس کی کچھ اصل وصل ہی نہیں ہے۔ ہمارے ابا کو شب برات کی ایسی چڑ ہے کہ دوسروں کے یہاں کا آیا ہوا میٹھا نہ آپ کھائیں اور نہ ہم لوگوں کو کھانے دیں، اوّل تو ابا شہر میں جمعے ہی جمعے ہوتے ہیں۔ لیکن جس برس آپا کا بیاہ ہوا، ان کے شب برات یہیں ہوئی تھی۔ اماں بہتیرا لڑیں جھگڑیں مگر ابا نے کہا میں تو یہ بدعت اپنے گھر میں ہونے دینے کا نہیں۔ اور یوں خرچ کو کہو تو مجھ سے دس کی جگہ بیس لو

---

[1] سورۃ الحمد کا نام ہے اس کو کھانے وغیرہ پر پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہنچایا جاتا ہے [2] سب کاموں سے پہلے کرنے کا [3] حلوا۔ [4] لفظی معنی تو یہ ہیں کہ ہمیشہ ہوتے ہیں مگر مطلب ہے نہیں ہوتے۔ عورتیں بدشگونی کے ڈر سے الٹی بات بولتی ہیں [5] دین میں جو نئی بات لوگوں نے نکال کھڑی کی ہو۔ ۱۲

اورغریبوں کو دو۔ ہر شب برات کے نام سے تو میں ایک پھوٹی کوڑی دینے والا نہیں۔"

اصغری کی ساس:" تمہارے سسرے کا بھی یہی کہنا ہے۔ شب برات[1] کا حلوا عید کی سویاں۔ بیوی کا کونڈا[2] صحنک۔ منت[3]۔ عرس[4]۔ قبروں کی چادر[5] پنکھا[6] بسنت[6] پھول والوں[7] کی سیر۔ سلطان جی کی سترھویں[8]۔ سہرا[9]۔ کنگنا[10]۔ منڈھا[11]۔ نوبت۔ نقارہ ڈھولک۔ ساچق[12]۔ آرایش۔ مولوی تو سب ہی چیزوں کو منع کرتے ہیں۔ پر کم بخت دنیا بھی تو نہیں چھوڑی جاتی۔ اب کسی کے یہاں سے حصہ بخرہ آئے تو خواہی نہ خواہی لینا ہی پڑتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا جیسے ہمسائی کہا کرتی ہیں۔ لینا روا[14]، دینے کے نام اللہ توا۔ پھر گھر کے مردوں کے نام سے یوں تو کون دیتا ہے۔ برسویں دن تیوہار کے بہانے ان کی ارواح کو دو چپاتی کوڑی بھر میٹھے کا ثواب پہنچ جاتا ہے تو لے

---

[1] شب برات کو خواہی نہ خواہی حلوے پر اور عید کو سویوں پر فاتحہ دلواتے ہیں۔ مولویوں کا کہنا یہ ہو کہ مذہب میں کسی وقت، اور کھانے کی تخصیص نہیں۔ خدا کا دینا جب کبھی جو کچھ میسر آ جائے دے دیا [2] حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے نام کی نیاز مٹھائی یا کھانے کے کونڈوں پر دلائی جائے اس کو بیوی کا کونڈا یا صحنک کہتے ہیں۔ بیوی کی نیاز مرد نہیں کھانے پاتے۔ [3] مرے ہوئے بزرگوں سے التجا کرنا [4] مرے ہوئے بزرگو کی برسی چھ ماہی [5] بزرگوں کی قبروں پر چادریں اور پھولوں کے پنکھے چڑھائے جاتے ہیں [6] جن دنوں سرسو پھولتی ہے یعنی آتی گرمیوں بسنت کا میلہ ہوتا ہے اور بزرگوں کی قبروں پر بسنت کے پھول اور پنکھے چڑھائے جاتے ہیں [7] دلی سے گیارہ میل حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کا مزار ہو۔ برس کے برس برسات میں ان کے مزار پر ایک میلہ ہوتا ہو جس کو پھول والوں کی سیر کہتے ہیں [8] دلی سے تین میل حضرت سلطان نظام الدین رح کا مزار ہے۔ ان کا عرس سترھویں تاریخ کو پڑتا ہو اس سے سترھویں مشہور ہو [9] پھولوں کا سہرا جو دولہا کے سر پر باندھ کر منہ کے سامنے لٹکتا ہے [10] کلاوے کا کنگن جو دولھا کی کلائی پر باندھا جاتا ہو۔ [11] بیاہ کا شامیانہ [12] دولھا کی طرف سے بری یعنی دلہن کا جوڑا۔ نقل مہندی وغیرہ سامان بیاہ سے پہلے دلہن کے یہاں بھیجا جاتا ہے۔ [13] برات کے ساتھ جو بیٹیاں وغیرہ رہتی ہیں [14] جائز ۔۱۲

سے بھی کیا گئے گزرے ہوئے۔"

اصغری:"ایسا ہی شب برات کا کرنا ضرور ہے تو فاتحہ کے واسطے پانچ چھ سیر کا میٹھا بہت ہوگا۔ بھیجنا بھجوانا تو اِدھر سے آیا اُدھر گیا۔ اور محمودہ اب پٹاخوں کے واسطے ضد نہیں کریں گی۔ میں اُن کو سمجھا لوں گی۔ غرض شب برات تو میری طرف[1] آئی گئی ہوئی۔ اس کے واسطے آپ قرض کا فکر نہ کیجیے۔ کسی معمول میں بھی کمی ہو تو مجھ کو الاہنا دیجیے گا۔"

ساس سے تو یہ باتیں ہوئیں لیکن اصغری سوچ میں تھی کہ میاں کو انار پٹاخوں سے کس طرح باز رکھوں گی، آخر کار اس حکمت سے اصغری نے میاں کو سمجھایا کہ بات بھی کہہ گزری اور میاں کو ناگوار بھی نہ ہوا۔ محمد کامل کے سامنے چھیڑ کر محمودہ سے پوچھا:"کیوں بوا۔ تم نے شب برات کے واسطے کیا تیاری کی؟"

محمودہ بولی:"بھائی انار پٹاخے لائیں گے تو ہم کو بھی دیں گے۔"

ابھی محمد کامل کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اصغری نے کہا:"بھائی تو ایسی واہیات چیز تمہارے واسطے کیوں لانے لگے؟ محمودہ۔ انار پٹاخوں میں کیا مزہ ہوتا ہے؟"

محمودہ:"بھائی جان۔ جب انار پٹاخے چھوٹتے ہیں تو کیسی بہار ہوتی ہے؟"

اصغری:"محلے میں سینکڑوں انار چھوٹیں گے۔ کوٹھے پر سے تم بھی دیکھ لینا۔"

محمودہ:"واہ۔ اور ہم نہ چھوڑیں؟"

اصغری:"تم کو ڈر نہیں لگتا؟"

محمودہ:"کیا میں اپنے ہاتھ سے تھوڑے[2] ہی چھوڑتی ہوں۔"

اصغری:"پھر جس طرح تم نے اپنے انار چھوٹتے دیکھے ویسے ہی محلے کے۔

---

[1] یعنی آپ سے کچھ واسطہ نہیں میرے ذمے [2] نہیں چھوڑتی کی جگہ بولا جاتا ہے ۱۲۔

اور محمودہ سنو یہ بہت بُرا کھیل ہے۔ اس میں جل جانے کا خوف ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کے ہاتھ میں انار پھٹ گیا تھا۔ دونوں آنکھیں پھوٹ کر چوپٹ ہوگئیں۔ اس کو دیکھنا بھی ہو تو دور سے۔ اور محمودہ تم اماں جان کا حال دیکھتی ہو اُداس ہیں یا نہیں"۔

محمودہ "اُداس تو ہیں"۔

اصغری "کبھی تم نے یہ بھی غور کیا کہ کیوں اُداس ہیں"۔

محمودہ "یہ تو معلوم نہیں"۔

اصغری "واہ اسی پر تم کہتی ہو کہ میں اماں کو بہت چاہتی ہوں"۔

محمودہ "اچھی بھابی جان! اماں جان کیوں اداس ہیں؟"

اصغری "خرچ کی تنگی ہے۔ مہاجن قرض نہیں دیتا۔ اس سوچ میں ہیں کہ محمودہ اناروں کے واسطے ضد کرے گی تو کہاں سے منگا کر دوں گی"۔

محمودہ "تو ہم انار نہیں منگائیں گے"۔

اصغری "شاباش! شاباش! تم بہت ہی اچھی بیٹی ہو" اور محمودہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔

محمودہ "اگلے برس جب خدا کرے گا۔ اماں کا ہاتھ فراغت ہوگا۔ ابا خرچ بھیجیں گے تو اب کے بدلے کے انار پٹاخے بھی ہم تب ہی چھوڑیں گے۔ کیوں بھابی جان؟"

اصغری "چھوڑ تو لوگی مگر محمودہ انار پٹاخوں کا چھوڑنا گناہ کی بات ہے۔ اللہ میاں بڑے ناراض ہوتے ہیں"۔

محمودہ "لے ہے پھر یہ سب لوگ جو اتنی ساری آتش بازی چھوڑتے ہیں؟"

ؔ یعنی وہ شخص بالکل اندھا ہوگیا۔ ۱۲

اصغری "لوگوں کی بھلی چلائی۔ لوگ جھوٹ نہیں بولتے؟ چوری نہیں کرتے؟ پرایا حق نہیں مارتے؟"

محمودہ۔ پھر ہم کو اماں جان نے تو کبھی منع نہیں کیا؟"

اصغری "اس خیال سے کہ تمہارا جی کڑھے گا"

محمودہ "بھلا اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ کسی کے لگ نہ جائے؟"

اصغری "محمودہ۔ اللہ میاں کے یہاں چل کر رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ انار پٹاخے تو بڑے داموں کی چیز ہے اگر کوئی آدمی پانی بھی بے سبب لنڈھاتا ہے اس سے بھی اللہ میاں پوچھیں گے تو نے ہمارا پانی بے وجہ لنڈھایا کیوں۔ اسی طرح ہر وقت کا، روپے پیسے کا، کھانے کا کپڑے کا، تندرستی کا۔ غرض خدا نے جتنی نعمتیں اپنی مہربانی سے دی ہیں سب کا حساب دینا پڑے گا۔ اور جب تم بتاؤ گی۔ ہم نے اتنے پیسوں کے انار پٹاخے لئے۔ اللہ میاں کہیں گے تم نے یہی پیسے کسی غریب محتاج کو کیوں نہ دے۔ لوگ بھوکے مریں اور کوڑی کوڑی کو ترسیں اور تم میری دی ہوئی دولت کو یوں آگ لگاؤ۔ اُس وقت محمودہ تم کیا جواب دو گی؟ تم اللہ میاں سے ڈرتی نہیں؟"

محمودہ "اے ہے بھائی جان۔ اب کیا کروں؟"

اصغری "آگے کو توبہ کرو"

محمودہ "تو اللہ میاں میری خطا معاف کر دیں گے؟"

اصغری "بے شک معاف کر دیں گے۔ وہ تم کو اماں جان سے بہت زیادہ چاہتے ہیں"

محمودہ "اللہ میاں مجھے اتنا کیوں چاہتے ہیں؟"

اصغری "اس واسطے چاہتے ہیں کہ انھوں نے تم کو بنایا ہے، پیدا کیا ہے۔ تم اپنے پالے ہوئے بلی کے بچے کو کیسا چاہتی ہو"

محمودہ :۔ "تو کیسے توبہ کروں؟"

اصغری :۔ "دل سے پکا ارادہ کرلو کہ پھر ایسا نہیں کروگی۔"

محمودہ :۔ "میں انار پٹاخے منگوانے کی بھی نہیں اور کوئی مفت بھی دے گا تو نہیں لوں گی۔"

اصغری نے پھر محمودہ کو پیار کیا۔ محمد کامل چپ بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سنتا رہا۔ چونکہ معقول بات تھی اس کے دل نے قبول کرلی۔ اور اسی وقت نیچے اتر کر ماں کے پاس گیا اور کہا "اماں میں نے سنا ہے تم شب برات کی سوچ میں بیٹھی ہو۔ تو بی میرا فکر مت کرو۔ مجھ کو انار پٹاخے درکار نہیں۔ اور محمودہ بھی کہتی ہے کہ میں نہیں منگاؤں گی اور ہم دونوں نے توبہ بھی کرلی ہے۔"

غرض خرچ کی ایک رقم تو یوں کم ہوئی۔ فاتحہ کے واسطے دو روپیہ میں خاصہ بیٹھا بن گیا۔ بھیجنے کے واسطے اصغری نے خود اہتمام کیا جب باہر سے حصہ آیا گھر میں نہ بکھرنے دیا۔ دے کر آدمی باہر نکلا اور اُس نے کہا فلانی جگہ پہنچا۔ جس جس کو دینا تھا سب کو نام بنام پہنچ گیا اور دو روپے میں اچھی خاصی شب برات ہوگئی۔ عظمت یہ بندوبست دیکھ کر جل ہی تو گئی۔ اس واسطے کہ اس کی بڑی رقم ماری گئی۔ جتنا باہر سے آتا وہ سب لیتی اور جو گھر سے جاتا آدھا اس میں سے نکالتی اور شب برات کا حلوا جو خشک کر رکھتی تھی مہینوں پنجیری[1] کی طرح پھانکتی۔

---

[1] گیہوں کا دردرا بھنا ہوا آٹا کھانڈ ملا ہوا۔ ۱۲

باب اٹھارواں (۱۸)

اصغری کے باپ اور سسرے کا آنا لوگوں کا حساب کتاب ہونا اور آخر کار ماما عظمت کا رسوا ہو کر نکالا جانا

شب برات کے بعد اصغری کے باپ کی آمد شروع ہوئی اور نو دس دن بات کی بات میں گزر گئے۔ رمضان سے چار دن پہلے دور اندیش خاں صاحب دہلی میں داخل ہوئے۔ اصغری نے پہلے سے اپنے باپ کی آمد سن رکھی تھی۔ اور ساس اور میاں سے ٹھیر گیا تھا کہ جس دن تحصیلدار صاحب آئیں گے اسی دن میں اُن سے ملنے جاؤں گی۔ جب اصغری کو باپ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی فوراً ڈولی منگا جا پہنچیں، باپ نے گلے سے لگا لیا اور آب دیدہ[1] ہوئے۔ دیر تک حال پوچھتے بتاتے رہے اور اصغری سے کہا آپ کے حکم کے مطابق خیر اندیش خاں لاہور گئے ہیں اور ان شاء اللہ کل یا پرسوں سمدھی صاحب کو لے کر داخل ہوں گے۔ ان کا ایک خط بھی مجھ کو راہ میں ملا تھا۔ سمدھی صاحب کو رخصت مل گئی ہے۔ غرض اُس رات بھر اور اگلے دن بھر اصغری ماں کے یہاں رہی اور شام کے قریب باپ سے کہا۔ کہ "اگر اجازت دیجیے تو آج میں چلی جاؤں۔"

باپ نے کہا "ابھی ایک ہفتہ تو رہو۔ ہم سمدھن کو کہلا بھیجیں گے۔"

اصغری نے کہا "جیسا آپ ارشاد فرمائیں تعمیل کروں۔ لیکن ابا جان کے آنے سے پہلے گھر میں میرا موجود رہنا مصلحت[2] معلوم ہوتا ہے۔"

باپ نے سوچ کر کہا "ہاں بات تو ٹھیک ہے۔"

---

[1] آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ [2] مناسب ۱۲

غرض اصغری باپ سے رخصت ہو۔ مغرب سے پہلے گھر آموجود ہوئی۔ اگلے دن کھانے کے وقت مولوی محمد فاضل صاحب محمد کامل کے باپ بھی آپہنچے۔ یہ مولوی صاحب لاہور کے ایک رئیس کی سرکار میں مختار تھے۔ پچاس روپے مہینہ تنخواہ مقرر تھی اور مکان اور سواری رئیس کے ذمے۔ خیر اندیش خاں اصغری کی تحریر کے موافق لاہور گیا۔ اور اصغری کا خط مولوی محمد فاضل صاحب کو دکھایا۔ مولوی صاحب بہو کا خط دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ اور یوں شاید رخصت نہ بھی لیتے، اب بہو کے دیکھنے کے اشتیاق میں رئیس سے بہت کہہ سُن کر ایک مہینہ کی رخصت لے کر خیر اندیش خاں کے ساتھ ہو لیے۔ چوں کہ اصغری بیاہ کے بعد سُسرے کے سامنے نہیں ہوئی تھی۔ سُسرے کو آتے دیکھ کوٹھے پر جا بیٹھی، محمد کامل کی ماں حیرت میں تھی کہ یہ[1] کیوں کر آگئے۔ غرض کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں۔ مولوی صاحب نے بیوی سے کہا "سنو صاحب! مجھ کو تو تمہاری چھوٹی بہو نے کھینچ بُلایا ہے" اور سب حال خط کا اور خیر اندیش خاں کے جانے کا بی بی سے بیان کیا۔ اور کہا کہ "بہو کو بلاؤ"

ساس کوٹھے پر گئیں اور کہا "بیٹی۔ چلو شرم کی کیا بات ہے تم تو ان کی گود وں میں کھیلی ہو"

ساس کے کہنے سے اصغری اُٹھ کر ساتھ ہولی اور سسرے کو جُھک کر سلام کیا۔ اور ادب سے علیحدہ بیٹھ گئی۔ مولوی صاحب نے کہا "سُنو بھائی۔ ہم تو صرف تمہارے بلائے ہوئے آئے ہیں۔ تمہارا خط دیکھ کر ہمارا جی بہت خوش ہوا۔ خدا تمہاری عمر اور نیک بختی میں برکت دے۔ اور حقیقت میں ہمارے گھر کے اچھے نصیب ہیں جو تم ہمارے گھر میں آئیں۔ اور اب مجھ کو یقین ہوا۔ کہ اس گھر کے کچھ دن

[1] یعنی مولوی صاحب ۱۲

پھرے اور اِن شاء اللہ تمہاری مرضی اور تمہاری رائے کے موافق سب انتظام کیا جائے گا۔

غرض دو چار دن تو مولوی صاحب ملنے ملانے میں رہے۔ پھر اول کے دو چار روز روزے کے سبب گھر کے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ایک دن بہو کو بلا کر پاس بٹھایا۔ اور ماما عظمت سے کہا: ماما ہمارے رہتے سب حساب کتاب کر لو جس جس کا لینا دینا ہے سب لکھا دو تاکہ جس کو جتنا منا سب ہو دیا جائے۔ اور جو باقی رہ جائے اس کی قسط بندی کر دی جائے۔"

ماما نے کہا: ایک کا حساب ہو تو زبانی بھی یاد رکھا جائے۔ بنیا، بزاز، قصائی کنجڑا، حلوائی، سب ہی کا دینا ہے۔ اور ہزاری مل کا بڑا بھاری حساب الگ ہے جس کو جتنا دینا ہو مجھ کو دیجیے۔ لے جا کر آپ کے نام جمع کرا دوں۔"

مولوی صاحب تو سیدھے سادے آدمی تھے دینے کو آمادہ ہو گئے۔ اصغری نے کہا: یوں علی الحساب[^1] دینے سے کیا فائدہ۔ پہلے ہر ایک کا قرضہ معلوم ہو۔ تب اس کو سوچ سمجھ کر دینا چاہیے۔"

ماما: کھانے سے فراغت پاؤں تو جا کر ہر ایک سے پوچھ آؤں گی۔"

اصغری: پوچھ آنے سے کیا ہو گا؟ جس کا لینا ہو یہاں آ کر حساب کر جائے۔"

ماما: بیوی آپ نے تو ایک بات کہہ دی۔ اب میں کہاں کہاں بلاتی پھروں؟ اور وہ لوگ اپنے کام دھندے سے کب چھٹی پاتے ہیں جو میرے ساتھ چلے آئیں گے؟"

اصغری: ماما کوئی روز روز کا بلانا نہیں ہے۔ ایک دن کی بات ہے جا کر بُلا لاؤ۔ شام کے کھانے کا کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ تم آج یہی کام کرو۔ اور بنیے والے تو دینے کا نام سُن کر دوڑیں گے۔ ہزاری مل نالش کرنے دو کوس پہ کچہری

---

[^1]: علی الحساب کے یہ معنی ہیں کہ یوں ہی بے حساب کچھ دے دیا۔ اس خیال سے کہ جب حساب ہو گا تو جس قدر دیا ہے مجرا ہو جائے گا۔ ۱۲۔

تو گیا، یہاں آتے کیا اُس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے؟ اور دور کون ہے۔ کنجڑا قصائی، بنیا، حلوائی، سب اسی گلی میں ہیں۔ صرف بزاز اور ہزاری مل دور ہیں اُن کو کل پر رکھو۔ یہ بکھیڑا کل حساب آج طے ہو جائے۔"

ماما عظمت کی کسی طرح مرضی نہ تھی کہ حساب ہو۔ لیکن اصغری نے باتوں میں ایسا دبایا کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ سب سے پہلے حلوائی آیا۔ پوچھا گیا: "لالہ تمہارا کیا پانا ہے؟"

حلوائی: "تیس روپے۔"

پوچھا گیا: "کیا کیا چیز تمہارے یہاں سے آئی؟ تیس روپے تو بہت زیادہ بتاتے ہو۔"

حلوائی: "صاحب تیس روپے بھی کچھ بہت ہوتے ہیں۔ ایک رقم۔ دس سیر شکر تو اسی شب برات میں آئی۔"

محمد کامل کی ماں: "ارے کیسی شکر؟ اب کے مرتبہ تو ہمارے گھر جو کچھ پکا پکایا بازار سے نقد آیا۔"

یہ سن کر ماما عظمت کا رنگ فق ہو گیا۔ اور حلوائی سے بولی کہ وہ دس سیر شکر تو نے ان کے حساب میں کیوں لکھ لی؟ وہ تو میں دوسرے گھر کے واسطے لے گئی تھی۔ اور تجھ کو جتا بھی دیا تھا۔"

حلوائی: "مجھ سے تو تم نے کسی گھر کا نام نہیں لیا۔ اسی سرکار کے نام سے لائی ہو۔ ورنہ مجھے کیا فائدہ تھا کہ دوسرے کی چیز ان کے نام لکھتا اور مجھ سے تو اور کسی سرکار سے آچاہت بھی نہیں۔"

ؔ یعنی چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ۱۲

غرض ماما کھسیانی کھسیانی باتیں کرنے لگی۔ مولوی صاحب نے کہا "بھلا شکر کی رقم تو رہنے دو۔ اور چیزیں بتاؤ۔"

غرض اسی طرح بہت سی چیزیں اُس نے بتائیں جو عمر بھر گھر میں نہیں آئی تھیں۔ چار سیر بالُوشاہی مولود[1] شریف کے واسطے۔ اور مزہ یہ کہ یہاں کبھی کسی نے مولود کی مجلس نہیں کی۔ صرف چھ سات روپے تو سچ نکلے باقی سب جھوٹ۔ مولوی صاحب کا جی جل گیا اور بے طرح ان کو غصہ آیا اور پوچھا۔ کیوں ری نمک حرام عظمت! ایسا ہی دنیا بھر کا قرض تو نے اس گھر پر کر رکھا ہے۔ اور یوں تو نے گھر کو خاک میں ملایا ہے؟"

حلوائی ہو چکا تو کنجڑا آیا۔ اُس نے کہا۔ میاں میرا تو معمولی حساب ہے دو آنے روز کی ترکاری۔"

محمد کامل کی ماں "ارے سیر بھر ترکاری میرے گھر میں آتی ہے، دو آنہ روز کی ہوئی؟"

کنجڑا "حضرت میری دکان سے ماما تین سیر لاتی ہے۔"

ماما "ہاں تین سیر لاتی ہوں۔ سیر بھر تمہارے نام سے۔ سیر بھر اپنی بیٹی کے واسطے۔ اور سیر بھر دوسرے گھر کے واسطے۔ میں کیا مکرتی ہوں؟ یہ موا سب تمہارے نام بتاتا ہے۔"

کنجڑا "اری بڑھیا بے ایمان! ہمیشہ سے تو اسی گھر کے حساب میں تین سیر لاتی رہی اور جب روپیہ ملا اسی گھر سے ملا۔"

قصائی اور بنئے کا حساب ہوا تو اُس میں بھی ہزاروں فریب نکلے اور ثابت ہوا کہ ماما اسی گھر کے سودے میں اپنی بیٹی خیراتن اور اپنی دو تین ہمسائیوں

[1] ان کو خرمے بھی کہتے ہیں [2] پیغمبر صاحبؐ کے پیدا ہونے کی مجلس ۱۲

کے گھر پورے کرتی تھی۔ اسی گھر کے نام سے سودا لاتی اور دوسری جگہ بیچ ڈالتی۔ غرض شام تک بمشکل[1] حساب ہوا۔ اور اب بزاز اور ہزاری مل باقی رہے۔ مولوی صاحب نے کہا: "اب ناوقت ہوگیا ہے۔ آج ملتوی کرو کل دیکھا جائے گا۔" لیکن مولوی صاحب نے آہستہ سے یہ بھی کہا کہ "ایسا نہ ہو عظمت بھاگ جائے۔"

اصغری: "گھر بار لڑکے بچے مکان چھوڑ کر کہاں بھاگ جائے گی۔ ہاں شاید غیرت مند ہو تو کچھ کھا پی لے۔ مگر ایسی غیرت مند ہوتی تو ایسا کام کیوں کرتی۔ تاہم حفاظت ضرور ہے۔ لیکن فقط اسی قدر کہ باہر آتی جاتی کو کوئی دیکھتا رہے۔"

مولوی صاحب کے خدمت گار جو ساتھ آئے تھے ایک کو چپکے سے کہہ دیا کہ ماما کو آتے جاتے دیکھتے رہو۔ جب کھانے سے فارغ ہوئی۔ ماما چپکے سے اٹھ باہر چلی۔ خدمت گار دبے پاؤں پیچھے پیچھے ساتھ ہوا۔ ماما پہلے تو اپنے گھر گئی اور وہاں سے کچھ بغل میں مار[2] تیر کی طرح سیدھی بزاز کے مکان پر جا کر اُس کو آواز دی۔ بزاز گھبرا کر باہر نکلا۔ کہ "بڑی بی تم اس وقت کہاں؟"

عظمت: "مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ جس جس کا دینا ہے سب کا حساب ہوتا ہے۔ کل تم بھی بُلائے جاؤ گے۔ تو ایسی بات مت کرنا جس میں میری فضیحت ہو۔"

بزاز: "حساب میں تمہاری فضیحت کی کیا بات ہو؟"

ماما: "لالہ۔ تم تو جانتے ہو۔ یہ کم بخت لالچ بہت بُرا ہوتا ہے۔ سرکار کے حساب میں میں اپنے واسطے بھی تمہاری دکان سے کبھی کبھی لٹھا، نین سکھ، دریس[3] لے گئی ہوں۔"

بزاز: "کیا معلوم تم اپنے واسطے کیا لے گئی؟"

ماما: "مجھ کو اس وقت حساب کرنے کا تو ہوش نہیں۔ لیکن دو چار تھان دریس

---

[1] متفرق۔ [2] دبا۔ [3] ۱۲۰

اور لیٹے نہیں سکھ کے اور دس گز او داتنہ میرے حساب میں نکلے گا۔ تو میرے ہاتھ کی چار چوڑیاں سولہ روپے کی ہیں گھِس گھِسا کر ایک روپیہ کم ہو گیا ہو گا۔ پندرہ روپے میرے نام سے کم کر دینا اور دو چار روپے اور جو میرے نام نکلیں گے میں دینے کو موجود ہوں۔"

بزاز: "چوڑیاں تم دیتی ہو۔ خیر میں لئے تو لیتا ہوں۔ لیکن رات کا وقت ہے کھاتہ دکان پر ہے۔ بے دیکھے کیا معلوم ہو۔ کیا گیا ہے، اور کیا پانا ہے۔"

عظمت: "اس وقت میری عزت تمہارے ہاتھ ہے جس طرح ہو سکے بچاؤ۔"

بزاز سے رخصت ہو سیدھی ہزاری مل کے گھر پہنچی۔ وہ بھی حیران ہوا اور بولا کہ اس وقت تم کہاں؟ اس کے پاؤں پڑ رو کر کہنے لگی کہ "مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے۔"

ہزاری مل: "وہ کیا؟"

عظمت: "تم وعدہ کرو کہ معاف کر دو گے تو میں کہوں۔"

ہزاری مل: "بات تو کہو۔"

عظمت: "چار مہینے ہوئے لاہور سے خرچ آیا تھا اور مولوی صاحب نے سو روپے تم کو بھیجے تھے۔ وہ میرے پاس خرچ ہو گئے اور سرکار میں ڈر کے مارے میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اب مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں تم کو حساب کے واسطے طلب کریں گے میں اس روپے کا ٹھکانا لگا دوں گی۔ تم اس رقم کو مت ظاہر کرنا۔"

ہزاری مل: "دو چار روپے کی بات ہوتی تو میں چھپا بھی لیتا۔ اکٹھے سو روپے تو میرے کیے چھپ نہیں سکتے۔"

ماما: "کیا سو روپے کا بھی میرا اعتبار نہیں۔"

ہزاری مل: "صاف بات تو یہ ہے کہ تمہارا ایک کوڑی کا بھی اعتبار نہیں جس گھر تم نے عمر بھر پرورش پائی اُن ہی کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا تو دوسرے

کے ساتھ کب چوکنے والی ہو۔"

عظمت: "ہاں لالہ جب بُرا وقت سر پر آتا ہی تو لہ اپنے دشمن ہو جاتے ہیں۔ خیر اگر تم کو اعتبار نہیں تو لو یہ میری بیٹی کی پونہچیاں اور جوشن رکھ لو۔"

ہزاری مل: "ہاں یہ معاملے کی بات ہے۔ لیکن دن ہو تو مال پرکھا جائے۔ تب معلوم ہو کتنے کا ہے۔ لیکن اٹکل سے تو سب مال پچاس ساٹھ کا ہوگا۔"

ماما عظمت: "اے ہے لالہ! ایسا غضب، تو مت کرد۔ ابھی چار مہینے ہوئے نو عدد نئے بنوائے تھے۔ سوا سو کی لاگت کے ہیں۔"

ہزاری مل: "اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟ تمہاری چیز سو کی ہو یا دو سو کی۔ کوئی نکالے لیتا ہے؟ تلوانے سے جتنے بھرے معلوم ہو جائے گا۔"

یہ سب بندوبست کر کے ماما گھر واپس آئی اور مولوی صاحب کے خدمت گار نے پاؤں دبانے میں یہ سب حال مولوی صاحب سے بیان کیا اور محمد کامل کی ماں کے ذریعے سے اصغری کو بھی معلوم ہوا۔ صبح ہوئی تو بزاز اور ہزاری مل طلب ہوئے۔ حساب میں کچھ حجت ہونے لگی۔ ماما چڑھ چڑھ کر بولتی تھی۔ بزاز نے کہا۔ "تو بڑھیا ٹر ٹر کرتی ہے! اُٹھا اپنی چوڑیاں۔ تو تو پندرہ روپے کی بتاتی تھی۔ بازار میں نو روپے کی آنکتے ہیں۔" پھر ہزاری مل نے پونہچیاں اور جوشن سامنے رکھ دیئے اور عظمت سے کہا۔ "نہیں صاحب یہ مال ہمارے کام کا نہیں۔"

مولوی صاحب نے بزاز اور ہزاری مل دونوں سے پوچھا: "کیوں بھائی یہ چیزیں کیسی ہیں؟" تب دونوں نے رات کی حکایت بیان کی اور عظمت کے منہ پر گویا لاکھوں جوتیاں پڑ رہی تھیں۔ جب حساب طے ہو گیا اور مولوی صاحب

---

۱ یعنی اپنے عزیز قریب رشتہ دار ۲ بازو پر باندھنے کا ایک زیور ہوتا ہی ۳ وزن کرانے سے ۱۲

نے دینے کو روپیہ نکالا تو جتنا واجبی تھا آدھا آدھا سب کا دے دیا اور کہا کہ میں نے لاہور سے روپیہ منگایا ہے۔ دس پانچ دن میں آتا ہے تو باقی بھی دیا جائے گا۔ سب لوگوں نے پوچھا اور ماما کی طرف جو ہمارا نکلا وہ ہم کس سے لیں؟ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مسلم مکتب سے جاتے ہوئے ادھر آ نکلا اور یہ باتیں سنتا گیا وہاں جا کر تماشا خانم سے کہا کہ آج تو آپا اصغری کے دروازے پر بڑی بھیڑ جمع ہے، ان کے سسرے حساب کر رہے ہیں۔" تماشا خانم سننے کے ساتھ ڈولی میں چڑھ آ پہنچی۔ اتری تو اصغری سے گلہ کیا، کیوں جی تم نے مجھ کو خبر نہ کی تو کیا ہوا؟"

اصغری: "ابھی تو حساب در پیش ہے۔ یہ بکھیڑا ہو چکتا تو میں تم کو خبر کرتی۔" غرض مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ جو ماما سے لینا ہے وہ ماما سے لو اور عظمت کی طرف متوجہ ہو کر بولے "حضرت ان کا روپیہ ادا کرو۔"

عظمت نے نیچی آنکھیں کر کے کہا "میرے پاس بیٹی کا زیور ہے اس میں یہ لوگ اپنا اپنا سمجھ بوجھ لیں۔" بیٹی کا تمام زیور تو کنجڑے، قصائی، بنئے، بزاز کے حساب میں آدھے داموں پر لگ گیا۔ ہزاری مل کے سو روپے کے واسطے رہنے کا ٹھیکرا گروی رکھنا پڑا۔ لکھا پڑھی پکے کاغذ[1] پر ہو کر چار بھلے مانسوں کی گواہی ہو گئی۔ مولوی صاحب نے عظمت سے کہا: "بس اب آپ خیر سے سدھاریئے تم ایسے نمک حرام، دغاباز، بے ایمان آدمی کا ہمارے گھر میں کچھ کام نہیں۔"

اصغری: "ان میں نمک حرامی کے علاوہ ایک صفت اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ گھر میں فساد ڈلوانے کی فکر میں تھیں۔ کیوں عظمت وہ کڑھائی کی بات یاد ہے جو محمودہ کے بھائی نے فرمائش کی تھی۔ اور تو نے میری طرف سے جھوٹ جا کر

---

[1] یعنی جھونپڑا۔ [2] اسٹامپ جس کو لوگ اسٹام بولتے ہیں ۱۲۔

کہہ دیا تھا کہ بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے؟ بول تو سہی کب تونے مجھ سے کہا تھا اور کب میں نے درد سر کا عذر کیا تھا"

عظمت:۔ "بیوی تم کوٹھے پر قرآن پڑھ رہی تھیں۔ میں کہنے گئی۔ تم کو پڑھتے دیکھ کر اُلٹی پھر آئی"

اصغری:۔ "اور درد سر کی بات دل سے بنائی"

عظمت:۔ "میں نے سوچا کہ صبح سے اب تک تو تم پڑھ رہی ہو اب کہاں چولھے میں سر کھپاؤ گی"

اصغری:۔ "بھلا پہاڑ جلنے کی بات تونے کس غرض سے کہی تھی؟ میں نے تجھ سے صلاح کی تھی یا تونے مجھ کو کہتے سُنا تھا؟"

اس کا کچھ جواب عظمت کو نہ آیا۔ پھر اصغری نے اشتہار نکال کر مولوی صاحب کے سامنے ڈال دیا اور کہا "دیکھئے یہ بیوی عظمت ان گُنوں کی ہیں۔ خود تو محلے کے پھاٹک سے اشتہار اکھاڑ کر لائی اور مکان پر لگایا اور خود اماں جان سے کہنے کو دوڑی گئی"

اصغری یہ باتیں کہہ رہی تھی اور مولوی صاحب کا چہرہ سرخ ہو ہو جاتا تھا۔ اِدھر تماشا خانم دانت پیس رہی تھی، مولوی صاحب نے کہا "تجھ کو نکال دینا کافی نہیں۔ تو بڑی بد ذات عورت ہے" یہ کہہ کر اپنے خدمت گار کو آواز دی اور کہا کہ "بہادر اس ناپاک کو کوتوالی میں لے جا۔ رقعے میں اس کا سب حال ہم لکھے دیتے ہیں"

اصغری نے مولوی صاحب سے کہا کہ "بس اب یہ اپنی سزا کو پہنچ گئی۔ کوتوالی سے اس کو معاف رکھئے۔ اور ماما کو اشارہ کیا کہ "چل دے" بلکہ دروازے تک ماما کے ساتھ گئی"

غرض ماما عظمت لینے کو تیوں کے پیچھے یہاں سے نکالی گئی۔ گھر پہنچی، تو

ا۔ گُن کے معنی ہنر یہاں طنزاً استعمال کیا ۲۔ خدمتگار کا نام ہے ۳۔ بدکرداریوں کی وجہ سے۔۱۲

بیٹی بلا کی طرح لپٹی "میں نہ کہتی تھی اماں ایسی لوٹ تو نہ مچاؤ۔ سَو دن چور کے تو ایک دن ساہ[1] کا۔ ایسا نہ ہو کسی دن پکڑی جاؤ۔ تم کسی کی مانتی تھیں۔ خوب ہوا۔ جیسا کیا ویسا پایا۔ اب سسرال میں میرا نام تو بدنام مت کرو۔ جہاں تمہارا خدا لے جائے چلی جاؤ۔ میرے گھر میں تمہارا کام نہیں۔ زیور کو میں نے صبر کیا تقدیر میں ہوگا تو پھر بل رہے گا۔" اس طور پر خدا خدا کر کے اصغری نے اپنے دشمن کو نکال پایا۔ اور گھر کو عذاب سے نجات[2] دی۔"

باب اُنّیسواں (۱۹)

گھر میں دُوسری ماما رکھنے کی صلاح

جب عظمت کا فیصلہ ہوگیا تو اصغری نے باپ کے پاس جانے کی پھر اجازت چاہی اور راضی خوشی سے رخصت ہو ماں کے گھر آئی۔ ایک ہفتہ برابر یہاں رہی اور جس بات میں باپ سے صلاح لینی تھی اطمینان سے پوچھا گچھا۔ پوچھا "عظمت نکل گئی؟"

اصغری: "سب آپ کے طفیل سے بخیر انجام ہوا۔ نہ بڑے بھائی لاہور جاتے نہ ابا جان آتے، نہ یہ برسوں کا حساب طے ہوتا، نہ عظمت نکلتی۔"

خاں صاحب: "اب گھر کا انتظام کیوں کر ہوگا؟"

اصغری: "ماما کے نکلتے ہیں تو ادھر چلی آئی اب انتظام کیا مشکل ہے اسی

---

[1] یہ کہاوت ہے۔ ساہ سے مراد ساہوکار مہاجن۔ مطلب یہ ہے کہ سو دن چور کا ڈھب لگتا رہتا ہے تو ایک دن ساہ بھی قابو پا جاتا اور چور کو پکڑ لیتا ہے۔ [2] چھٹکارا یا مخلصی۔ ۱۲۰

عظمت کی خرابی تھی۔ اب انشاءاللہ میں سب دیکھ بھال لوں گی"۔

خان صاحب:- "اور کیا کیا باتیں تم نے گھر میں ایجاد کیں"؟

اصغری:- "ابھی میں نے کچھ دیکھا بھالا نہیں۔ شروع سے عظمت کا جھگڑا درپیش آگیا۔ اب البتہ ارادہ ہے کہ ہر ایک بات کو سوچوں اور انتظام کروں اور خدا نے چاہا آپ کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دیتی رہوں گی"۔

خان صاحب نے نکاح کے بعد سے اصغری کا دس روپے مہینہ مقرر کر دیا تھا اصغری سے پوچھا۔ "اگر تم کو خرچ کی تکلیف رہتی ہو تو میں کچھ روپے تم کو اور دیتا ہوں"۔

اصغری:- "وہی دس روپے میری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ بلکہ آج تک کا روپیہ سب میرے پاس جمع ہے۔ زیادہ لے کر کیا کروں گی۔ اور جب ضرورت ہوگی تو میں خود مانگ لونگی"۔

غرض باپ سے اصغری رخصت ہوئی۔ سسرال میں آکر دیکھا کہ ساس چولھا پھونک رہی ہیں۔ اصغری نے حیرت سے پوچھا کہ "ایں! اب تک کوئی ماما نہیں رکھی گئی؟"

ساس:- "آنے کو تو کئی عورتیں آئیں پر تنخواہ سن کر ہمت نہیں پڑتی کسی کو نوکر رکھئے۔ عظمت بری تھی مگر آٹھ آنے مہینے پر پچیس برس اُس نے نوکری کی۔ اب جو ماما آتی ہے دو روپے اور کھانے سے کم کا نام نہیں لیتی۔ میں تو تمہارے آنے پر رکھا تھا"۔

اصغری:- "ماما تو ایک میری نظر میں بھی ہے۔ لیکن تنخواہ وہ بھی زیادہ مانگتی ہے۔ کفایت النساء[1] کی چھوٹی بہن دیانت النساء، پکانا سینا سب جانتی ہے اور ایک دفعہ کفایت النساء نے کہا بھی تھا کہ کوئی اچھا ٹھکانا ہو تو دیانت النساء نوکری کرنے کو موجود ہے"۔

محمد کامل کی ماں:- "وہ کیا تنخواہ لے گی؟"

اصغری:- "وہ تو اپنے منہ سے تین روپے اور کھانا مانگتی ہے لیکن سمجھانے سے شاید دو روپے پر راضی ہو جائے"۔ محمد کامل کی ماں:- "دو روپے اور کھانا دینا ہو تو دروازے پر بھوندو بھٹیارے

---

[1] یعنی کھانا خود پکا رہی ہیں۔ [2] کفایت النساء اصغری کے میکے کی ماما کا نام۔ ۱۲

کی بی چنیا کی ماں نقلیں کرتی ہے۔"

اصغری: "چنیا کی ماں کو تو میں چار آنے پر بھی نہ رکھوں۔"

محمد کامل کی ماں: "اے کیوں؟"

اصغری: "پاس کا رہنے والا آدمی برا۔ آنکھ بچی اور جو چیز چاہی گھر میں جا رکھ آئی۔ اور جب گھر سے گھر ملا ہے تو ہر گھڑی چنیا کی ماں اپنے گھر جائے گی۔ اور شاید رات کو بھی اپنے گھر رہے۔"

محمد کامل کی ماں: "بخشو کی بیوی نے اپنی بیٹی زلفن کے واسطے مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہے۔ زلفن تو سید فیروز کے بنگلے رہتی ہے۔"

اصغری: "وہی زلفن نہ خوب بنی ٹھنی[1] رہتی ہے۔"

محمد کامل کی ماں: "بنی ٹھنی کیا رہتی ہے۔ نئی بیاہی ہوئی ہے۔ کپڑے لتے کا ذرا شوق ہے۔"

اصغری: "ایسا آدمی بھی نہیں رکھنا چاہیے۔"

محمد کامل کی ماں: "خود زلفن کی ماں۔ نوکری کرنے کو راضی ہے۔"

اصغری: "ان کے ساتھ ایک ڈم چھلا چھوٹی بیٹی کا لگا ہوا ہے۔ وہ ایک دم ماں کو نہیں چھوڑتی۔ بس نام تو ایک آدمی کا ہوگا اور کھائیں گے دو دو[2]۔"

محمد کامل کی ماں: "اور تو کوئی آدمی میرے خیال میں نہیں آتا۔"

اصغری: "دیکھو اُسی دیانت النساء کو بلاؤں گی۔"

محمد کامل کی ماں: "اور تنخواہ کا کیا ہوگا؟"

اصغری: "ایمان دار آدمی تو کم تنخواہ پر ملنا محال ہے۔ ان لوگوں کو دو کی

۱؎ بنی سنوری سے معلوم ہوا کہ باہر کی چلنے پھرنے والی عورت جو بناؤ سنگھار کرے اس کا شریفوں کے گھر میں رہنا اچھا نہیں۔ ۲؎ اصل میں دُم چھلا اس دھجی کو کہتے ہیں جو کنکوے میں باندھی جاتی ہے ۱۲۔

جگہ تین و یسے گوٹ ہیں۔ لیکن عظمت جیسی کو آٹھ آنے دے کر گھر لٹوانا منظور نہیں۔ وہ کہاوت سچ ہے۔ "گران بہ حکمت ارزاں بعلت"۔

اس وقت کا کھانا تو ساس بہوؤں نے مل کر پکا چکو لیا۔ کھانے کے بعد اصغری محمودہ کو ساتھ لے کوٹھے پر چلی گئی۔ جب تک مولوی صاحب رہے اصغری نے کوٹھے پر سے اترنا بہت کم کر دیا تھا۔ صرف صبح و شام نیچے اترتی تھی۔ بلکہ محمودہ کو بھی منع کر دیا تھا کہ ہر وقت نیچے مت جایا کرو۔ محمودہ تو لڑکی تھی اس نے پوچھا بھی۔ "اچھی بھابی جان کیوں؟ اصغری نے کہا "بڑوں کے سامنے ہر وقت نہیں چلتے پھرتے"۔

باب بیسواں (۲۰)

گھر کے خرچ کا تعیّن

کھانے کے بعد گھر کے حساب کتاب میں مولوی صاحب سے اور بی بی سے لڑائی ہونے لگی۔ بی بی کو شکایت تھی کہ تم خرچ بہت تھوڑا دیتے ہو۔ یہاں شادی بیاہ۔ برادری کا لینا دینا آنا جانا، نیز تیوہار سب مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ بیس روپے مہینہ تھوڑا نہیں ہے۔ تم کو انتظام کا سلیقہ نہیں، اسی سبب سے گھر میں بے برکتی رہتی ہے۔ اتنے میں مولوی صاحب نے محمودہ کو آواز دی محمودہ آئی تو کہا بھابی کو بلا کر لاؤ۔ اصغری نے طلب کی خبر سنی تو حیران ہوئی کہ اس وقت کیوں بلایا۔ محمودہ سے پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ محمودہ نے کہا لڑائی ہو رہی ہے، اصغری گئی تو مولوی صاحب نے کہا "کیوں بیٹا۔ اب انتظام کون کرے؟"

لے گوارا ہے چیز مہنگی ہوتی ہے تو کسی مصلحت سے اور سستی ہوتی ہے تو کسی خرابی کی وجہ سے۔ ۱۲

اصغری نے کہا: "اماں جان کریں گی جس طرح اب تک کرتی تھیں"۔

مولوی صاحب نے کہا: "ان کے انتظام کا نتیجہ تو دیکھ لیا۔ بیس روپے مہینہ جس گھر میں آتا ہو۔ اس گھر کی یہی صورت ہوتی ہے کہ نہ سلیقے کا کوئی برتن ہے نہ عزت کی کوئی چیز۔ اگر کسی وقت ایک جمچہ شربت درکار ہو تو خدا نے چاہا اس کا سامان بھی گھر میں نہ نکلے گا"۔

اصغری: "اماں جان کا اس میں کیا قصور ہے؟ عظمت نامراد نے گھر کو خراب کیا"۔

مولوی صاحب: "ان میں انتظام کی عقل ہوتی تو عظمت کی کیا طاقت تھی۔ عظمت نوکر تھی یا گھر کی مختار تھی؟"

اصغری: "پچیس برس کا پرانا آدمی جب لوٹنے پر کمر باندھے تو اس کے فریب کو کون جان سکتا ہے؟ ایسے پرانے آدمی پر تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا"۔

مولوی صاحب: "تم کو آخر شبہ ہوا یا نہ ہوا؟"

اصغری: "مجھ کو کیا شبہ ہوا اُسی کی شامت تھی کہ اس نے نالش کا ذکر چھیڑ کر سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا"۔

اتنے میں ساس بولیں: "پچاس میں تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس روپے رکھو اور یہاں کنبے کے واسطے بیس!"

مولوی صاحب: "گھر کا خرچ اور باہر کا خرچ کہیں برابر ہو سکتا ہے۔ تم نے تو مجھ کو اکیلا سمجھ لیا اور خدمت گار، سواری۔ مکان، کپڑا لتا؟"

بیوی: "سواری اور مکان تو سرکار سے ملتا ہے"۔

مولوی صاحب: "گھوڑا۔ دانہ گھاس تو مجھ کو اپنی گرہ سے کھلانا پڑتا ہے چار روپے کا سائیس[1] اور مکان کی مرمت۔ پھر سرکار دربار کے موافق حیثیت دینا لینا۔

[1] صحیح لفظ سائس بروزن فاعل ہے غلط العام سائیس بولا جاتا ہے ۔۱۲

ہزار بکھیڑے ہیں۔ نہیں معلوم ہے کس طرح گزران کرتا ہوں۔"

اصغری نے ساس کی طرف مخاطب ہو کر کہا: "اماں جان بیس روپے بیں تکرار کرنے سے کیا فائدہ۔ جتنا ملتا ہے ہزار شکر ہے۔ خدا ابا جان کی کمائی میں برکت دے یہ بھی ہزاروں ہیں۔"

ساس: "بیٹی مجھ سے تو بیس میں گھر نہیں چلتا۔"

اصغری نے اشارے سے ساس کو روکا اور مولوی صاحب سے کہا: "آپ چاہے دو روپے اور کم دیجیے لیکن جو کچھ دیجیے ماہ بماہ ملا کرے۔ جب وقت پر پیسہ پاس نہیں ہوتا تو ناچار قرض لینا پڑتا ہے اور قرض سے گھر کی رہی سہی برکت بھی اُڑ جاتی ہے۔"

مولوی صاحب: "ہندوستانی سرکاروں میں تنخواہوں کا دستور تو علیٰ العموم بہت خراب۔ کبھی چھٹے مہینے تقسیم ہوتی ہے۔ کبھی برسویں دن ملتی ہے۔ اس سبب سے خرچ کا معمول نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہزاری مل سے میں کہہ جاؤں گا کہ مہینے کے مہینے تم کو بیس روپے دے دیا کرے گا۔"

اصغری: "مہاجن بنا جائے گا۔ تو وہ آپ سے سود مانگے گا۔"

مولوی صاحب: "نہیں سود کیا لے گا۔ ہماری سرکار میں بھی اس کا لین دین ہے۔ وہاں سے حکم آجائے گا۔"

اصغری: "ہاں تو اس کا مضائقہ نہیں۔"

غرض بیس روپے تنخواہ ٹھیر گئی۔ لیکن محمد کامل کی ماں کو ناگوار ہوا اور الگ جا کر اصغری سے گلہ کیا۔ اصغری نے کہا گھر تو بیس میں انشاء اللہ میں چلا دوں گی اس کا آپ کچھ فکر نہ کیجیے۔ اور مولوی صاحب واقع میں تیس روپے سے کم میں اپنی حیثیت

---

۱ مہینے کے مہینے ۱۲۰

درست نہیں رکھ سکتے۔ مختاری کی نوکری میں اول تو اوپر سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور ہو بھی تو مولوی صاحب لینے کیوں لگے۔ بس گنی بوٹی نپا شوربا مولوی صاحب خود تکلیف میں رہے اور دو چار روپے گھر میں زیادہ بھی آئے تو مناسب نہیں۔" یہ سن کر ساس چپ ہو رہیں۔

باب اکیسواں (۲۱)

ماما عظمت کی جگہ دیانت نسا رکھی گئی۔ اصغری کا انتظام خانہ داری

اصغری نے دیانت نسا کو بلا بھیجا اور کہہ سن کر دو روپے اور کھانے پر راضی کر لیا اور جتا دیا کہ "دیانت نسا، خبردار! کوئی بات ایسی نہ ہو کہ تمہارے اعتبار میں فرق آئے۔ جس طرح تمہاری بڑی بہن ہمارے گھر رہتی ہو اسی طرح تم رہنا۔"

دیانت نسا نے کہا "بیوی۔ خدا اس گھڑی کو موت دے کہ پرائے مال پر نظر کروں۔ ضرورت ہو تو تم سے مانگ کر کھا لوں اور نہ ملے تو بھوکی بیٹھی رہوں پرائے حکم نون تک چکھنا حرام سمجھتی ہوں۔"

عید کے اگلے دن مولوی صاحب تو لاہور سدھارے اور ضروریات کی سب چیزیں اصغری نے اکھٹی منگوا لیں۔ اور آئندہ ہمیشہ فصل پر سستی دیکھ کر اکھٹی چیزیں لے رکھتی تھی۔ مرچ، پیاز، دھنیا، اناج۔ دالیں، چاول، گھی، کھانڈ لکڑی، اپلے، سکھانے کی ترکاریاں، ہر چیز وقت مناسب پر خرید کی جاتی تھی۔ ماما ملا کر پانچ آدمی تھے۔ دونوں وقت میں سیر بھر گوشت آتا تھا۔ اس میں دیانت نسا

دو طرح کا کھانا پکتا تھا کبھی آدھے میں ترکاری اور آدھا سادہ کبھی آدھے میں کباب سالن کے علاوہ دن کو ایک وقت دال۔ ساتویں دن پلاؤ اور میٹھے چاولوں کا معمول تھا۔ گھر میں دو تین قسم کی چٹنی کوئی چاشنی دار، کوئی عرق نعناع[1] کی۔ کوئی ہر گھڑی۔ دو چار قسم کا اچار مربا بنا رکھا۔ ان کے علاوہ شربت انار لیموں کی سکنجبین۔ شربت بنفشہ۔ شربت نیلوفر۔ شربت فالسہ کی ایک ایک بوتل غرض ہر طرح کا ضروری سامان گھر میں موجود رہا کرتا تھا۔ باوجود اس سامان کے پندرہ روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پانچ روپے جو بچتے تھے۔ اس سے بڑے بڑے پتیلے اور دس سیر کے دو پتیلے۔ ایک سینی کچھ چھوٹے چمچے۔ دو لوٹے ایک عدد چائے کے لوازم۔ اس قسم کی چیزیں خرید ہوئیں۔ دو صندوق بنوائے گئے۔ الماریاں۔ ایک باورچی خانے میں ایک اسباب کی کوٹھری میں۔ بیٹھنے کے تخت پرانے تھے وہ درست ہوئے۔ دو پلنگ تیار ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اصغری نے اسی بیس روپے میں گھر کو وہ جلا دی کہ ظاہر حال میں بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ ہر چیز میں کفایت اور انتظام کو دخل دیا۔ عظمت کے وقتوں میں ہمیشہ محمودہ کے واسطے تین چار پیسے روز کا سودا بازار سے آتا تھا۔ اس واسطے کہ کبھی دسترخوان میں ایک ٹکڑا نہیں بچا۔ اب دونوں وقت دو چار روٹیاں دسترخوان میں رہنے لگیں کبھی بھنتے میں سے دو بوٹیاں محمودہ کے لئے نکال رکھیں۔ کبھی ایک چنکی کھانڈ نکال دی۔ کبھی مربے کی ایک پھانک دے دی۔ روز کا سودا موقوف ہوا کسی دن کبھی کبھار جو محمودہ کا جی چاہا تو کچھ منگوا لیا۔ اس گھر سے فقیر کو عمر بھر ایک چٹکی آٹا یا آدھی روٹی نہیں ملی تھی۔ اب دونوں وقت دو دو روٹیاں فقیروں کو بھی دی جانے لگیں۔ گھر میں جو کچھ اسباب تھا عجب بدسلیقگی سے ساگ مولی کی طرح پڑا رہتا تھا اب ہر ایک چیز ٹھکانے

---

[1] کھٹ مٹھی۔ [2] لفظ عربی۔ ہندی پودینہ ۱۲۔

لگی۔ کپڑوں کی گٹھڑیاں ہیں تو کپڑے اچھی طرح تہ کئے ہوئے ترتیب سے بندھے ہیں۔ اناج پانی کی کوٹھری میں ہر ایک شے احتیاط سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برتن صاف ستھرے اپنی جگہ رکھے ہیں۔ چینی کے الگ، تانبے کے الگ۔ گویا گھر ایک کل تھی جیب کوک دیا کل اپنے معمول سے چلنے لگی۔ رفتہ رفتہ دو دو چار چار روپے پس انداز ہونے لگے اور اصغری اُس کو بطور امانت علیحدہ جمع کرتی گئی۔ جب سے اصغری نے گھر کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا قرض لینا قسم ہو گیا۔ بھول کر بھی دمڑی چھدام تک کی چیز بازار سے اُدھار نہ آئی۔ اصغری گھر کا سب حساب ایک کتاب میں لکھا کرتی تھی جب کوئی چیز ہو چکنے پر آئی اور دیانت نسائنے اطلاع کی کہ ہوی گھی دو دن کا اور ہے۔ اصغری نے کتاب نکال کر دیکھی کہ کس تاریخ کتنا گھی آیا اور کتنے روز کے حساب سے خرچ ہوا۔ اگر بے حساب ہوا تو دیانت سے باز پرس کی۔ مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں فضول خرچی ہو اور بے حساب اٹھ جائے۔ پسائی والی کی پسائیاں اور دھوبن کی دھلائیاں تک کتاب میں لکھی جاتی تھیں۔

باب بائیسواں[۲۲]

اصغری نے اپنے میاں سے کھیل کود چھڑا کر اس کو پڑھنے پر متوجہ کیا

جب ہر ایک چیز کا معمول بندھ گیا اور انتظام بیٹھ گیا۔ اصغری دوسرے

---

۲۲ سبب دریافت کیا۔ ۱۲

کاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ محمد کامل پڑھتا لکھتا تو تھا لیکن ویسی ہی بے تدبیری اور بدشوقی سے جس طرح آزاد خودمختار لڑکے پڑھا کرتے ہیں۔ باپ تو باہر رہتے تھے، محمد عاقل گو بڑا بھائی تھا لیکن دونوں بھائیوں میں صرف ڈھائی برس کی بڑائی چھٹائی تھی، محمد کامل پر اس کا دباؤ کم تھا بلکہ نہیں تھا۔ پس محمد کامل صبح و شام سبق بھی پڑھتا تھا اور ہم عمر لڑکوں میں گنجفہ۔ شطرنج، چوسر بھی کھیلا کرتا تھا۔ بعض مرتبہ کھیل میں مصروف ہوتا تو پہر پہر بھر رات گئے گھر آتا۔ اصغری کو یہ حال معلوم تو تھا لیکن موقع ڈھونڈتی تھی کہ ایسے ڈھب سے کہنا چاہیئے کہ ناگوار خاطر نہ ہو۔ ایک روز محمد کامل بہت رات گئے آیا اور شاید بازی جیت کر آیا تھا۔ خوش تھا۔ آتے کے ساتھ کھانا مانگا۔ دیانت النسا، سالن گرم کرنے دوڑی محمد کامل سمجھا ابھی پکا رہی ہے۔ پوچھا۔ "ماما ابھی تک تمہاری ہنڈیا چولھے سے نہیں اُتری"۔

اصغری نے کہا: "کئی دفعہ اُتر اُتر کر چڑھ چکی ہے۔ ایسے ناوقت تم کھانا کھاتے ہو کہ کھانا ٹھنڈا ہوکر مٹی ہو جاتا ہے۔ یا تو ایسا بندوبست کرو۔ کہ سویرے کھا جایا کرو یا کھانا باہر منگوا لیا کرو۔ اِدھر تمہارے انتظار میں اماجان کو ہر روز تکلیف ہوتی ہے"۔

محمد کامل:- "ایں! تم لوگ میرے منتظر رہتے ہو! میں تو جانتا تھا تم کھا لیا کرتی ہوگی"۔

اصغری:- "خدا رکھے مردوں کے ہوتے عورتوں کو کھانا ٹھونس بیٹھنا کیا مناسب ہے"۔

محمد کامل:- "دو چار روز کی بات ہو تو گزر سکتی ہے۔ آخر میری ہی ناررضامندی کا خیال ہے۔ میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں تم لوگ کھانا کھا لیا کرو"۔

اصغری اُس وقت تو چُپ ہو رہی۔ کوٹھے پر پھر محمد کامل نے خود چھیڑ کر اسی بات کو کہا۔ اصغری بولی: "تعجب کی بات ہے تم اپنے معمول کے خلاف نہیں کر سکتے اور ہم لوگوں سے چاہتے ہو کہ اپنا معمول توڑ دیں! تم ہی سویرے چلے آیا کرو"۔

محمد کامل۔ کھانے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور مجھ کو نیند دبر کر

آتی ہے گھر میں بے شغل بیٹھے بیٹھے جی گھبراتا ہے۔ اس واسطے میں قصداً دیر کرکے آتا ہوں کہ کھانے کے بعد سو رہوں۔"

اصغری:" شغل تو اپنے اختیار میں ہے۔ آدمی اپنے وقت کو ضبط کرے تو ہزاروں کام ہیں۔ ایک پڑھنے کا شغل کیا کم ہے۔ میں اپنے بڑے بھائی کو دیکھا کرتی تھی کہ آدھی آدھی رات تک کتاب دیکھتے اور جس دن اتفاق سے سو جاتے تو بڑا افسوس کیا کرتے تھے۔ تم پڑھنے میں محنت کم کرتے ہو۔ اسی واسطے بے شغلی سے تمہارا جی گھبراتا ہے۔"

محمد کامل:" اور کیا محنت کروں۔ دونوں وقت سبق پڑھ لیتا ہوں یاد کر لیتا ہوں۔"

اصغری:" نہیں معلوم تم کیسا پڑھنا پڑھتے ہو جس دن عظمت کا حساب کتاب ہوتا تھا۔ ابا جان تم سے حساب پوچھتے تھے اور تم بتا نہیں سکتے تھے مجھ کو شرم آتی تھی۔"

محمد کامل:" حساب دوسرا فن ہے۔ میں عربی پڑھتا ہوں۔ اس سے اور حساب سے کیا واسطہ؟"

اصغری:" پڑھنا لکھنا اسی واسطے ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اٹکا نہ رہے بڑے بھائی عربی فارسی بہت پڑھ گئے ہیں۔ لیکن نوکری نہیں ملتی۔ ابا کہا کرتے ہیں کہ حساب کتاب اور کچہری کا کام جب تک نہ سیکھو گے نوکری کا خیال مت کرو۔ اب مآل اندیش مدرسے میں پڑھتا ہے اور حساب کتاب میں بڑے بھائی سے زیادہ ہوشیار ہے۔ ابا اس سے بہت خوش ہیں اور کہا کرتے ہیں دو برس مدرسے میں اور پڑھ لو پھر تم کو کہیں نہ کہیں نوکر کرا دوں گا۔"

محمد کامل:" مدرسے میں کم عمر آدمی کو داخل کرتے ہیں۔ میری عمر زیادہ ہے

۱؎ اصغری کا چھوٹا بھائی۔ ۱۲

اصغری :- مدرسے میں داخل ہونے پر کیا منحصر ہے۔ یوں شہر میں کیا سکھانے والے نہیں ہیں۔ جتنا وقت تم کھیل میں ضائع کرتے ہو اسی میں صرف کیا کرو۔"

محمد کامل :- کھیل کیا میں دن رات کھیلتا ہوں؟ کبھی گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ گیا۔"

اصغری :- کھیلنا افیوں کی سی عادت ہے۔ تھوڑے سے شروع ہو کر بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لت پڑ جاتی ہے اور پھر اس کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اول تو یہ کھیل گناہ ہیں۔ اس کے علاوہ آدمی کو دوسرے کمال حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ کام کاج کے آدمی کبھی نہیں کھیلتے نکمے لوگ البتہ اسی طرح دن کاٹتے ہیں ان کھیلوں میں جیسا بازی جیتنے سے جی خوش ہوتا ہے، ہارنے سے رنج بھی بہت ہوتا ہے اور جس طرح وہ خوشی بے اصل ہوتی ہے یہ رنج بھی ناحق کا ہوتا ہے، اور اکثر کھیلتے کھیلتے آپس میں مفت کی تکرار ہو جاتی ہے۔ میری صلاح مانو تو ان کھیلوں کو بالکل موقوف کرو۔ لوگ تمہارے منہ پر تو کچھ نہیں کہتے لیکن پیچھے ہنستے ہیں پرسوں اترسوں کی بات ہے کہ تم کو کوئی مردوا بلانے آیا تھا۔ ماما نے اندر سے جواب دیا کہ باہر سدہ ہار گئے ہیں۔ اس مردوے نے طعنے کے طور پر اپنے ساتھ والے سے کہا۔ میاں ماسٹر حسینی کے مکان پر چلو۔ وہاں شطرنج کے جھگڑے میں ملیں گے۔ ابا جان کا شہر میں بڑا نام ہے۔ لوگ ان کے معتقد ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے نام بد ہوتا ہے۔ اور میں نے ابا جان کو افسوس کرتے سنا کہ ہائے ہماری تقدیر! دو لڑکوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوا کہ اس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا۔ عاقل کو کچھ لکھایا پڑھایا تھا اب وہ بھی اپنی نوکری کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ لکھا پڑھا بھی بھول گیا۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں، ان کو کھیل کود سے فرصت نہیں۔ بلکہ ہمارے ابا جان کو بھی کسی نے اس کی خبر کر دی، مجھ سے پوچھتے تھے، میں نے کسی طرح اس وقت بات کو ٹال دیا۔"

اصغری کی نصیحت نے محمد کامل پر بہت عمدہ اثر کیا اور اس نے کھیلنا بالکل

چھوڑ دیا اور پہلے کی نسبت عربی پر بھی زیادہ محنت کرنے لگا اور ایک مدرس سے مدرسے کے باہر حساب کتاب وغیرہ بھی سیکھنا شروع کردیا۔ خدا نے وقت میں بڑی برکت دی ہے۔ اس کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے سے چند روز میں محمد کامل کی استعداد عربی بھی درست ہوگئی اور حساب اور ریاضی[۱] کی بھی کتابیں نکل[۲] گئیں۔"

باب (۲۳) تیئسواں

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

محمد کامل تو ادھر مصروف رہا۔ اصغری نے اسی عرصہ میں ایک اور کارخانہ جاری کیا۔ اس محلے میں حکیم روح اللہ خاں بڑے نامی[۳] گرامی[۴] آدمی تھے۔ حکیم صاحب خود تو سرکار مہاراجہ پٹیالہ میں دیوان تھے۔ لیکن گھر بار لڑکے بچے سب اسی محلے میں تھے۔ مکان، محلات، نوکر چاکر، بڑا کارخانہ تھا۔ اور یہ گھر شہر کے اونچے گھروں میں گنا جاتا تھا۔ اونچی جگہ رشتے ناتے، اونچے لوگوں سے راہ و رسم۔ حکیم کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مدت تک والی اندور کی سرکار میں مختار کل رہے اور جب اس سرکار میں منشی عمو جان کو بڑا دخل ہوا مصلحت وقت سمجھ کر کنارہ[۵] کش ہوگئے۔ لیکن لاکھوں روپیہ گھر میں تھا۔ نوکری کی کچھ پروا نہ تھی، ہزاروں روپے کی املاک[۶] شہر میں خرید کرلی تھی سینکڑوں روپیہ ماہواری کرائے کا چلا آتا تھا۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارد[۷]

---

[۱] یہ بھی ایک طرح کا حساب ہے [۲] نظر سے گزر گئیں [۳] مشہور [۴] معزز [۵] علیحدہ [۶] جائیداد
[۷] یہ انگریزی لفظ ہے مگر بولنے لگے ہیں۔ ۱۲

اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر۔ گھوڑا، ہاتھی، پالکی، بگھی، سواری کو موجود۔ فتح اللہ خاں کی دو بیٹیاں تھیں۔ جمال آرا اور حسن آرا۔ جمال آرا نواب اسفند یار خاں کے بیٹے سے بیاہی گئی تھی۔ لیکن ایسی ناموافقت ہوئی کہ آخر کار قطع تعلق ہو گیا کچھ خدانخواستہ طلاق نہیں ہوئی تھی لیکن کسی طرح کا واسطہ باقی نہیں رہا تھا جہیز کا اسباب تک پھر آیا تھا حسن آرا کی نسبت نواب جھجر کے خاندان میں ہوئی تھی ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اسی محلے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا میکا تھا اس محلے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شادی بیاہ میں کئی مرتبہ اس کو دیکھا تھا شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن حسن آرا کی ماں سے ملنے کے لیے آئیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں اور یہ امر کچھ من جانب اللہ ہے۔ اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ اور نہ اپنے تئیں بندہ سمجھے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دنیا کے سب عیش میسر تھے لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ ادھر جمال آرا بیاہ برات ہو ہوا کر اجڑی ہوئی گھر بیٹھی تھیں، ادھر حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہی میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا لحاظ، نہ آپا کا ادب، نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی۔ کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے

---

[۱] بگاڑ [۲] علاقہ ٹوٹ گیا [۳] غل [۴] یعنی ایک شخص بھی [۵] بات [۶] خدا کی طرف سے اس کے حکم سے [۷] نصیب تھے۔ حاصل تھے [۸] ڈھنگ [۹] رو رہے ہیں۔ [۱۰] یعنی برا ڈنگا مچاتی تھی ۱۲-

دیر نہ ہوئی تھی کہ لگا تار[1] دو تین فریادیں آئیں۔ نرگس[2] روتی ہوئی آئی کہ بیگم صاحب دیکھئے چھوٹی صاحب زادی نے میری نئی اوڑھنی لیرلیر[3] کر ڈالی اب مجھے کون بنا کر دے گا۔ سوسن[4] نے فریاد مچائی کہ بیگم صاحب چھوٹی صاحب زادی نے میرے گلے میں چکنا[5] بھر لیا۔ گلاب پلبلا اٹھی ہائے میرا کان خونا خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھئے میری لڑکی کمبخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی[6] پڑ گئی۔ باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی۔ اجی خدا کے لئے کوئی ان کو سمجھانا سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔ شاہ زمانی بیگم نے آواز دی: "حسنا یہاں آؤ۔"

خالہ کی آواز پہچان بارے حسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ پاؤں میں کیچڑ اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا۔ "تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔"

حسن آرا نے کہا: "اس سنبل[7] چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔" یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل لپک کر سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں، ایک نہ سنی۔ شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں۔ "تو اسلطانہ اس لڑکی کے لئے تو خدا کے واسطے کوئی استانی رکھو۔"

سلطانہ بیگم: "باجی اماں۔ کیا کروں۔ مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔"

---

[1] برابر۔ اوپر تلے [2] گھر کی لونڈی کا نام ہے۔ اصل میں نرگس آنکھ کی شکل کا ایک پھول ہے [3] دھجی دھجی [4] یہ دوسری لونڈی کا نام ہے یہ بھی زبان کی طرح کا ایک پھول ہوتا ہے [5] زور سے کاٹ کھایا۔ [6] نشان پڑت [7] سنبل ایک گھاس ہوتی ہے۔ شاعر لوگ اس کے ساتھ بالوں کی تشبیہ دیا کرتے ہیں یہ بھی ایک لونڈی کا نام ہے۔ ۱۲

شاہ زمانی بیگم "اوئی بوا۔ تمہاری بھی وہی کہاوت ہے۔ ڈھنڈورا شہر میں بچہ بغل میں۔ خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔"

سلطانہ "مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔ دیکھو میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ ماتی جی کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں۔ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گیری کی نوکری کریں تو ان کو لو لاؤ۔ کھانا کپڑا اور دس روپیہ مہینہ، پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں۔ اور جب لڑکی پہلا سیپارہ ختم کرے گی۔ اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ استانی جی کو ہم یوں بھی خوش کر دیں گے۔"

ماتی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔ محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی۔ پوچھا "اچھی بی۔ مولوی صاحب کی بیوی تم ہی ہو؟"

دیانت النساء "ہاں یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔ کہاں سے آئیں؟"

ماتی جی "تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟"

محمد کامل کی ماں "کوٹھے پر ہیں۔"

ماتی جی "میں ان کے پاس اوپر جاؤں؟"

دیانت النساء "آپ اپنا پتہ نشان بتایئے۔ بہو صاحب یہیں آجائیں گی۔"

ماتی جی "میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔"

محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی۔

لہ خبر سلہ اس گفتگو میں بعض باتوں کا جواب گھر والی بیوی نے نہیں بلکہ ماما نے دیا کر اپنے منہ سے کہنا کہ ہاں مولوی صاحب کی بیوی میں ہوں۔ ہندوستان کی عورت کے لئے بد لحاظی کی بات ہے اسی طرح ماتی کو اوپر جانے کی اجازت نہ دینا اخلاق کے خلاف تھا۔ ۱۲

اور ماما سے کہا: "تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟"

ماما جی: "وہی آئیں تو کہوں۔" تمیز دار بہو کے نیچے اترنے کا وقت آگیا تھا، کیوں کہ عصر[1] کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب[2] اور عشا[3] دونوں نمازیں نیچے پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو ماما جی نے دیکھا تو اُستانی گیری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں اتنا کہا کہ "بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔"

اصغری: "دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا۔ اور یہ کہنا کہ جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے مجھ کو کسی سے عذر نہیں۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے میکے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ اور میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں۔ لیکن کیا کروں نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ اُن کے گھر میرا جانا ہو سکتا ہے۔"

ماما جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا۔ لیکن دبی زبان سے اتنا کہا کہ "بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمہ داری کرنے کو موجود ہیں۔"

اصغری: "یہ سب اُن کی مہربانی ہے۔ اُن کی ریاست[4] کو یہی بات زیبا ہے لیکن اُن کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا نگاہ سبھو کا نہیں رکھتا بن[5] امروں کی لونڈی بن کر خدمت کرنے کو تو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار اُستانی درکار

---

[1] چار گھڑی دن رہے کی نماز [2] وہ نماز جو آفتاب کے ڈوبتے ہی پڑھی جاتی ہے [3] چار گھڑی رات گئے کی نماز [4] قاعدے سے صاحب چاہیے مگر محاورہ یوں ہی ہے [5] سرداری [6] پھبتی ہے [7] لفظی معنی اُن کی چھاؤں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑوس میں۔ ۱۲

ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔"

اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب سُنا کہ تحصیل دار کی بیٹی ہے اور مولوی محمدؐ فاضل صاحب بھی پچاس روپے ماہواری کے نوکر ہیں۔ تو مانی کو ندامت[1] ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا۔ لیکن اصغری کی گفتگو سُن کر مانی لٹو[2] ہوگئی۔ ہر چند نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھی مگر اصغری کی شُستہ تقریر سُن کر دنگ[3] ہوگئی۔ اور معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔"

اصغری "کیوں تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی[4] ہو۔ اوّل تو نوکری اور نوکری بھی حکیم صاحب کے گھر کی۔ کچھ عیب نہیں، گناہ نہیں۔ اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ۔"

غرض مانی جی رخصت ہوئی اور وہاں جاکر کہا کہ بیگم صاحب اُستانی تو واقع میں لاکھ استانیوں کی ایک اُستانی ہے۔ جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے، پاس بیٹھنے سے انسانیت حاصل کرے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے، ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے۔ لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہے، رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ سوزنی گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اچھی خوش گزران زندگی۔ بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے۔"

شاہ زمانی بولیں "سچ ہے بوا سلطانہ۔ تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا۔ لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔"

مانی جی "لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔" سلطانہ نے پوچھا "کیا یہاں آکر؟"

---

[1] شرمندگی [2] لفظی معنی دھوئی ہوئی یعنی صاف [3] حیران [4] کیوں مجھے گنہگار کرتی ہو مجھ کو تمہاری معذرت سے ایذا ہوتی ہے۔ ۱۲۔

ماما جی :- "بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پروا نہیں کرتا وہ یہاں کیوں آنے لگا؟"

سلطانہ :- "کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟"

شاہ زمانی :- "اس میں قباحت کی کیا بات ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا کیا سمجھا، بھائی علی نقی خاں کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔"

سلطانہ :- "آہا۔ تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں۔"

شاہ زمانی :- "تو خدا نہ کرے کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا جب سے رئیس بگڑا بے چارے غریب ہو گئے۔ پھر بھی ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی رہتے ہیں۔"

سلطانہ :- "خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔"

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبی سامان تھا۔ لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات[1] ہوئی کہ ہر طرح کی چیز وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر، چوگھڑا[2]، الائچی، چکنی ڈلی، چائے۔ بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجیے۔

اصغری :- "اوّل تو خود مجھ کو کیا آتا ہے۔ مگر جو دو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں۔ انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔"

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں۔

اصغری :- "اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ بن مُہ ہوائی آپ سے لوں،

---

[1] خاطر داری [2] بڑی چوپہل ۱۲

سلطانہ نے استغفر اللہ پڑھوائی۔ ہمارا منہ ہی بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔"

اصغری: "شروع میں تبرک کے طور پر مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں، سو اشرفی کیا ہوگی؟ بچوں کا منہ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہو۔" یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھری میں سے ایک قاب بھر کر نکتیاں نکال لائی اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی۔ اور پھر قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔ سلطانہ نے کہا: "اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا۔"

اصغری: "ہم بے چارے غریب کس لائق ہیں لیکن یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے۔ البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا بیگم کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ دن کرے کہ میں آپ سے سرخ رو ہوں۔"

غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

باب چوبیسواں (۲۴)

اصغری کا انتظام مکتبی

اصغری نے جس طرز پر حسن آرا کو تعلیم کیا اُس کی ایک کتاب جدا بنائی جائیگی، اگر یہاں وہ سب حال لکھا جاتا تو یہ کتاب بہت بڑھ جاتی۔ اس مقام پر اتنا ہی مطلب ہے کہ حسن آرا کے بیٹھتے ہی محلے کا محلہ ٹوٹ پڑا جس کو دیکھو اپنی لڑکی کو

۱؎ یعنی خدا سے معافی مانگتی ہیں جب کسی بات سے انکار کرنا منظور ہوتا ہو۔ ہمارا یہ مطلب نہ تھا تو ایسے موقع پر استغفر اللہ کہتے ہیں کہ اگر کیا ہو تو خدا معاف کرے۔ بڑی سکابی اصل میں قعب ہے ۱۲

لئے چلا آتا ہے۔ لیکن اصغری نے شریف زادیوں کو چُن لیا۔ اور باقیوں کو حکمتِ عملی سے ٹال دیا کہ میں آئے دن اپنی ماں کے گھر جاتی رہتی ہوں پڑھنا پڑھانا جب تک جم کر نہ ہو بے فائدہ ہے۔ پھر بھی بیس لڑکیاں بیٹھتی تھیں، لیکن اصغری کو کسی لڑکی سے لینے لوانے کی قسم تھی بلکہ ایک دو روپیہ اس کا اپنا لڑکیوں پر خرچ ہو جاتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک پڑھنا ہوتا تھا اور پھر کھانے کے واسطے چار گھڑی کی چھٹی۔ اس کے بعد لکھنا اور پہر دن رہے سے سینا۔ سینے کا کام گنجائشی تھا اس واسطے کہ نہ صرف سینا سکھایا جاتا تھا بلکہ ہر طرح کی جالی کاڑھنا۔ ہر ایک طرح کی سلائی۔ ہر ایک طرح کی قطع۔ مصالحہ بنانا اور ٹانکنا۔ اوّل اوّل تو اس کا سامان جمع کرنے میں اصغری کے دس روپے خرچ ہوئے لیکن پھر تو اُسی کام سے بچت ہونے لگی۔ جو کام لڑکیاں بناتیں دیانت اس کو چپکے سے بازار میں لگا آتی۔ اس طور پر رفتہ رفتہ مکتب کی ایک بڑی رقم جمع ہو گئی۔ جو لڑکی غریب ہوتی اسی رقم سے اس کے کپڑے بنائے جاتے۔ کتاب مول لے دی جاتی۔ لڑکیوں کے پانی پلانے اور پنکھا جھلنے کے واسطے خاص ایک عورت نوکر تھی۔ اور مکتب کی رقم سے اس کو تنخواہ ملتی تھی۔ لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ اور اُستانیوں کے پاس جاتے ہوئے ان کا دم فنا ہوتا تھا۔ لیکن اصغری کی شاگردیں اُس پر عاشق تھیں۔ ابھی سو کر نہیں اٹھی کہ لڑکیاں خود بخود آنی شروع ہوئیں۔ اور پہر رات گئے تک جمع رہتی تھیں اور مشکل سے جاتی تھیں اس واسطے کہ اصغری سب کے ساتھ دل سے محبت کرتی تھی اور پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا رکھا تھا کہ باتوں باتوں میں تعلیم ہوتی تھی۔ نہ یہ کہ صبح سے ریں ریں کا چرخہ جو چلا تو دن چھپے تک بند نہیں ہوتا جس طرح اصغری کو اس کے باپ نے پڑھایا تھا اسی طرح اصغری اپنی شاگردوں کو پڑھاتی تھی۔ پس یہ لڑکیاں شاگرد کی شاگرد اور سہیلی

۱؎ حیلے بہانے ۲؎ یعنی بیچ آتی۔ ۱۲

کی سہیلی تھیں۔ جب کسی لڑکی کا بیاہ ہوا مکتب کی رقم سے اس کو تھوڑا بہت زیور چڑھایا جاتا تھا۔ اگر اصغری اپنے مکتب کو بڑھانا چاہتی تو تمام شہر کے مکتب اُجڑ جاتے سینکڑوں عورتیں اپنی لڑکیوں کے واسطے خوشامد کرتی تھیں۔ اور خود لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی تھیں اس واسطے کہ اور مکتبوں میں دن بھر کی قید۔ اُستانیوں کی سختی۔ پڑھنا کم۔ مار کھانا۔ کام کرنا بہت۔ دن بھر میں پڑھے تو صرف دو حرف۔ صبح و شام تو معمولی مار۔ اور جہاں چپ کی اور اُستانی جی کی نظر پڑ گئی آفت آئی۔ اور کام پوچھو تو صبح آتے کے ساتھ گھر میں جھاڑو دی استانی جی اور اُستاد جی اور دس بارہ خلیفہ جی یلّہ ٹپّہ[1] سبھوں نک کے بچھونے تہ کئے اور چار چار پانچ پانچ نے مل کر کم بخت بھاری بوجھل چارپائیاں اٹھائیں۔ پھر دو چار کی جلد شامت آئی تو سی پارہ لے کر بیٹھیں، منہ سے آواز نکلی اور استانی جی نے بنبھٹی[2] پھیکنی شروع کی۔ اور دو چار جو کسی[3] اچھے کا منہ دیکھ کر اُٹھی تھیں کام دھندے میں لگ گئیں۔ کسی نے اُستانی جی کے لڑکے کو گود میں لیا۔ بوجھ کے مارے کولا لوٹا جاتا ہے۔ لیکن مار کے ڈر سے گردن پر بلا سوار ہے اور وقت ٹالتی پھرتی ہیں۔ پٹتی ہوئی لڑکیوں کی آواز کان میں چلی آ رہی ہے۔ دل ہے کہ اندر ہی اندر سہما[4] جاتا ہے۔ اس عذاب سے یہ مصیبت غنیمت معلوم ہوتی ہے کسی نے رات کے جھوٹے برتن مانجھنے شروع کئے۔ گٹّے[5] پڑ پڑ گئے ہیں۔ اور کندھے رہ رہ جاتے ہیں۔ لیکن چھوٹی بہن پٹ رہی ہے اور چلّا رہی ہے "اچھی استانی جی میں مر گئی! اچھی میں تم پر واری گئی! اچھی خدا کے لئے! اچھی رسول کے لئے! اچھی میں خلیفہ جی کی لونڈی ہو گئی! ہائے رے ہائے رے ہائے رے۔ اُوئی اماں! اوئی آپا!" اور

---

[1] استانی کے بیٹے بیٹیاں [2] ایک لمبی سی لکڑی کے دونوں سروں پر بڑے بڑے لٹو لگے ہوتے ہیں لکڑی کو بیچ سے پکڑ کر گھماتے ہیں۔ یہاں مراد ہے مارنا شروع کیا۔ [3] یعنی ان کی تقدیر اچھی تھی [4] ڈرا [5] کھال سخت ہو کر نشان پڑ جاتے ہیں۔ ۱۲

آیا ہیں کہ چھائیں جلدی جلدی برتن مانجھ رہی ہیں۔ ان کاموں سے فراغت پائی تو مصالح پیسنے، آٹا گوندھنے، آگ سلگانے، گوشت بگھارنے کا وقت آیا، پھر دوپہر کو استانی جی ہیں کہ سو رہی ہیں۔ اور معصوم بچے پنکھا جھل رہے ہیں اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے ہیں، الہیٰ ایسی سوویں کہ پھر نہ اٹھیں غرض اور مکتبوں میں بڑ مصیبت رہتی ہے، اصغری کے یہاں نہ مار نہ دھاڑ۔ بڑا ڈراوا یہ تھا کہ "سفو بوا! تم سبق یاد نہیں کرتیں۔ تمہارے سبب ہمارے مکتب کا نام بدنام ہوتا ہے۔ میں تمہاری اماں جان کو بلا کر کہہ دوں گی کہ بی تمہاری لڑکی یہاں نہیں پڑھتی۔ اس کو تم کسی دوسری استانی کے پاس بٹھاؤ۔" اتنا کہنا کہ لڑکی کا دم فنا ہوا۔ پھر سبق ہے کہ نوک زبان پر یاد ہے۔ یا جس نے سبق یاد نہیں کیا اس سے کہا گیا کہ "بوا آج تم نے سبق یاد نہیں کیا۔ اور لڑکیاں تو دوپہر کو سوئیں گی اور تم پڑھنا"، یہ کہنا تھا کہ اس نے جلدی جلدی سبق حفظ کیا۔ مکتب میں محمودہ اور حسن آرا دو خلیفہ تھیں۔ نہ یہاں جھاڑو دینی ہے، نہ بچھونے اٹھانے ہیں نہ چارپائیاں ڈھوتی ہیں، نہ برتن مانجھتے ہیں، نہ خلیفاؤں کو لانے لے جانے پھرنا ہے بلکہ خود لڑکیوں پر ایک عورت نوکر تھی۔ محبت اور آرام۔ پڑھنا، لکھنا، سینا، تین کام خوب شوق سے لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اس مقام پر مکتب کی ایک حکایت لکھی جاتی ہے جس سے اصغری کا طرز تعلیم مختصر طور پر معلوم ہو جائے گا۔

باب پچیسواں (۲۵)

انتظام مکتب کے متعلق ایک دلچسپ حکایت

سفیہن ایک عورت تھی اور فضیلت اس کی بیٹی کوئی دس برس کی ہوگی

ڈر کے مارے بدحواس ہوگئی یعنی گویا زبان کی نوک پر رکھا ہے زبانی یاد۔ ۱۲

اُس فضیلت کو خود بخود پڑھنے لکھنے اور سینے پرونے کا شوق تھا سفیہن[1] یہ چاہتی تھی۔ کہ فضیلت تمام گھر میں جھاڑو دے۔ لیپے، پوتے، برتن مانجھے، ایسے کاموں میں فضیلت کا دل نہ لگتا۔ ماں کے کہے سننے سے کرتو دیتی مگر وہی بے دلی سے سفیہن جو ایک دن فضیلت پر ناخوش ہوئی تو ساتھ لے جا کر اصغری کے مکتب میں بٹھا آئی اور کہا کہ اُستانی جی یہ لڑکی بڑی نکمی ہے جس کام کو کہتی ہوں ٹکا سا[2] جواب دے دیتی ہو اس کو ایسا ادب دو کہ گھر کے کام پر اس کا جی لگے"۔ اصغری نے جو دیکھا تو فضیلت کو لینے ڈھب کا پایا۔ اُدھر فضیلت کو اپنی مرضی کی اُستانی ملی۔ تور کے تڑکے آتی تو دوپہر کو کھانا کھانے جاتی۔ کھانا کھایا اور پھر بھاگی۔ یا نی مکتب میں آ کر بیٹھی۔ اور تیسرے پہر کی آئی آئی کہیں چار گھڑی رات گئے جاتی۔ کبھی کبھی سفیہن اس کی خبر لینے مکتب میں آئی تو کئی دفعہ اس کو لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلتے دیکھا دو چار دفعہ ہنڈ کلھیا[3] پکاتے۔ ایک دن چار گھڑی رات گئی ہوگی فضیلت کو جانے میں دیر ہوئی۔ سفیہن اس کو لینے آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ محمودہ کہانیاں کہہ رہی ہے اور مکتب کی سب لڑکیاں گھیرے ہوئے ہیں اور خود استانی جی بھی لڑکیوں میں بیٹھی ہوئی کہانیاں سن رہی ہیں۔ تب تو سفیہن کا جی جل کر خاک ہو گیا اور بولی کہ واہ اُستانی جی اچھا تم نے لڑکیوں کا ناس مار رکھا ہے جب کبھی میں فضیلت کو دیکھنے آئی کبھی میں نے اس کو پڑھتے نہ پایا۔ مکتب کیا ہے اچھا کھیل خانہ ہے۔ تب ہی تو

---

[1] سفیہن کے لفظی معنی تو احمق کے ہوئے اور جس عورت کا یہ نام ہو اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تھی بھی کچھ احمق سی۔ مگر در حقیقت اس کا نام صفیہ رکھا ہوگا جس کے معنی ہیں برگزیدہ [2] یعنی جواب کیا ہے گویا دو پیسے ہیں جھٹ سے نکال حوالے کئے [3] لڑکیاں ہنڈیا کی جگہ کلھیوں میں کھانا پکا کر نقل کیا کرتی ہیں ۱۲

لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی ہیں۔"

سفیہن کی یہ بات سب ہی لڑکیوں کو ناگوار ہوئی اور خصوصاً اس کی بیٹی فضیلت کو۔ مگر استانی جی کے ادب سے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر خود استانی جی نے کہا کہ "بوا۔ اگر تمہاری مرضی کے موافق تمہاری لڑکی کی تعلیم نہیں ہوتی تو تم کو اختیار ہے اپنی لڑکی کو اٹھالے جاؤ۔ مگر مکتب پر ناحق کا الزام مت لگاؤ۔ بھلا میں تم سے پوچھتی ہوں فضیلت نے مانی جی[۱] کے مکتب میں کتنے دنوں پڑھا؟"

سفیہن نے کہا۔ "میراں جی[۲] کے چڑھے چاند اس کو بٹھایا تھا۔ مدار[۳] بھر پڑھا، خواجہ معین الدین بھر پڑھتی رہی۔ ماہ رجب سے تمہارے یہاں ہے۔"

اصغری نے پوچھا "مانی جی کے ہاں فضیلت نے کیا پڑھا؟"

---

[۱] یہ بھی کوئی استانی جی تھیں [۲] مسلمانوں میں عربی مہینوں کا رواج ہے۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الثانی۔ جمادی الاول، جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ مگر عورتوں کے گننے کے اور ہی مہینے ہیں۔ محرم۔ تیرہ تیزی۔ بارہ وفات۔ میراں جی۔ مدار۔ خواجہ معین الدین۔ رجب۔ شب برات۔ رمضان۔ عید۔ خالی۔ بقر عید۔ ان میں سے ۱، ۷، ۹ مرد عورت دونوں میں مستعمل ہیں اسی طرح ۸، ۱۰، ۱۱ لیکن عوام مردوں میں، باقی مہینے صرف عورتوں کے ہیں۔ تیرہ تیزی کو غالباً تیرہ تیزی اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس مہینے میں جناب پیغمبر خدا علیل تھے تیرہ دن بڑی شدت کی تپ رہی۔ بارہ وفات کے معنی یہ کہ اس مہینے کے شروع کے بارہ دن میں حضرت پیغمبر صاحب نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ٹھیک تاریخ میں اختلاف ہے۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۱۰ ان مہینوں میں ان بزرگوں کے عرس ہوتے ہیں جن کے نام سے یہ مہینے مشہور ہیں۔ میراں جی سے مراد ہے حضرت غوث الاعظمؒ جن کی گیارہویں مشہور ہے۔ اور مدار سے حضرت شاہ بدیع الدینؒ جن کا مزار پانی پت میں ہے اور لوگ دوسری جگہ بھی بتاتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ کا مزار، اجمیر شریف میں ہے۔ بڑی مشہور زیارت گاہ ہے۔ گیارہویں مہینے کا نام خالی اس سے پڑا کہ اس میں کوئی تقریب نہیں[۱۲]

سفیہن نے کہا۔ "تین مہینے میں والمحصنات کا سی پارہ اور آدھا لایحب اللہ۔"
اصغری نے کہا "تین مہینے میں ڈیڑھ سی پارہ تو مہینے میں آدھا سی پارہ ہوا یہاں تمہاری فضیلت ماہ رجب سے ہے اور اب خالی کا چاند چڑھا ہے چار مہینے ہوئے وما ابری نفسی کا سی پارہ کل ختم ہوا۔ یعنی ساڑھے سات سی پارے پڑھے حساب سے مہینے پیچھے ایک سی پارے کے قریب ہوتا ہے۔ مائی جی کے مکتب سے دونا۔ اور جب فضیلت یہاں آئی تو کالی لکیر تک اس کو کھینچی نہیں آتی تھی۔ اب نام لکھ لیتی ہے اور بساط کے موافق حرف بھی بُرے نہیں ہوتے۔ بیس تک بھی پوری گنتی نہیں جانتی تھی اب پندرہ کا پہاڑہ یاد کرتی ہے۔ سینے میں تیپچی تک سیدھی بھرنی نہیں آتی تھی اب اس کے ہاتھ کا بخیہ دیکھو۔ لائیو عقیلہ! ذرا بقچیہ فضیلت نے جو کرتی میں بخیہ کیا ہے ذرا ان کو دکھانا۔ اور فضیلت کے ہاتھ کی کیکری۔ مرمرا بوٹیاں۔ لہریا۔ چھڑیاں۔ خانہ توڑ۔ دیکھت بھولی۔ خاکہ۔ تار شمار۔ جنیلی کا جال۔ ترین بیل۔ بُرا بھلا جیسا کچھ ہو تو وہ بھی اُٹھاتی لاؤ۔"

فضیلت بولی۔ "اُستانی جی میں جا کر لے آؤں۔" فضیلت دوڑی دوڑی جا اپنا کشیدہ اٹھا لائی۔ سفیہن ایک بات کے دس دس جواب سُن ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔ اصغری نے کہا۔ "بولو بوا کچھ انصاف بھی ہے؟ چار مہینے میں تمہاری لڑکی اور کیا سیکھ لیتی۔"

سفیہن تو ایسی شرمندہ ہوئی کہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب اُستانی جی سے آنکھ سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ سفیہن کم بخت کے آنے سے محمودہ کی مزے کی کہانی تو رہ گئی۔ سب لڑکیاں لگیں اسی کی طرف گھور گھور کر دیکھنے۔ سفیہن نے کہا۔ استانی جی مجھ کو اس کی کیا خبر تھی۔ فضیلت دن بھر تو یہاں رہتی ہے۔ رات کو ایسی دیر کر

۱؎ یعنی جتنی اس کی عمر ہے ۲؎ سیدھی سلائی ۳؎ یہ سب کڑھائی کی قسمیں ہیں ۴؎ کاڑھا ہوا ۵؎ حیران ۶؎ یعنی اپنے شرمندگی کے پسینے میں ڈوب گئی۔ ۱۲

جاتی ہے کہ کھانا کھایا اور سوئی۔ مجھ کو اس سے پوچھنے گچھنے کا اتفاق تو ہوتا نہیں۔ دو چار مرتبہ جمعہ میں ادھر کو آنکلی تو کبھی گڑیاں کھیلتے پایا، کبھی ہنڈکلھیا پکاتے، کبھی کہانیاں سُنتے۔ اس سے مجھ کو خیال ہوا کہ یہ اپنا وقت کھیل کود میں کھوتی ہو۔ اب تو میرے منھ سے بات نکل گئی معاف کیجئے۔"

اصغری: "بے شک تمہارا شبہ بے جا نہیں تھا لیکن میں کھیل ہی کھیل میں ان کو کام کی باتیں سکھاتی ہوں۔ ہنڈکلھیوں میں لڑکیاں ہر ایک طرح کے کھانے کی ترکیب سیکھتی ہیں۔ مصالح کا اندازہ نمک کی اٹکل۔ ذائقے کی شناخت۔ بوباس کی پہچان ان کو آتی ہے۔ کیوں فضیلت پرسوں جمعہ تھا تم لڑکیوں نے مل کر کتنا زردہ[1] پکایا تھا۔ اس کی ترکیب اور سب حساب کتاب تو ہم کو سُناؤ۔"

فضیلت نے کہا: "حساب تو محمودہ بیگم نے اپنی کتاب پر لکھ رکھا ہے۔ مگر ترکیب تو میں نے بموجب آپ کے فرمانے کے خوب دھیان لگا کر دیکھ لی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔ سیر بھر چاول تھے پہلے ان کو لگن میں بھگو دیا۔ شاید دھیلے کی ہار سنگھار کی ڈنڈیاں منگوائی تھیں پیسے بھر ملی تھیں۔ ان کو کوئی ڈیڑھ سیر پانی میں جوش دیا۔ جب ابال آگیا اور رنگ کٹ گیا تو چھان کر عرق میں چاول نچوڑ کر ڈال دئے۔ چاول جب ادھ کچرے ہو گئے اور ایک کنی رہی تو چاولوں کو کپڑے پر پھیلا دیا کہ جتنا پانی ہے سب نکل جائے۔ پھر آدھ پاؤ گھی دیگچی میں تو لونگوں کا بگھار دے کر کڑکڑایا اور چاول ڈال دئے اوپر سے چاولوں کے ہم وزن کھانڈ ڈال دی اور اٹکل سے اتنا پانی ڈال دیا کہ چاولوں کی جو ایک کنی باقی رہی تھی گل جائے پھر کوئی ایک چھٹانک کشمش گھی میں کڑکڑا کر جب پھول گئی چاولوں میں ڈال دی اور اوپر تلے انگارے رکھ کر دم دے دیا۔"

---

[1] مزے کی پہچان سے زردے میٹھے چاول سے ابال لینا۔

اصغری۔ ترکیب تو درست ہے لیکن چاولوں کو جو میں نے دیکھا تو بیٹھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کپڑے پر پھیلا کر ٹھنڈے پانی سے اِن کو دھویا نہیں۔"

پھر اصغری سفیہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی کہ کیوں بوا۔ زردہ تو تمہاری لڑکی نے ٹھیک پکایا؟ یہ سب ہنڈکلھیا کی بدولت۔ لو محمودہ تم اپنے زردے کا حساب تو سناؤ۔"

محمودہ جا حساب کی کتاب اٹھا لائی اور کہا "اُستانی جی۔ چھ سیر کے چاول، سیر بھر پونے تین آنے کے، اور ایک پیسے کی ڈنڈیاں اور لونگیں۔ دو سیر کا گھی ہی، پون پاؤ منگوایا۔ آدھا پاؤ بگھارتے وقت ڈالا اور چھٹانک بھر کشمش کڑکڑا کر دم دیتے وقت ڈیڑھ آنے کا گھی ہوا۔ اور چو سیری کھانڈ سیر بھر چار آنے کی۔ ایک پیسے کی کشمش کُل پونے گیارہ آنے کے پیسے خرچ ہوئے۔ دس لڑکیوں کا ساجھا تھا۔ پونے دو آنے تو میرے تھے اور فضیلت ایک عقیلہ دو۔ حسن آرا تین۔ امۃ اللہ چار۔ عالیہ پانچ سلمیٰ چھ۔ ام النبین سات۔ شکیلہ جمیلہ دونوں بہنیں نو۔ سب کا ایک ایک آنہ۔"

اصغری "محمودہ۔ تم نے دھو کا کھایا۔"

محمودہ نے سوچا تو کہا "ہاں اُستانی جی۔ چاولوں میں کوڑیاں بچیں، وہ نامراد بنئے نے ہضم کیں۔ اے ہے ڈنڈیاں اور لونگیں ان ہی کوڑیوں میں آجاتیں تو ایک پیسہ بچتا۔ دیانت۔ جا تو بنئے سے کوڑیاں مانگ کر لا۔"

اصغری "ایں ایں کیا کرتی ہو، کوڑیوں کا معاملہ برسوں کی بات۔ اب کچھ مت کہو۔ تمہاری غلطی کی سزا ہے کہ اتنا نقصان سہو۔" اصغری حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ زردے کی ترکیب اور لاگت تو معلوم ہوئی۔ بھلا دیگچہ بھرا سیر بھر زردہ تم سب نے کیا کیا ہے؟"

حسن آرا "منجھولی دو رکابیاں جوتی دار بھر کر تو اللہ کے نام کی مسجد میں بھیج دیں

لہ بیچ کی راس کی نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی ٹے یعنی اوپر کو نوک نکلی ہوئی ۱۲۔

باقی میں تیرہ طشتریاں بھری گئیں۔ مکتب میں ہم سب پچیس لڑکیاں ہیں۔ دو دو میں ایک ایک طشتری آئی تیرھویں طشتری میں میں اکیلی تھی"۔

اصغری "کیا تم نے دوہرا حصہ لیا؟"

حسن آرا "نہیں تو۔ میری طشتری آدھی ہی تھی سب سے پوچھ لیجئے"۔

اصغری "پھر تم برادری سے الگ کیوں رہیں؟"

حسن آرا تو چپ ہوئی۔ امتہ اللہ نے کہا "استانی جی ان کو سب کے ساتھ کھاتے گھن آتی ہے"۔

حسن آرا "نہیں استانی جی۔ گھن کی بات نہیں۔ میں دسترخوان پر سب لڑکیوں سے پیچھے آئی۔ اس سے اکیلی رہ گئی۔ آپ محمودہ بیگم سے دریافت کر لیجئے"۔

امتہ اللہ "کیوں تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی میرا جھوٹا پانی پینے پر لڑ نہیں چکیں"۔

حسن آرا "میں لڑی تھی یا صرف اتنی بات کہی تھی کہ جتنی پیاس ہو اگرے اُسی قدر پانی لیا کرو۔ گلاس میں جھوٹا پانی چھوڑ دینا عیب کی بات ہے"۔

پھر اصغری نے محمودہ سے پوچھا وہ رسالہ[1] خوان نعمت جو میں نے تم کو دیا تھا، اس میں کے تم سب کھانے پکا کر دیکھ چکیں یا ابھی نہیں؟"

محمودہ نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا "میں اپنی دانست میں سب پکا چکی ہوں۔ بلکہ کئی کئی بار نوبت آچکی ہے۔ جتنی بڑی لڑکیاں ہیں معمولی روزمرہ کے کھانوں کی ترکیب سب کو معلوم ہے اس کے علاوہ بھی ہر قسم کے کباب۔ سیخ کے[2] پسندوں کے۔ شامی۔ گولیوں کے۔ کوفتے۔ معمولی پلاؤ۔ قورمہ پلاؤ۔ کچی بریانی

---

[1] چھوٹی سی کتاب کو رسالہ کہتے ہیں۔ خوان نعمت اس کتاب کا نام ہے یعنی رنگ برنگ کی نعمتیں۔ مراد ہے کھانے [2] پانچ قسم کے کباب ہیں اور چار قسم کے نمکین چاول۔ از قسم پلاؤ اور دو قسم کے میٹھے چاول۔ ۱۲

نور محلی۔ زردہ۔ تتنجن[1]۔ سموسے۔ میٹھے سلونے۔ قلمی بڑے۔ دہی بڑے۔ سہال۔ سیو
گھی کی تلی دال۔ کچوریاں۔ پاپڑ۔ بورانی۔ فیرنی۔ حلوا سوہن پپڑی کا۔ نرم اندر
سے کی گولیاں سب چیزیں بار بار پک چکی ہیں اور سب لڑکیوں نے پکتے
دیکھیں بلکہ اپنے ہاتھوں پکائی ہیں۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے مکتب
میں ہنڈ کلھیا کا تو نام ہے جو چیز پکتی ہے خاصے ایک کنبے کے لائق پکتی ہے اور
حسن آرا کو تو چٹنیوں اور مربوں سے بہت شوق ہے۔ یہ چیزیں ان کے سوائے
اور لڑکیاں ذرا کم جانتی ہیں"

اس کے بعد اصغری نے سفیہن سے کہا کہ "بوا اب تم کو یہاں کی ہنڈ کلھیا
کا فائدہ تو معلوم ہو گیا ہو گا۔ رات زیادہ ہو گئی، بعض لڑکیوں کے گھر دور ہیں اگر
کل آؤ تو گڑیوں کی سیر تم کو دکھائیں اور شام تک رہو تو کہانیاں بھی سنوائیں"

سب لوگ رخصت ہوئے۔ سفیہن چلتے چلتے اصغری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے
لگی کہ "استانی جی للہ میرا قصور معاف کیجئے گا"

اگلے روز جو سفیہن آئی تو لڑکیوں کے کاڑھے ہوئے کشیدے۔ لڑکیوں
کے بنے ہوئے گوٹے۔ لڑکیوں کے موڑے ہوئے گوکھرو[3]۔ لڑکیوں کی بنائی ہوئی
ٹوپیاں اور چنیا۔ لڑکیوں کے قطع کئے ہوئے اور سیے ہوئے غرارے اور زنانے
کپڑے اصغری نے سب دکھائے۔ جن کے دیکھنے سے سفیہن کو نہایت اچنبھا[4] ہوا۔
اس کے بعد لڑکیوں کی گڑیوں کے گھر دکھائے۔ ان گھروں میں خانہ داری

---

[1] ہم نے تتنجن کو "ت" سے لکھا ہے اور اردو کے الفاظ میں سختی کے ساتھ عربی کی رعایت نبھ نہیں سکتی لیکن لغت عربی کی طرف رجوع کیا تو مطنجن اس گوشت کو کہتے ہیں جو توے پر بھونا جائے۔ شاید یہ متعارف تتنجن اسی سے ہو گوشت تو تنجن میں ہوتا ہے۔ مگر میٹھے چاول بھی اس کو لازم ہیں [2] نمکین دہی میں تلے ہوئے بیگن [3] گوکھرو۔ ٹوپی چنیا کپڑوں میں لگانے کے مسالے ہیں [4] تعجب ۱۲۔

کا سب لوازمہ[1] فرش فروش گاؤ تکیے - اگالدان چلمچی[2] - آفتابہ[3] - پٹاری[4] - پردہ چلمن - چھت گیری - پنکھا مسہری - پلنگ - ہر طرح کے برتن - ہر طرح کا سامان آرائش اپنے اپنے ٹھکانے سے رکھا ہوا تھا اور گڑیاں ایسی سجی ہوئی تھیں کہ عین[5] بین شادی کے گھر میں مہمان جمع ہیں - جب گڑیوں کے گھروں کو دیکھ چکی تو اصغری نے سفیہن سے کہا کہ "لڑکیوں کے سب کھیلوں میں مجھ کو گڑیوں کا کھیل بہت پسند ہے - اس کے ذریعے سے لڑکیاں سینا پرونا - کپڑوں کی قطع اور گھر کا بندوبست - ہر طرح کی تقریبات چھٹی[6] - دودھ چھٹائی[7] - کھیر چٹائی[8] - بسم اللہ[9]، روزہ - منگنی، عیدی - سانولی[10] - محرم کی قفلیاں[11] اور گوٹا[12]، نیز تیوہار - ساچق، برات، بہوڑا[13]، بیاہ، چلے - چوتھی کی راہ و رسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں - بوا سفیہن - تمہاری لڑکی تو ابھی تھوڑے دنوں سے آتی ہے - جو لڑکیاں میرے مکتب میں بہت دنوں سے ہیں - جیسے یہ بیٹی ام البنین یا میری نند محمودہ یا حسن آرا - توبہ توبہ[15] کر کے کہتی ہوں کہ اگر ان کو کسی بڑے بھرے پرے گھر کا انتظام اس وقت سونپ دیا جائے تو انشاء اللہ ایسا کریں گی جیسے کوئی بڑی مشاق[16] اور تجربہ کار کرتی ہے - میں تو صرف پڑھنے پر تاکید نہیں کرتی پڑھنے کے علاوہ ان کو دنیا کے کام کاج بھی بتاتی ہوں - جو چند روز بعد ان کے سر پڑیگا۔"

یہ کہہ کر اصغری نے حسن آرا کو بلایا اور کہا کہ "بوا - تمہاری گڑیا کا گھر تو خوب

---

[1] سامان [2] ہاتھ منہ دھونے کا باسن [3] ڈھکنے دار لوٹا [4] بڑا پاندان [5] چھت پردوں کا پلنگ [6] ہو بہو [7] مونڈن عقیقہ [8] دودھ چھڑانے کے بعد بچے کو کھیر چٹائی جاتی ہے اس کی شادی [9] پڑھنا شروع کرانے کی شادی [10] ساون کے مہینے میں ایک سمدھیانے سے دوسرے سمدھیانے میں جو اندرسے کی گولیاں پھینیاں وغیرہ جاتی ہیں - [11] کھیر کی قفلیاں [12] بن دھنیا وغیرہ [13] لڑکی کی رخصت [15] یعنی شیخی کی بات کہنی مناسب نہیں اس سے توبہ کرتی ہوں [16] جس کو کسی کام کی بڑی مشق اور مہارت ہو ۱۲

آراستہ ہے۔ صرف ایک کسر ہے کہ تمہاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نظر نہیں آتے۔ کیا تم کو رنگنا نہیں آتا؟"

حسن آرا:"رنگ تو مجھ کو محمودہ بیگم نے بہت سے سکھا دیے ہیں۔ یوں ہی آلکسی کے مارے نہیں رنگے"۔

اصغری:"بھلا بتاؤ تو"۔

حسن آرا:"استانی جی۔ برسات کے رنگ۔ سرخ، نارنجی، گل انار، گل شفتالو، سردئی۔ دھانی۔ اودا۔ جاڑے کے گیندئی، جوگیا، عنابی، کاہی، تیلیا، کاکریزی، سیاہ، نیلا، گلابی، زعفرانی، کوکئی۔ کرنجوی اور گرمی کے۔ پیازی۔ آبی چینی، کپاسی، بادامی، کافوری، دودھیا، خشخاشی، فالسئی۔ ملاگیری، سیندوریا۔ رنگ تو اور بہت ہیں مگر میں نے وہی بیان کئے جو اکثر پہنے جاتے ہیں"۔

اصغری:"رنگوں کے نام تو تم نے بہت سے گنوا دئے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ سب رنگ تم کو رنگنے بھی آتے ہیں"۔

حسن آرا:"میں نے اُن ہی رنگوں کا نام لیا ہے جو مجھ کو خود رنگنے آتے ہیں"۔

اصغری:"بھلا بتاؤ تو سردئی کیوں کر رنگتے ہیں؟

حسن آرا۔ کاہی[1] قند اچھے گہرے رنگ کی آدھ گز منگوائی۔ اور پانی کو خوب جوش کر کے پھٹکری کی ڈلی اور اوپر سے قند کا ٹکڑا ڈال کر ہلا دیا۔ پھٹکری کی تاثیر سے قند کا رنگ کٹ جائے گا۔ بس اس میں کپڑا رنگ لیا"۔

اصغری:"بھلا قند نہ ملے؟"

حسن آرا:"تو ٹیسو کے پھولوں کو جوش کر کے پھٹکری پیس کر ملا دی سردئی ہو جائے گا، لیکن ہلکا کپاسی ہو گا۔ اچھا سردئی بے قند کے نہیں رنگا جاتا۔ اور اگر قند کی جگہ

---

[1] بناؤ۔ سنورنا [2] ہری گھاس کے رنگ کی۔ ۱۲۔

بانات کا رنگ کاٹا جائے تو وہ عمدہ رنگ آتا ہے کہ سبحان اللہ لیکن ان دنوں مجنٹن ایسا چلا ہے کہ سب رنگوں کو مات کیا ہی، کپڑے تو کپڑے مٹھائی، کھانے کا گوٹہ مجنٹن میں نہایت خوش رنگ رنگا جاتا ہے۔ بڑی آپا جان نے مجنٹن کے رنگ کا زردہ پکا کر بھیجا تھا، زعفران سے بہتر رنگ تھا۔"

اصغری خانم نے گھبرا کر پوچھا "حسن آرا۔ کہیں تم نے وہ مجنٹن کے رنگے ہوئے چاول کھائے تو نہیں؟"

حسن آرا۔ میں نے کھائے تو نہیں لیکن اُستانی جی کیوں؟ کچھ بری بات ہی؟"

اصغری خانم "اے ہے مجنٹن میں سنکھیا پڑتی ہی۔ خبردار مجنٹن کی کوئی چیز زبان پر مت رکھنا۔"

حسن آرا "میں نے تو مجنٹن کا رنگا ہوا گوٹہ محرم میں بہت کھایا۔"

اصغری خانم "کیا ہوا۔ رتی برابر مجنٹن میں تو بہتیرا گوٹا رنگا جاتا ہو۔ اس سبب سے تم کو کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن یاد رکھو کہ اس میں زہر ہے۔"

حسن آرا "مجنٹن کی رنگی ہوئی مٹھائی لوگ منوں کھاتے ہیں۔"

اصغری خانم "بہت بُرا کرتے ہیں۔ زہر جب اپنی مقدار پر پہنچ جائیگا ضرور اثر کرے گا۔"

شام ہوئی تو لڑکیاں اپنے اپنے کشیدے اور کتابیں رکھ معمول کے مطابق کھیلنے اور کہانیاں اور پہیلیاں کہنے سننے کو آ بیٹھیں۔ اصغری نے سفیہن سے کہا کہ "یہاں چڑے چڑیا[1] کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کہانیوں کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے منتخب الحکایات

---

[1] ذرا سا سا اندازے کے چڑے چڑیا کی کہانی یہ کہ ایک تھی چڑیا اور ایک تھا چڑا۔ دونوں نے ملکر کھچڑی پکائی چڑا گیا تھی لینے چڑیا کھا پی، دروازہ بھیڑ، الوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہی چڑے نے آکر پکارا "چڑیا ری چڑیا دروازہ کھول" چڑیا نے کہا "دور موئے میری آنکھیں دکھتی ہیں" چڑا دروازہ توڑ اندر گیا دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ چوں چوں چوں چوں ۱۲

جس میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور ہر ایک کہانی سے ایک نصیحت کی بات نکالی ہے
اس کتاب کی زبان بھی بہت شستہ ہے۔ اب یہ لڑکیاں اسی کتاب کی کہانیوں سے
جی بہلائیں گی۔ کہانیاں کہنے سے ان کی تقریر صاف ہوتی ہے۔ ادائے مطلب کی استعداد
بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب کبھی مجھ کو فرصت ہوتی ہے۔ تو میں کہانیوں کے بیچ بیچ میں ان
سے اُلجھتی جاتی ہوں اور جیسی ان کی سمجھ ہے یہ میری بات کا جواب دیتی ہیں۔
اگر نادرست ہوتا ہے میں بتا دیتی ہوں۔ پہیلیوں کے بوجھنے سے ان کی عقل
کو ترقی اور ان کے ذہن کو تیزی ہوتی ہے۔ لیکن تم ان میں بیٹھ کر سیر دیکھو مجھ کو
آج عالیہ کی ماں نے بلا بھیجا ہے، ان کے بچے کا جی اچھا نہیں، بہت بہت منتیں
کہلا بھیجی ہیں۔ نہ جاؤں گی تو بُرا مانیں گی۔ اور میرا جی بھی نہیں مانتا۔"

سفیہن: "ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ اُن کے لڑکے نے کئی دن سے دودھ
نہیں پیا۔ بے چاری بہت ہراساں ہو رہی ہیں۔ اے ہے خدا کرے نگوڑا جیتا رہے
بڑی اللہ آمین کا بچہ ہے۔ دس برس میں پھڑک پھڑک کر خدا نے یہ صورت دکھائی
ہے۔ عالیہ کے اوپر یہی تو ایک بچہ ہوا ہے۔ اُستانی جی تم کو علاج کے واسطے بلایا ہوگا"

اصغری: "علاج ولاج تو مجھ کو کچھ بھی نہیں آتا۔ ایک مرتبہ پہلے اسی لڑکے کو
پیاس ہو گئی تھی میں نے زہر مہرہ۔ بنسلوچن۔ گلاب کا زیرا چھوٹی الائچی۔ زیرے
کی گری۔ کباب چینی۔ خرفہ۔ اس طرح کی دو چار دوائیں بتا دی تھیں۔ خدا کا کرنا لڑکا اچھا
ہو گیا۔" سفیہن: "استانی جی۔ تم تو ماشاء اللہ اچھی خاصی حکیم بھی ہو۔"

اصغری: "اجی اللہ اللہ کرو حکیموں کا تو بہت بڑا درجہ ہے۔ میں بے چاری کیا
حکیمی کروں گی۔ پر بات یہ ہے کہ ہمارے میکے میں دوا درمن کا بہت خیال ہے جب
میں چھوٹی تھی جو دوا آتی میں ہی اُس کو چھانتی بناتی اور خیال رکھتی۔ اس طرح پر

۱؎ صاف ۲؎ بیان سے خوشامد و عاجزی ۳؎ لفظی معنی لنگڑا اپاہج لیکن مراد ہے قابل رحم جیسے بے چارہ ۱۲

سُنی سنائی دو چار دوائیں یاد ہیں، جس کو ضرورت ہوئی بتا دی۔ اور بچوں کا علاج تو عورتیں ہی کر کرا لیا کرتی ہیں جب ایسی ہی مشکل آپڑتی ہے تو حکیم کے پاس لے جاتے ہیں۔"

سفیہن:۔ "اُستانی جی۔ تم نے مہربانی کر کے مجھ کو اپنے مکتب کا سب انتظام تو دکھایا للہ ذرا دم کے دم ٹھیر جاؤ تو میں دیکھ لوں کہ لڑکیاں کیوں کر کہانیاں کہتی ہیں اور کہانیوں میں کیوں کر تم تعلیم کرتی ہو۔"

اصغری:۔ "بوا مجھ کو تو دیر ہوتی ہے۔ پر خیر تمہاری خاطر ہے۔ اچھا لڑکیو آج کس کی باری ہے؟"

محمودہ:۔ "باری تو آمنۃ اللہ کی ہے۔ لیکن فضیلت سے کہلائیے۔"

اصغری:۔ "اچھا فضیلت۔ جس کتاب میں سے تمہارا جی چاہے جلدی سے کوئی بہت چھوٹی سی کہانی پڑھو۔"

فضیلت نے کہانی شروع کی کہ ایک تھا بادشاہ۔۔۔۔۔"

اصغری:۔ "بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟"

فضیلت:۔ "جیسے دہلی میں بہادر شاہ تھے۔"

اصغری:۔ "یہ تو تم نے ایسی بات کہی کہ جو دہلی اور بہادر شاہ کو جانتا ہو وہی سمجھے۔"

فضیلت:۔ "بادشاہ کہتے ہیں حاکم کو۔"

اصغری:۔ "تو کوتوال تھانہ دار بھی بادشاہ ہیں؟"

فضیلت:۔ "نہیں۔ کوتوال تھانہ دار تو بادشاہ نہیں ہیں، یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں۔"

اصغری:۔ "کیوں۔ کیا کوتوال حاکم نہیں ہے؟"

فضیلت۔ "حاکم تو ہے لیکن بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے اور سب پر حکم چلاتا ہے۔"

اصغری:۔ "ہمارا بادشاہ کون ہے؟"

فضیلت:۔ "جب سے بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تب سے تو کوئی بادشاہ نہیں۔"

یہ سُن کر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری: ”فضیلت۔ تم بڑی نادان ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حاکم ہو۔ اور سب پر حکم چلائے وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے۔ تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟“

فضیلت: ”ہاں ہوئے تو سہی“

اصغری: ”اچھا اب بتاؤ ہمارا کون بادشاہ ہے؟“

فضیلت: ”انگریز“

اصغری: ”کیا انگریز کسی خاص شخص کا نام ہے؟“

فضیلت: ”نہیں سینکڑوں ہزاروں انگریز ہیں“

اصغری: ”کیا سب انگریز بادشاہ ہیں؟“

فضیلت: ”اور کیا؟“

یہ سُن کر پھر لڑکیاں ہنسیں۔

اصغری نے حسن آرا کی طرف اشارہ کیا کہ ”تم جواب دو“

حسن آرا: ”استانی جی۔ ہمارا بادشاہ ملکہ وکٹوریہ ہے“

اصغری: ”مرد ہے یا عورت؟“

حسن آرا: ”عورت ہے“

اصغری: ”کہاں رہتی ہیں“

حسن آرا: ”لندن میں“

اصغری: ”لندن کہاں ہے؟“

حسن آرا: ”انگریزوں کی ولایت میں ایک بہت بڑا شہر ہے“

اصغری: ”کتنی دُور ہوگا؟“

حسن آرا: "میں نے ایک کتاب میں چار ہزار کوس لکھا دیکھا ہے۔"

اصغری: "کوس کتنا لمبا ہوتا ہے؟"

حسن آرا: "استانی جی۔ سلطان نظام الدین کو تین کوس کہتے ہیں تب"

یہ سن کر محمودہ ہنسی اور کہا کہ "۷۶۰، اگز کا ہوتا ہے۔"

اصغری نے محمودہ سے پوچھا کہ اس مرتبہ جو میں قطب صاحب گئی تھی اور تم بھی میرے ساتھ تھیں۔ تم نے بھی دیکھا تھا کہ یہاں سے جاتیوں کو بائیں ہاتھ فاصلے سے سڑک پر پتھر گڑے تھے اور ان پتھروں پر کچھ لکھا ہوا بھی تھا۔ بھلا وہ پتھر کیسے تھے؟"

محمودہ: "میں اٹکل سے یہی سمجھی تھی کہ کوسوں کے پتھر ہیں۔ لیکن گاڑی ایسی تیز تھی کہ پتھروں پر نگاہ نہیں جمتی تھی۔ میں خوب نہیں پڑھ سکی کہ ان پر کیا لکھا تھا۔"

اصغری: "وہ کوسوں کے پتھر نہیں تھے۔ میلوں کے پتھر تھے۔ آدھے کوس کا میل ہوتا ہے۔ ہر میل پر پتھر گڑا ہے۔ اس میں یہی لکھا ہوتا ہو کہ یہاں سے دہلی اس قدر میل ہے۔ اور قطب صاحب اتنے میل۔" اس کے بعد اصغری پھر حسن آرا کی طرف مخاطب ہوئی اور پوچھا: "ہاں بوا۔ لندن کس طرف ہے؟"

حسن آرا: "اُتر میں ہے۔"

اصغری: "وہ ملک گرم ہے یا سرد؟"

حسن آرا: "یہ تو میں نہیں جانتی۔"

محمودہ: "بڑا سرد ہے۔ جتنا اتر کو جاؤ گرمی کم ہے اور جتنا دکھن کو چلو گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔"

سفیہن: "اچھی استانی جی۔ عورت بادشاہ ہے؟"

اصغری: "اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

سفیہن: "تعجب کی بات کیوں نہیں؟ عورت ذات کیا کرتی ہوگی؟"

اصغری: "جو مرد بادشاہ کرتے ہیں وہی عورت کرتی ہے۔ ملک کا بندوبست، رعیت کا پالنا"۔

سفیہن: "عورت تو کیا خاک کرتی ہوگی۔ کرتے سب کچھ انگریز ہوں گے۔ برائے نام عورت کو بادشاہ بنا رکھا ہوگا"۔

اصغری: "یہ سب انگریز ملکہ کے نوکر ہیں۔ ہر ایک کا کام الگ ہے۔ ہر ایک کا اختیار جدا ہے۔ اپنے اپنے کام پر سب مستعد رہتے ہیں۔ اور جب مرد بادشاہ ہوتے ہیں۔ تب بھی اکیلا بادشاہ ساری دنیا کو اُٹھا کر اپنے سر پر نہیں رکھ لیا کرتا۔ نوکر چاکر ہی سب کام کیا کرتے ہیں"۔

سفیہن: "میرا جی تو قبول نہیں کرتا کہ عورت ذات بادشاہت کر سکے"۔

اصغری: "تم نے بھوپال کی بیگم کا نام بھی سنا ہے"۔

سفیہن: "کیوں سنا کیوں نہیں؟ خود میرے سُسرے بھوپال میں نوکر ہیں"۔

اصغری: "بس اسی طرح سمجھ لو۔ بھوپال ذرا سا ملک ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے پاس بڑی سلطنت ہے جس طرح بھوپال کی بیگم اپنے چھوٹے ملک کا بندوبست کرتی ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ اپنی بڑی سلطنت کا انتظام کرتی ہیں۔ بھوپال چھوٹی سرکار ہے، نوکر چاکر کم ہیں اور تھوڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کی سرکار بڑی عالی جاہ[1] سرکار ہے۔ بڑے کارخانے۔ لاکھوں نوکر۔ تنخواہیں بیش[2] قرار[3]"۔

سفیہن: "اچھی، ملکہ کا کوئی میاں ہے؟"۔

اصغری: "ہاں۔ مگر موت پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ چاند کو بھی خدا نے داغ لگا دیا ہے۔ کئی برس ہوئے ملکہ بیوہ ہوگئیں"۔

سفیہن: "ملکہ کی اولاد ہے؟"۔

---

[1] اونچے درجے کی [2] خاطر خواہ۔ [3] بڑی بڑی۔

اصغری: "ہاں خدا رکھے بیٹے پوتے بیٹیاں نواسیاں سب کچھ ہے"

سفیہن: "اچھی ملکہ اس ملک میں کیوں نہیں آتیں؟"

اصغری: "وہاں بھی بڑا ملک ہے۔ وہاں کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ اور بادشاہوں کا جگہ سے ملنا ایسی کیا آسان بات ہے۔ لیکن ان دنوں ملکہ کا منجھلا بیٹا آنے والا ہے۔ بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں نے اخبار میں دیکھا ہے"

سفیہن: "اچھی ملکہ کو ہزاروں کوس دور بیٹھے یہاں کی کیا خبر ہوتی ہوگی؟"

اصغری: "کیوں نہیں؟ ذرا ذرا خبر ہوتی ہے۔ ڈاک اور تار برقی پر رات دن خبریں آتی جاتی ہیں۔ ہزاروں اخبار ولایت جاتے ہیں"

سفیہن: "ملکہ کو کیوں کر دیکھیں؟"

اصغری: "کیوں کر بتاؤں۔ لیکن ان کی تصویر البتہ دیکھ سکتی ہو"

سفیہن: "خیر تصویر ہی دیکھ لیتے"

اصغری: "لو تم بھی تماشے کی باتیں کرتی ہو۔ کیا تم نے روپیہ نہیں دیکھا؟"

سفیہن: "کیوں نہیں دیکھا"

اصغری: "عورت کا چہرہ جو بنا ہے۔ وہ ملکہ کی تصویر ہے خطوں کے ٹکٹوں پر ملکہ کی تصویر ہے، اور میرے پاس ملکہ کی ایک بڑی عمدہ تصویر اور ہے۔ میرے ابا کو کسی انگریز نے دی تھی۔ وہ انھوں نے میرے پاس بھیج دی تھی۔ محمودہ ذری میرا صندوقچہ تو اٹھا لاؤ"

صندوقچے میں سے اصغری نے ملکہ کی تصویر نکال کر دکھائی۔ اور سب لڑکیوں نے نہایت شوق سے ملکہ کی تصویر کو دیکھا۔

سفیہن: "کیا اچھی تصویر ہے بالکل ملکہ کھڑی ہیں، بس بولنے کی دیر ہے"

اصغری: "بے شک یہ تصویر ہو بہو ملکہ کی ہے روپے کے چہرے سے ملا کر دیکھو

کتنا فرق ہے۔ یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ ایک آئینہ ہوتا ہے اس کو کچھ مصالح لگا کر سامنے رکھ دیتے ہیں خود بخود جیسے کا تیسا عکس اتر آتا ہے۔"

سفیہن:۔ "ملکہ کی صورت تو بہت ہی پاکیزہ ہے۔"

اصغری:۔ "اب صورت کی پاکیزگی کو کیا دیکھتی ہو۔ ایک تو عمر۔ دوسرے بیوگی کا رنج اور سب سے بڑھ کر ملک داری کے تردّدات۔ پر ہاں میں نے ملکہ کی اس وقت کی تصویر دیکھی تھی جب ان کا نیا نیا بیاہ ہوا تھا۔ بلا مبالغہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے چودھویں رات کا چاند۔"

سفیہن:۔ "کیوں استانی جی جب ملکہ کے بیٹے ہیں تو باپ کے مرنے پر بڑا بیٹا تخت پر کیوں نہ بیٹھا؟"

اصغری:۔ "یہ تخت ملکہ کے شوہر کا نہیں ہے بلکہ ملکہ نے اپنے چچا سے پایا ہے اور ملکہ نے تخت نشین ہونے کے بہت دنوں بعد اپنا بیاہ کیا۔"

سفیہن:۔ "ہاں تو یوں کہو ملکہ کے شوہر بادشاہ نہ تھے۔"

اصغری:۔ "نہیں نہیں۔ مگر وہ شاہی خاندان سے تھے۔"

سفیہن:۔ "مجھے تو رہ رہ کر یہی آتا ہے کہ عورت سے ملک کا بندوبست کیا ہوتا ہوگا۔"

اصغری:۔ "تم کیسی لغو[1] اور لایعنی[2] باتیں کرتی ہو۔ تم نے ملکہ کو اپنی جیسی یا میری جیسی عورت سمجھ رکھا ہے اس سے تم کو تعجب ہوتا ہے لیکن بیوی بتو۔ خدا جن کے رتبے بڑے کرتا ہے ویسا ہی حوصلہ اور ویسی ہی عقل بھی ان کو دیتا ہے۔ نہ سب مرد یکساں نہ سب عورتیں یکساں۔ اور ہم کو اس کا کیا سوچ پڑ گیا کہ ملکہ اپنی عقل سے ملک کا بندوبست کرتی ہیں جیسا کہ واقعی ہے۔ یا کرتے سب کچھ وزیر اور صلاح کار ہیں۔ اور ملکہ صرف برائے نام ہیں، جیسا کہ تم شبہ کرتی ہو۔ ہم کو تو اتنا بس کرتا ہی کہ ملکہ

---

[1] یعنی میں کچھ بڑھ چڑھ کر نہیں کہتی۔ [2] بیہودہ [3] بے معنی ۱۲۔

کی عمل داری ہیں (خدا ان کو سلامت رکھے) امن چین سے بیٹھے ہیں۔ کسی طرح کا زور نہیں ظلم نہیں، بھینٹ نہیں، بیگار نہیں، لوٹ نہیں، کھسوٹ نہیں، مار نہیں دھاڑ نہیں، لڑائی نہیں جھگڑا نہیں۔ تم کو اس عمل داری کی جب قدر آئے کہ کسی دوسری عمل داری ہیں جا کر رہو اور گئی تو میں بھی نہیں اور خدا نہ لے جائے۔ لیکن تاریخ کی کتابوں میں دیکھتی ہوں۔ اخبار پڑھتی ہوں۔ بعض ظالم بادشاہوں نے لوگوں کو ایسا ایسا ستایا ہے کہ اُن کے حالات دیکھ کر کلیجہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ اور اب بھی دنیا میں سبھی طرح کے بادشاہ ہیں۔ لیکن خلق اللہ کو جیسا کچھ آرام ہماری ملکہ وکٹوریہ کی عمل داری میں ہے روئے زمین پر کہیں نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ملکہ یہاں ہمارے میں رہتی ہوتیں تو ہم لوگوں کو ان کی ذات سے بہت فائدے پہنچتے پھر بھی میں نے تحقیق سنا ہے کہ جب یہاں کی رعایا کی ذرا سی تکلیف بھی سن پاتی ہیں تو اُن کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اور ملکہ کی رحم دلی اور خدا ترسی کی حکایتیں جو کبھی کبھی اخبار میں نظر سے گزری ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک اُن کو ہم لوگوں کی پرداخت[3] کا بہت بڑا خیال ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ ہو نہ ہو ملکہ نے اپنے بیٹے کو بھی اسی غرض سے بھیجا ہے کہ اپنی آنکھوں سے رعیت کا حال دیکھو اور مجھ سے آ کر کہو۔"

سفیہن :- "ملکہ کے بیٹے کب تک آنے والے ہیں؟"

اصغری :- "ابھی روانگی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی مگر آنا ٹھیر چکا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اصل خیر سے شاید ڈیڑھ دو مہینے میں داخل ہو جائیں گے۔"

سفیہن :- "یہاں دلّی میں بھی آئیں گے؟"

اصغری :- "ضرور، تمام ہندوستان میں پھریں گے۔ دلّی تو بڑا امت ہو شہر ہے۔ سینکڑوں برس تک مسلمان بادشاہوں کا دارالسلطنت[4] رہا ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔

---

[1] نذر۔ [2] مفت کی ٹہل۔ [3] پرورش۔ [4] تخت کی جگہ۔ ۱۲

کہ یہاں نہ آئیں۔"

سفیہن :" ہم کو کیا۔ ہماری طرف سے آئے نہ آئے دونوں برابر۔ ہم ان کو دیکھ تو سکتے ہی نہیں۔"

اصغری :" اور دیکھ بھی سکتیں تو کیا کرتیں؟ آنے دو میں ان کی تصویر بھی تم کو دکھلا دوں گی۔"

سفیہن :" استانی جی اگر ملکہ کے بیٹے کی تصویر تمہارے پاس ہے تو ابھی دکھا دو نہ۔"

اصغری :" میرے پاس ہے بھی نہیں اور میں نے دیکھی بھی نہیں۔ مگر ابا کلکتے کے دربار میں جانے والے ہیں۔ انھوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ بن پڑا تو تمام شاہی خاندان کے لوگوں کی تصویریں تمہارے لیے لاؤں گا۔"

سفیہن :" حسن آرا نے لندن کو چار ہزار کوس بتایا تو کہیں برسوں میں یہاں سے وہاں تک آتے جاتے ہوں گے۔"

اصغری :" نہیں سمندر سمندر ایک مہینے میں بافراغت پہنچ جاتے ہیں۔"

سفیہن :" اے ہے سمندر ہو کر جانا پڑتا ہے! توبہ۔ انگریزوں کے بھی کیسے دل ہیں! ان کو سمندر سے ڈر نہیں لگتا؟ میرے تو سمندر کے نام سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔"

اصغری خانم :" سمندر سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مزے میں جہاز پر بیٹھ لئے۔ اچھا خاصہ خانۂ رواں[1] بن گیا۔"

سفیہن :" اے ہے استانی جی ڈوبنے کا کیسا بڑا کھٹکا ہے؟ لو پار سال کی بات ہے نواب قطب الدین خاں کے ساتھ میری خلیا ساس حج کو گئی تھیں کچھ ایسی گھڑی کی گئیں کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہیں ہوا۔"

اصغری خانم :" ہاں اتفاق کی بات ہے۔ جہاز کبھی کبھار ڈوب بھی جاتے ہیں۔

---

[1] چلتا ہوا گھر۔ ۱۲

اور اگر خدانخواستہ آئے دن ڈوبا کریں تو سفر دریا کا کوئی نام نہ لے۔ اب تو دریا کا راستہ خشکی کی سڑکوں سے زیادہ آباد ہو رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں جہاز رات دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ انگریز اور ان کے بیوی بچے اور کل انگریزی اسباب سب جہاز کی راہ یہاں آتا ہے۔"

سفیہن :- انگریزوں کی عورتوں کا کیا ذکر اور ہماری اُن کی کیا ریس؟ وہ تو باہر پڑی پھرتیاں ہیں۔ سنتی ہوں ننھے ننھے بچوں کو ولایت بھیج دیتی ہیں۔ اور ان کا دل نہیں کڑھتا۔ نہیں معلوم کس قسم کی مائیں ہیں۔ کیوں کر ان کے دل کو صبر آتا ہے؟ پھر باہر کی پھرنے والیاں اور پتھر کے کلیجے۔ ان کو ایک سمندر کیا۔ ہوا پر اڑنا بھی مشکل نہیں۔"

اصغری خانم :- باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی تو اُن کے ملک میں پردے کا دستور نہیں۔ غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں میں بھاگ کر گئے تھے۔ وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتیاں تھیں لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی باہر کی پھرنے والیوں میں وہ لحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے۔ اور بچوں کو ولایت بھیج دینے سے تم کیوں کر سمجھیں کہ اولاد کی محبت نہیں؟ البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے، یہاں کی ماؤں کی طرح باؤلی محبت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں، ہنر حاصل کرنے سے باز رکھیں۔ نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتیاں ہیں۔ اولاد کو ناہموار اٹھاتی جاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں۔"

یہاں پہنچ کر سب نے سکوت کیا اور فضیلت نے اپنی کہانی پھر شروع کی۔

اور اس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا اکیلی ایک بیٹی تھی، بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ میرے بعد یہی لڑکی وارثِ سلطنت ہوگی اس لڑکی کو خوب پڑھوایا اور لکھوایا اور ملک داری کا

قانون قاعدہ سب اُس کو اچھی طرح سیکھایا اور اپنے جیتے جی اُسی کو ملک کا کام سونپ دیا۔ فضیلت یہاں تک پہنچی تھی کہ اصغری خانم نے کہا "بوا۔ تم تو جھپ جھپ کہانی کہتی جاتی ہو اور میرے دل میں پوچھنے کو ہزاروں باتیں بھری ہیں پر کیا کروں دن تو ہو چکنے پر آیا اور مجھ کو عالیہ کے گھر جانا ضرور ہے۔ شام کے وقت کسی کے گھر عیادت[1] کو جانا بھی منع ہے۔ میں تو اب نہیں ٹھہر سکتی۔ تم لڑکیاں آپس میں کہو سنو" اور سفیہن سے کہا "لو بوا۔ اللہ بیلی[2]۔ میں تو جاتی ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو تم بیٹھی رہو یا کل پھر آجانا۔ یہاں تو روز یہی ہوا کرتا ہے"

غرض اصغری خانم تو عالیہ کے گھر روانہ ہوئیں اور سفیہن تو ایسی ریجھیں کہ پہر رات تک لڑکیوں میں بیٹھی رہ گئیں۔ اصغری خانم کے پیچھے محمودہ اور حسن آرا نے کہانی کے بیچ بیچ میں خوب خوب مزے کی باتیں نکالیں۔

اس بیان سے اصغری کے مکتب کا انتظام اور اُس کی تعلیم اور تلقین کا طریقہ بخوبی ظاہر ہے۔ اصغری بے شک حسن آرا کو بہت چاہتی تھی مگر اس سے زیادہ اپنی نند محمودہ کو۔ حسن آرا کو اس خوبی سے پڑھایا کہ دو ہی برس میں اچھی خاصی طرح بے تکلف اردو لکھ پڑھ لیتی تھی۔ نہ اگلی سی بد مزاجی باقی رہی نہ پہلا سا چڑچڑا پن۔ بڑی غریب، لکھی پڑھی۔ ہنرمند، ہوشیار، نیک، پیاری بیٹی بن گئی۔ جمال آرا کا برسوں کا اجڑا ہوا گھر اصغری کی بدولت خدا نے پھر آباد کیا۔ لیکن یہ تمام قصہ دوسری کتاب میں لکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حکیم جی کا تمام گھر چھوٹے بڑے اصغری کے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔ سلطانہ بیگم نے لاکھ لاکھ جتن کئے کہ اصغری کچھ لے مگر اس خدا کی بندی نے اپنی آن نہ توڑی۔ جب حسن آرا کا بیاہ ہونے لگا تو بڑے حکیم صاحب نے مولوی محمد فاضل کا دباؤ ڈال کر اصغری کو ہزار روپے کے جڑاؤ کڑے دئے اور کہا سنو۔ تم میری پوتی

---

[1] بیمار کی خبر پوچھنے کو عیادت اور بیمار پرسی کہتے ہیں [2] اللہ حافظ ۱۲

اور نوابیوں کے برابر ہو میں تم کو انسانی گیری کی رو سے نہیں دیتا۔ بلکہ اپنا بچہ سمجھ کر دیتا ہوں۔ اور نہ لوگی تو مجھ کو سخت ملال ہوگا۔ ادھر مولوی صاحب نے سمجھایا تو اصغری نے کپڑے لے لئے"۔

باب چھبیسواں (۲۶)

اصغری اپنے میاں کو نوکری کے رستے پر لگاتی ہے

ادھر تو اصغری اپنے مکتب میں مصروف تھی اُدھر محمد کامل بے روزگاری سے گھبراتا تھا۔ ایک دن اصغری سے کہنے لگا "اب میرا جی بہت گھبراتا ہے۔ اگر تمہاری صلاح ہو تو میں تحصیلدار صاحب کے پاس پہاڑ پر چلا جاؤں اور ان کے ذریعے سے نوکری تلاش کروں"۔

اصغری نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا کہ "نوکری کرنی تو بہت ضرور ہے۔ اس واسطے کہ تم دیکھتے ہو کیسی تنگی سے گھر میں گزر ہوتی ہے۔ ابا جان اب بڑھے ہوئے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ گھر بیٹھیں اور تم کما کر اُن کی خدمت کرو۔ علاوہ اس کے محمودہ بڑی ہوتی جاتی ہے۔ میں اس کی منگنی کی فکر میں ہوں اور خدا راس لائے تو ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس کا بیاہ ہو۔ اور میں تدبیر کر رہی ہوں انشاء اللہ اسی برس اُس کی بات ٹھیری جاتی ہے۔ لیکن اس کے واسطے بڑا سامان درکار ہوگا۔ اور اس وقت تک کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔ بھائی جان اول تو الگ ہیں اور پھر ایسی تھوڑی نوکری میں اُن کی اپنی بسر اوقات نہیں ہو سکتی، دوسرے کو

۱؎ اصغری کے والد ۲؎ محمد کامل کے والد ۳؎ محمد عاقل ۴؎ گزران۔ ۱۲

کہاں سے دے سکتے ہیں۔ بس سوائے اس کے کہ تم نوکری کرو اور کوئی صورت نہیں۔ لیکن پہاڑ پہ جانے کی میری صلاح نہیں۔ ابا تو تمہارے واسطے کوشش کریں گے اور غالب ہے کہ جلد تر تم کو اچھی نوکری مل بھی جائے گی لیکن کسی کا سہارا پکڑ کر نوکری کرنا کچھ ٹھیک سی بات نہیں۔ بلا سے تھوڑی ہو پر اپنے قوت بازو سے ہو۔ گو ابا کوئی غیر نہیں ہیں۔ رشتے میں بھی تم سے ان کا ہاتھ اونچا ہی۔ ان سے لینا کیا بلکہ مانگنا بھی عیب نہیں، پھر بھی خدا کسی کا احسان مند نہ کرے سدا کو آنکھ جھک جاتی ہے۔ انہوں نے منہ پر نہ رکھا تو گنیے میں اللہ رکھے سو آدمی ہیں رُو در رُو نہ کہیں گے تو پیٹھ پیچھے ضرور کہیں گے کہ دیکھو سسرے کے سہارے سے نوکر ہوئے۔"

محمد کامل۔ "پھر کیا کروں؟ لاہور چلا جاؤں؟"

اصغری۔ لاہور میں کیا دھرا ہے؟ رئیس کی سرکار خود تباہ ہی۔ ابا جان کو بھی نہیں معلوم پہلے کا لحاظ مان کر وہ کس طرح پچاس روپیہ دیتا ہے۔ نئے آدمی کی کی گنجائش اس کی سرکار میں کہاں۔"

محمد کامل۔ "اور بہت سرکاریں ہیں۔"

اصغری۔ "جب سے انگریزی عمل داری ہوئی سب رئیس اسی طرح تباہ ہیں پچھلے نام نمود کو نباہتے ہیں، اس سے دس پانچ صورتیں اُن کے یہاں لگی لپٹی رہتی ہیں سو بھی کیا خاک ہے۔ برسوں تنخواہ نہیں ملتی۔"

محمد کامل۔ "پھر کیا علاج؟"

اصغری۔ "انگریزی نوکری تلاش کرو۔"

محمد کامل۔ "انگریزی نوکری تو بے سعی سفارش کے نہیں ملتی۔ ہزاروں لاکھوں آدمی مجھ سے بہتر بہتر مارے مارے پڑے پھرتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا۔"

ك اگرچہ ك یعنی وہ دینے والے ہیں اور تم لینے والے ك مراد ہے آدمی ك یعنی کچھ نہیں ك یعنی دھکے کھاتے ہوئے ۱۲

اصغری۔ "ہاں سچ ہے۔ لیکن جب آدمی کسی بات کا ارادہ کرے تو خدا پر توکل کر کے ناامیدی کا تصور ذہن میں نہ آنے دے۔ مانا کہ ہزاروں نوکری کی جست[1] وجو میں لاحاصل[2] پھرتے ہیں۔ لیکن جو نوکر ہیں وہ بھی تو تم ہی جیسے آدمی ہیں۔ اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ نوکری تقدیر سے ملتی ہے۔ بڑے بڑے لائق دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور خدا کو دینا منظور ہوتا ہے تو نہ وسیلہ ہے نہ لیاقت چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ گھر سے بلا کر نوکر رکھ لیتے ہیں۔"

محمد کامل۔ "تو غرض یہ ہے گھر بیٹھا رہوں۔"

اصغری۔ "یہ ہرگز میرا مطلب نہیں۔ جہاں تک اپنے سے ہو سکے ضرور کوشش کرنی چاہئے۔"

محمد کامل۔ "یہی تو مشکل ہے کہ کیا کوشش کروں۔"

اصغری۔ "جو لوگ نوکری پیشہ ہیں اُن سے ملاقات پیدا کرو۔ اُن سے محبت بڑھاؤ۔ ان کے ذریعہ سے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی۔ اور اُن ہی کے ذریعہ سے تم کسی حاکم تک بھی پہنچ جاؤ گے[3]۔"

محمد کامل نے یہی کیا کہ نوکری پیشہ لوگوں سے ملاقات کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ سر رشتہ دار، تحصیل دار، ایسے لوگوں میں بھی آنے جانے لگا۔ رونے کے آنے جانے سے سب کو معلوم ہوا کہ ان کو بھی نوکری کی جست وجو ہے۔ یہاں تک کہ بندہ علی بیگ نے جو کچہری میں اظہار نویس تھے محمد کامل سے کہا کہ میاں نوکری کی تلاش ہے تو میرے ساتھ کچہری چلا کرو، چندے امیدواری کرو۔ سر رشتے کے کام سے واقفیت بہم پہنچاؤ، حاکموں کو صورت دکھاؤ۔ اسی طرح کبھی نہ کبھی ڈھب سے بھی لگ جائے گا۔ محمد کامل کچہری جانے اور بندہ علی بیگ کے ساتھ کام کرنے لگا۔

---

[1] بھروسا [1] تلاش [2] بے فائدہ یے مطلب [3] یعنی نوکر ہو جاؤ گے۔ ۱۲

یہاں تک کہ حاکم سے دستخط کرا لانا۔ حاکم لوگ اس کو جاننے پہچاننے لگے۔ اسی اثنا[1] میں چھوٹے چھوٹے عہدے داروں کی دو چار عوضیاں بھی محمد کامل کو مل گئیں۔ کسی عملے کو رخصت کی ضرورت ہوئی وہ آدھی تہائی تنخواہ پر اس کو عوضی دے گیا۔ یہاں تک کہ اتفاق سے ایک دس روپے کا روزنامچہ نویس تین مہینے کی رخصت پر گیا تھا۔ تین مہینے بعد اس نے استعفا بھیج دیا اور مولوی محمد کامل صاحب اس کی جگہ مستقل ہو گئے۔ کبھی کبھی اصغری سے نوکری کا تذکرہ آتا تو محمد کامل حقارت کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ کیا واہیات نوکری ہے۔ دن بھر پیسنا اور دس ڈوپلی[2]۔ نہ اوپر سے کچھ پیدا ہے نہ آئندہ کو ترقی کی امید۔ میں تو اس کو چھوڑ دوں گا۔ اصغری ہمیشہ ایسے خیالات پر ملامت کرتی کہ سخت درجے کی ناشکری تم کرتے ہو۔ وہ دن بھول گئے کہ امیدواری بھی نصیب نہ تھی یا اب برسرِ کار[3] ہو تو قدر نہیں کرتے۔ گھر کے گھر میں دس روپے کیا کم ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو دیکھو کہ کئی برس تک سوداگر کے یہاں دس روپے کی نوکری کرتے رہے۔ اور جب تم نوکری سے ایسے دل برداشتہ[4] ہو تو تم سے کام بھی کیا خاک ہوتا ہوگا۔ آخر کو نوکری خود چھوٹ جائے گی۔ اور اسی طرح تھوڑے سے بہت بھی ہوتا ہے۔ ہمارے ابا پہلے آٹھ روپے مہینے کے نقل نویس تھے۔ اب خدا کے فضل سے تحصیلدار ہیں اور خدا نے چاہا تو اور بھی بڑھیں گے۔ اوپر کی آمدنی پر کبھی بھول کر بھی نظر مت کرنا حرام کے مال میں ہرگز برکت نہیں ہوتی۔ تقدیر سے بڑھ کر مل نہیں سکتا۔ پھر آدمی کیوں نیت کو ڈانواں ڈول کرے۔ اگر اس سے زیادہ ملنے والا ہے تو خدا حلال سے بھی دے سکتا ہے۔

---

[1] ان ہی دنوں میں [2] روپے کو حقارت سے ڈوپلی کہتے ہیں [3] کام کے سر [4] یعنی تمہارا دل اچاٹ ہو ۱۲

باب ستائیسواں[۲۷]

اصغری کے سمجھانے سے محمد کامل پردیس کو نکلا اور ترقی پائی!!

غرض اصغری ہمیشہ محمد کامل کو سمجھاتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ جس حاکم کے پاس محمد کامل نوکر تھا اس کی بدلی سیالکوٹ کو ہوئی۔ یہ حاکم محمد کامل پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ دن کو کچہری میں یہ حال معلوم ہوا۔ شام کو محمد کامل گھر آیا تو بہت افسردہ[۱] خاطر تھا۔ اصغری نے پوچھا "خیریت ہے؟ آج کیوں اداس ہو؟"

محمد کامل "۔ کیا بتاؤں۔ جیمس صاحب کی بدلی سیالکوٹ کو ہوگئی۔ وہی تو ایک مہربان حال تھے۔ اب کچہری میں رہنے کا مطلق مزہ نہیں"۔

اصغری نے بہت دیر تک سکوت[۲] کیا۔ پھر کہا کہ "بے شک جیمس صاحب کا بدل جانا افسوس کی بات ہے۔ لیکن نہ اس قدر کہ جتنا تم کو ہے۔ دوسرا جو اُن کی جگہ آئے گا خدا اس کے دل میں بھی رحم ڈال دے گا۔ آدمی کو آدمی پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیے"۔ پھر اصغری نے پوچھا "جیمس صاحب کب جائیں گے؟"

محمد کامل "کل شام کو ڈاک میں سوار ہو جائیں گے"۔

اصغری "تم ان کے بنگلے پر نہیں گئے؟"

محمد کامل "اب کیا جانا؟"

اصغری "واہ یہی تو ملنے کا وقت ہے۔ کچھ نہ ہوگا تو کوئی چٹھی پروانہ تم کو دے جائیں گے۔ اور پھر ذرا دل میں سوچو۔ ایسے وقت اپنے مربی[۳] اپنے محسن[۴] سے آنکھیں[۵]

---

[۱] رنجیدہ۔ اداس [۲] یعنی چپ رہی [۳] پرورش کرنے والے [۴] احسان کرنیوالے [۵] سامنے نہ ہونا۔ ۱۲

چھڑانا بڑی بے مروتی کی بات ہے۔"

محمد کامل:"یہ جو میں نے کہا کہ اب کیا جانا۔ سوچ کے مارے میرے منہ سے نکل گیا ورنہ ممکن نہیں کہ میں اور جیمس صاحب سے نہ ملوں۔ اچھا صبح کو ضرور جاؤں گا۔"

بہت سویرے کپڑے پہن محمد کامل جیمس صاحب کے بنگلے پر گیا۔ جیمس صاحب نے کہا:"محمد کامل۔ ہم اب سیالکوٹ جاتا ہے اور ہم تم سے بہت راضی تھا۔ تم چاہے تو ہمارے ساتھ سیالکوٹ چلے ہم تم کو وہاں نوکری دے گا نہیں اپنے پاس سے پندرہ روپے دے گا۔"

محمد کامل نے سوچ کر کہا:"اس کا جواب میں حضور کو پھر حاضر ہو کر دوں گا اپنی والدہ سے پوچھ لوں۔"

غرض محمد کامل گھر لوٹ کر آیا تو ذکر کیا کہ جیمس صاحب مجھ کو ساتھ لئے جاتے ہیں۔ محمد کامل کی ماں نے تو سنتے ہی غل مچایا۔ اصغری بھی سناٹے میں ہو گئی۔ آخر محمد کامل نے پوچھا کہ صاحبو! بتاؤ میں جا کر کیا جواب دوں؟"

محمد کامل کی ماں بولیں:"جواب کیا دینا ہے۔ اب کیا وہ تیرے لئے بیٹھا رہے گا یا تیرے لئے سپاہی بھیج رہا ہے۔"

محمد کامل:"نہیں بی۔ میں اس سے وعدہ کر آیا ہوں۔ اپنے جی میں کہے گا۔ ہندوستانی کیسے خود مطلبی ہوتے ہیں، چلتے وقت ہم سے جھوٹ بولا۔"

محمد کامل کی ماں:"اچھا تو جا کر کہہ آؤ کہ صاحب میرا جانا نہیں ہو سکتا۔"

محمد کامل نے اصغری سے پوچھا:"کیوں صاحب تمہاری کیا صلاح ہے؟"

اصغری:"صلاح اور ہوتی ہے اور دل کی خواہش اور ہوتی ہے۔ دل کی خواہش تو یہ تھی کہ تم یہاں رہو۔ گھر کا انتظام صرف تمہارے دم سے ہے۔ آخر گھر میں کوئی مرد بھی چاہئے۔ اور صلاح پوچھو تو جانا مناسب ہے۔ جب ایک حاکم خود بے کہے تم کو ساتھ لئے جاتا ہے تو ضرور اپنی جگہ پہنچ کر بہت سلوک کرے گا۔"

محمد کامل:۔ "پانچ روپے کے واسطے کیا دو تین[3] کوس کا سفر۔ میرا دل تو جانے کو نہیں چاہتا۔ وہ مثل ہے گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری"۔

اصغری:۔ "یوں تم کو اختیار ہے لیکن ایسا موقع تقدیر سے ملا ہے، پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور سفر کون نہیں کرتا۔ ہمارے ابا، تمہارے ابا، دیکھو ان لوگوں نے عمریں سفر میں تیر کردیں اور بالفعل پانچ[1] سن لئے۔ گئے پیچھے دیکھو گے کتنے پانچ ہیں، اور اگر نہیں جاتے تو پھر دس روپے سے بے دلی مت ظاہر کرنا"۔

محمد کامل:۔ "تو یہاں کی نوکری کو استعفا دے جاؤں اور فرض کیا کہ وہاں کچھ صورت نہ ہوئی تو اُدھر سے بھی گیا اور اِدھر سے بھی گیا"۔

اصغری:۔ "اول تو یہ فرض کرنا کہ وہاں کچھ صورت نہ نکلے خلاف عقل ہے۔ جیمیس صاحب اتنا بڑا حاکم اور تم کو کام دینا چاہے اور صورت نہ نکلے! میری سمجھ میں تو نہیں آتا اور پھر استعفا کیوں دو۔ مہینے دو مہینے کی رخصت لو"۔

محمد کامل:۔ "ہاں رخصت منظور ہوتی پڑی ہے"۔

اصغری:۔ "منظور ہونے کو کیا ہوا۔ اسی جیمیس صاحب سے کہو چٹھی لکھ دے گا"۔

غرض اصغری نے زبردستی جوت[2] کر محمد کامل کو جانے پر راضی کیا۔ اپنے پاس سے پچاس روپے نقد دئے اور چھ جوڑے نئے کپڑے بنوا دئے۔ دیانت کے بیٹے رفیق کو ساتھ کر دیا۔ مولوی محمد کامل سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ ادھر اصغری نے مولوی محمد فاضل صاحب کو یہ تمام حال خط میں لکھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جیمیس صاحب سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور لاہور ہو کر جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکے کہ آپ وہاں اُن سے ملاقات کرکے ان کی سفارش کچھ رئیس سے کرا دیں تو بہت مفید ہوگا۔ مولوی صاحب نے جیمیس صاحب کی جستجو کی اور رئیس کے کچھ دیہات[3] ضلع سیالکوٹ میں بھی تھے

---

[1] پانچ سے پانچ روپیہ اضافہ مراد ہے۔ [2] یعنی دھکیل کر زبردستی۔ [3] گاؤں۔ ۱۲

مولوی صاحب نے رئیس کی طرف سے صاحب کی دعوت کی اور رئیس کے باغ میں ٹھیرایا کھانے کے بعد صاحب اور رئیس دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مولوی صاحب نے جمیس صاحب سے کہا "دہلی کی رعایا کو آپ کی مفارقت کا بہت قلق ہے اگرچہ آپ صرف دو ہی برس دہلی میں حاکم رہے لیکن آپ کے انصاف، آپ کی شرفا پروری سے وہاں کے لوگ بہت خوش تھے۔ ایک بندہ زادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اُس کے لکھنے سے سب حال معلوم ہوتا رہتا تھا"۔

صاحب نے پوچھا "کیا کوئی آپ کا لڑکا بھی میری کچہری میں تھا؟"

مولوی صاحب نے کہا "محمد کامل"

صاحب نے کہا "وہ تو ہمارے ساتھ آیا ہے۔ وہ آپ کا بیٹا ہے؟"

مولوی صاحب نے کہا "آپ کا غلام ہے"

رئیس نے اس تقریب میں صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب ہماری ریاست کے قدیم الخدمت ہیں اور ہم کو ہر طرح سے ان کی پرداخت مرکوزِ خاطر رہتی ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں اب گنجائش نہیں۔ پس اگر آپ ان کے بیٹے کی پرورش فرمائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے"

جمیس صاحب پہلے سے محمد کامل کے حال پر ملتفت تھا۔ ایسے وقت مناسب پر تقریب ہو گئی کہ صاحب کو بہت خیال ہو گیا۔ اول تو جوان نو عمر، دوسرے شریف، تیسرے رئیس کا سفارشی، چوتھے خود صاحب کا آوردہ، پانچویں لائق۔ اتنے حقوق محمد کامل کو حاصل ہو گئے۔ صاحب نے پہلے دن کچہری کرتے ہی محمد کامل کو پچاس روپے کا نائب سررشتہ دار کیا اور مولوی محمد فاضل صاحب کو خط لکھا کہ بالفعل ہم نے

---

۱ جدائی ۲ رنج ۳ شریفوں کی پرورش ۴ میرا لڑکا ۵ یعنی سرکار ۶ پرانے نوکر ۷ پرورش۔
۸ دل سے منظور ۹ احسان مند ۱۰ متوجہ ۱۱ لایا ہوا۔ ۱۲

آپ کے بیٹے کو پچاس روپے کی نوکری دی ہے اور ہم جلد اُس کی ترقی کریں گے۔ آپ رئیس کی خدمت میں اطلاع کردیجئے۔ مولوی صاحب نے بطرز مناسب صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ محمد کامل جو کبھی امیدواری کا محتاج تھا پھر چھوٹے چھوٹے عہدے داروں کی عرضیاں کرتا تھا پھر صرف دس روپیہ کا روزنامچہ نویس تھا پھر پندرہ کے وعدے پر وہ بھی اصغری کے جتنے سے جمیس صاحب کے ساتھ سیالکوٹ آیا تھا اب ایک دم سے پچاس کا عہدہ دار ہوگیا۔ محمد کامل کی ماں اگرچہ جاتے وقت ناخوش ہوئی تھیں، پچاس کا نام سُن کر ان کی بھی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو گھر میں چوگنی برکت ہوگئی۔ اصغری کا انتظام اور بیس کی جگہ اب چالیس روپے مہینا گھر میں آنے لگا۔ پھر کیا پوچھنا ہے!

باب اٹھائیسواں ۲۸

محمد کامل کی آوارگی۔ اصغری نے جاکر اس کی اصلاح کی اور جاتے وقت بہن بہنوئی کو گھر میں بسا گئی

محمد کامل آخر ایک ہی برس میں سررشتہ دار ہوگیا۔ لیکن سررشتہ دار ہونے تک سنبھلا ہوا تھا۔ خرچ بھی برابر آتا تھا۔ خط بھی متواتر[1] چلے آتے تھے۔ لیکن آدمی تھا جوان، خود مختار ہو کر رہا۔ صحبت بُری مل گئی، بہک چلا۔ خطوں میں کمی ہونی شروع ہوئی۔ اصغری تو بڑی دانشمند تھی۔ سمجھ گئی کہ دال میں کالا ہے۔ بہت دن تک فکر میں رہی کہ اب کیا تدبیر کروں۔ آخر سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا

---

[1] پے در پے۔ اوپر تلے۔ لگاتار۔ ۱۲

کہ خود جانا چاہیے۔ ہر چند اصغری نے سیالکوٹ جانے کا عزم[1] مصمّم[2] کر لیا تھا لیکن تماشا خانم کو صلاح کے واسطے بلا بھیجا اور سب حال اس سے کہا:۔

تماشا خانم: "بوا۔ کوئی دیوانی ہوئی ہے! شہر چھوڑ کر اب کہاں سیال کوٹ جاتی پھرے گی"۔

اصغری: "مجھ کو شہر سے کیا مطلب میں تو جس کے ساتھ وابستہ[3] ہوں وہیں شہر ہے"۔

تماشا خانم: "اے ہے کنبے والے کیا کہیں گے! ہمارے کنبے میں سے آج تک کوئی باہر نہیں گیا"۔

اصغری: "اس میں عیب کی کیا بات ہے؟ آخر یہی کہیں گے کہ میاں کے پاس چلی گئی، تو برا کیا کیا۔ اور کنبے کی رسم کو جو پوچھو تو پچھلے دنوں نہ ڈاک تھی نہ ریل نہ رستے آباد تھے۔ عورتوں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ اس سبب سے لوگ نہیں جاتے تھے۔ اب اگر آج ڈاک میں بیٹھوں اور خدا اصل خیر رکھے تو پرسوں سیالکوٹ داخل۔ گویا میرٹھ گئی"۔

تماشا خانم: "کیا طلبی کا خط آیا ہے؟"

اصغری: "خط تو نہیں آیا"۔

تماشا خانم: "بن بلائے جانا تو مناسب نہیں"۔

اصغری: "تم مناسب نامناسب دیکھتی ہو اور میں کہتی ہوں اگر نہ جاوں گی تو عمر بھر کو گھر غارت ہو جائے گا"۔

تماشا خانم: "اے آپا تم ایسی کیوں گری پڑتی ہو؟ تم کو ان کی کیا پروا ہے۔ خدا تمہارے مکتب کو سلامت رکھے۔ تم دس کو روٹی کھلایا کرو"۔

اصغری: "واہ۔ آپ کی بھی کیا سمجھ ہے! یہ مکتب تو میں نے اپنا جی بہلنے کے

---

[1] ارادہ [2] پکا [3] جس کے پلے بندھی ہوں یعنی اپنے میاں کی۔ ۱۲

واسطے بٹھالیا ہے۔ کچھ مجھ کو اس سے کمائی کرنی منظور نہیں۔ خدا جانے تم کو یقین آئے نہ آئے آج تک میں نے مکتب کی رقم سے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ صرف پچاس روپے نقد اور بیس روپے کپڑے کے واسطے تمہارے بھائی جان کو سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور دئے تھے۔ سو بھی قرض داخل۔ اور باقی کوڑی کوڑی کا حساب ہوا موجود ہے دیکھ لو۔ عورتوں کی کمائی بھی کوئی کمائی ہے۔ اگر عورتوں کی کمائی سے گھر چلا کریں تو مرد کیوں ہوں۔ میرا اپنا گھر بنا رہے تو میں ایسے ایسے دس مکتبوں کے اجڑنے کی بھی پروا نہیں کرتی۔"

تماشا خانم: "ایسی بھری برسات میں کہاں جاؤگی۔ جاڑا آنے دو اس وقت کھلے موسم میں دیکھ لینا۔"

اصغری: "اے ہے دیر کرنا تو غضب ہی ہے! اب جو کام سمجھانے سے نکلے گا۔ پھر بڑے جھگڑوں سے بھی طے نہیں ہوگا۔"

تماشا خانم: "اے ہے آپا۔ گھر چھوڑتے ہوئے تمہارا جی نہیں کڑھتا؟"

اصغری: "کیوں نہیں کڑھتا۔ کیا میں آدمی نہیں ہوں؟ لیکن یہ تھوڑی دیر کڑھنا بہتر یا عمر بھر کا جلاپا؟"

تماشا خانم: "تم نے اپنی ساس سے بھی اجازت لی۔"

اصغری: "بھلا وہ اجازت دیں گی! لیکن ہماری ساس بے چاری سیدھی آدمی ہیں۔ میں سمجھا دوں گی تو یقین ہے کہ نہ روکیں گی۔"

غرض ایک دن اصغری نے اپنا ارادہ اور اُس کی وجوہات اپنی ساس سے بیان کیں۔ بات تھی معقول، اس میں کون گفت وگو کر سکتا تھا۔ اصغری کا جانا ٹھہر گیا۔ ایک روز جاکر اصغری سب کچا حال اپنی ماں سے بھی کہہ آئی۔ مکتب کے

لہ جلنا۔ ۱۲

واسطے لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ محمودہ تم سب کے پڑھانے کو بہت ہیں۔ میں صرف دو مہینے کے واسطے جاتی ہوں۔ سب لڑکیاں بدستور آیا کریں۔ رخصت ہونے کی تقریب سے اپنی آپا کے پاس گئی۔ محمد عاقل نے پوچھا "کیوں بھائی تمیزدار بہو! تم جاتی ہو۔ مکتب کو کہا کر چلیں؟"

اصغری: "مکتب اور گھر بار سب آپ کے حوالے کئے جاتی ہوں"

محمد عاقل: "واہ کیا خوب! نہ مجھ کو گھر سے تعلق نہ مکتب سے واسطہ، میں کیا کر سکتا ہوں"

اصغری: "تعلق رکھنا اور نہ رکھنا سب آپ کے اختیار میں ہے"

محمد عاقل: "تمیزدار بہو! تم کو یہ بات کہنی زیبا نہیں۔ بھلا میرا کیا اختیار ہے گھر تمہاری آپا نے چھڑوایا۔ رہا مکتب، سو لڑکیوں کا ہے۔ لڑکوں کا مکتب ہوتا تو میں خوشی سے سب کو پڑھا دیا کرتا"

اصغری: "اب آپا اور آپ دونوں گھر میں چل کر رہیئے۔ اماں جان اکیلی ہیں"

محمد عاقل: "اپنی بہن کو سمجھاؤ"

اصغری: "سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا تو خود جانتی اور سمجھتی ہیں، یہاں اکیلے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ بچوں کا کوئی سنبھالنے والا ہے نہ گھر کا کوئی دیکھنے والا۔ دکھ شکھ آدمی کے ساتھ ہیں، بے ضرورت جدا رہنا مناسب نہیں اور پچھلی باتیں گئی گذری ہوئیں آپس کی نااتفاقی کیا اور باہم کی رنجش کیسی؟"

اکبری جدا گھر کرنے کا مزہ خوب چکھ چکی تھی۔ اور بہانہ ڈھونڈھتی تھی کہ پھر ساتھ رہنے کو کوئی کہے، فوراً راضی ہوگئی۔ اور اصغری دونوں کو اپنے ساتھ لوا لائی۔ محمد کامل[1] کی ماں کو اصغری کے چلنے کا قلق[2] تھا۔ اب ان کی بھی تسلی ہوگئی۔

سلے رنج۔ ۱۲

کہ خیر ایک بہو گئی تو دوسری موجود ہے۔ محمودہ کو البتہ بڑا فکر تھا کہ دیکھئے کیا ہو۔ لیکن اصغری نے اُدھر تو محمودہ کی تسلی کی اور سمجھا دیا کہ اب وہ باتیں نہیں ہیں۔ اِدھر اپنی آپا کو سمجھا دیا کہ محمودہ اب بڑی ہو گئی ہے۔ کوئی سخت بات اس کو نہ کہیے گا۔ مکتب کے واسطے محمد عاقل سے اتنا کہہ دیا کہ پڑھانا لکھانا وغیرہ سب محمودہ کر لیا کریں گی۔ آپ صرف بالائی انتظام کی خبر لے لیا کیجئے اور مکتب کی رقم کا حساب کتاب محمودہ کو لکھا دیا کیجئے۔"

الغرض اصغری رخصت ہوئیں۔ ڈاک پر سوار ہو سیدھی سیال کوٹ پہنچیں یہاں محمد کامل دفعتہً اصغری کے پہنچنے سے سخت متعجب ہوا اور پوچھا کہ "خیریت ہے؟ کہیں اماں سے لڑ کر تو نہیں آئیں؟"

اصغری "توبہ کرو۔ کیا اماں جان میرے برابر کی ہیں کہ میں اُن سے لڑنے جاؤں گی اس چار برس میں کبھی تم نے مجھ کو اُن سے یا کسی اور سے لڑتے دیکھا؟"

یہاں محمد کامل نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے[۱] تھے اور بُری صحبت میں مبتلا تھا۔ خوشامدی لوگ جمع تھے اور وہ اس کو اُلو[۲] بنائے ہوئے تھے۔ بازارِ رشوت[۳] گرم تھا۔ ناچ رنگ تک کا بھی احتراز[۴] باقی نہ رہا تھا۔ امیری ٹھاٹھ تھے۔ تنخواہ سے چار[۵] چند کا معمولی خرچ۔ اگر یہی حال چند[۶] روز اور رہتا صرور[۷] جمیس صاحب کو بدگمانی پیدا ہوتی اور آخر کو نوکری جاتی رہتی۔ اچھے وقت اصغری جا پہنچی۔ فوراً اس نے ہر طرف سے رخنہ بندیاں[۸] کیں اور سمجھایا کہ تم کو خدا نے سو کا نوکر کر دیا، اس کا بھی شکریہ ہے کہ تم کو اس پر قناعت[۹] نہیں؟"

محمد کامل نے کہا کہ "جو خوشی سے دے اُس میں کیا قباحت ہے؟"

---

[۱] اوپر کا ہاتھ پاؤں نکالنا حد سے گزر جانا۔ وضع کا پابند نہ رہنا مراد ہے [۲] آوارگی [۳] احمق [۴] یعنی رشوت خواری خوب ہو رہی تھی [۵] پرہیز [۶] ساز و سامان [۷] چوگنے [۸] چند روز [۹] سوراخ بند کئے [۱۰] صبر ۱۲

اصغری نے کہا:"سبحان اللہ! روپیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی اُس کو بے وجہ خوشی سے دیتا ہے۔ ان دونوں لوگ روپے کے اس قدر حاجت مند ہیں کہ عزت تک کی پروا نہیں کرتے مگر روپیہ مٹھی سے نہیں چھوڑتے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کرے کہ ہم کسی کو کیا دیا کرتے ہیں۔ ایک زکوٰۃ[1] کی بھی کچھ اصل ہے۔ اسی کے پیچھے برسویں دن چالیسواں حصہ ڈھائی روپے۔ وہی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ لوگوں کے پاس ایسا کہاں کا خزانہ قارونؔ[2] بھرا پڑا ہے۔ کہ وہ تم کو بے مطلب دے جاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کام بگڑتا ہے، نہ دیں گے تو مقدمہ خراب ہوگا، عاجز آکر قرض دام لے کر، گھر والیوں کے زیور بیچ کر رشوت دیتے ہیں۔"

محمد کامل:"میں خود نہیں لیتا۔ پھر اس میں کیا ڈر ہے؟"

اصغری:"اول تو رشوت چھپ نہیں سکتی۔ علاوہ اس کے فرض کیا آدمی پر ظاہر نہ ہوئی، خدا جو پردوں میں دیکھتا ہے، وہ تو جانتا ہے۔ بندوں کا گناہ جمع کرنا اور عاقبت کی جواب دہی سمیٹنا بڑی بے باکی کی بات ہے۔"

غرض سمجھا بجھا کر اصغری نے محمد کامل سے توبہ کرائی۔ چند روز رہ کر اصغری نے پوچھا:"یہ چار آدمی جن کو باہر کھانا جاتا ہے کون لوگ ہیں؟"

محمد کامل:"نوکری کے امیدوار ہیں۔ بے چارے غریب[3] الوطن ہیں۔ میں نے کہا۔ خیر جب تک تمہاری نوکری لگے تب تک میرے پاس رہو۔"

اصغری:"پھر اب تک ان کو نوکری نہیں ملی؟"

---

[1] مسلمانوں میں جہاں نماز اور حج وغیرہ فرض ہیں ایک فرض زکوٰۃ بھی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مال میں سے برسویں دن ایک حصہ خدا کے نام دیا جائے وہ حصہ نقد روپے میں چالیسواں حصہ ہے[2] قارونؔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا آدمی تھا اور لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ان کا کسی طرح رشتہ دار بھی تھا اس کو خدا نے اتنا مقدور دیا تھا کہ اس کے خزانے کی کنجیاں اونٹوں پر چلتی تھیں مگر وہ تھا دل کا خسیس خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتا تھا اس پر قہر الٰہی نازل ہوا کہ وہ اور اس کا گھر بار سب کچھ زمین میں دھنس گیا۔ [3] پردیسی ۱۲

محمد کامل: "نوکری تو ملتی ہے لیکن اُن کی حیثیت سے کم ہے۔"

اصغری: "جب اُن کی حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ دوسرے کے سر پڑے ہوئے روٹیاں کھاتے ہیں تو حیثیت سے کیا بحث باقی رہی۔ تھوڑی بہت جو ملے کر لیں۔"

محمد کامل: "خدا جانے تم کیا کہتی ہو۔ عزت سے گھٹ کر کیوں کر کر لیں؟"

اصغری: "کم درجے کی نوکری میں تو بے عزتی ہوتی ہے اور دوسرے کے سر ڈھئی دینے میں بے عزتی نہیں۔ جب ان لوگوں میں اتنی غیرت نہیں تو اور عادتیں بھی اُن میں ضرور بری ہوں گی۔ اُن کا ساتھ اچھا نہیں۔ ضرور تمہارے نام سے کچھ لیتے بھی ہوں گے۔ ان سے کہو کہ یا نوکری کریں یا رُخصت ہوں۔"

محمد کامل: "میری مروت مقتضی نہیں ہوتی کہ جواب دوں۔"

اصغری: "جب اُن میں مروت نہیں تو تم کو مروت کا لحاظ کیا ضرور ہے اگر ہم سے بچے تو کتنے ہیں بہت سے غریب ہیں، اُن کا حق مقدم[1] ہے۔ غیروں کو اور غیروں میں سے بھی ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ۔ اور یہ ضرور نہیں کہ تم سختی سے جواب دو۔ کسی طور پر اُن کو سمجھا دو۔"

خلاصہ یہ کہ یہی لوگ محمد کامل کے شیطان[2] تھے۔ اصغری نے حکمت[3] عملی سے ان کو ٹالا۔ نوکروں میں جو بدوضع تھے چھانٹ کر نکالے گئے اور ڈیڑھ برس رہ کر اندر باہر سب انتظام درست کر دیا۔

اب میاں مسلم کی شادی ہونے والی تھی۔ اصغری کی طلب[4] میں خط گیا اور تماشا خانم نے بہت اصرار[5] کے ساتھ لکھا۔ ازبس[6] کہ بہت دن ہو چکے تھے۔ اصغری

---

[1] یعنی غیروں کے حق سے پہلے ہے [2] یعنی اس کو بہکاتے اور بدکرداری سکھلاتے تھے [3] یعنی ایسی تدبیر کی کہ اِدھر سختی بھی نہ کرنی پڑی اور وہ لوگ الگ ہو گئے [4] بلاوا [5] ضد۔ تاکید [6] چوں کہ۔ ۱۲

نے دلی آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اپنے دل میں سوچی کہ محمد کامل کو اکیلا چھوڑنا مصلحت[1] نہیں۔ محمد کامل سے کہا کہ مسافرت میں تنہا رہنا مناسب نہیں کوئی اپنا رشتے دار ساتھ رہنا ضرور ہے۔ سو میرے نزدیک تم اپنے خالہ زاد بھائی محمد صالح کو بلا لو۔ وہ تمہارے پاس کچہری کا کام بھی سیکھیں گے اور شاید کہیں ان کی نوکری بھی لگ جائے۔" امیر بیگم کو خط گیا اور اصغری کے رہتے محمد صالح پہنچ گیا۔ یہ لڑکا پورے درجے کا نیک بخت تھا۔ اسم بامسمیٰ[2] اور محمد کامل سے عمر میں بڑا۔ اب اصغری کو اطمینان ہوا تو سیالکوٹ سے رخصت ہو لاہور پہنچی۔ یہاں مولوی محمد فاضل کے پاس ایک ہفتہ مقیم رہی[3]۔

باب انتیسواں[29]

اصغری کی صلاح سے مولوی محمد فاضل نے پنشن لی اور بڑے بیٹے محمد عاقل کو اپنی جگہ رکھوا دیا

مولوی محمد فاضل صاحب کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ مختاری کی نوکری میں محنت بھی بہت۔ روز بلا ناغہ سب حاکموں کی کچہری میں رئیس کے مقدمات کی خبر لینا اور صبح و شام عملوں میں جانا۔ بے چارے مولوی صاحب رات کو آتے تو بہت تھک جاتے تھے۔ اصغری نے کہا: "ابا جان۔ اب آپ کی

---

[1] مناسب۔ [2] اس کا نام تھا صالح جس کے معنی ہیں نیک۔ ویسا ہی وہ نیک تھا بھی [3] ٹھیری رہی۔ ۱۲۔

عمر اس مشقت[1] کے قابل نہیں۔ مناسب ہے کہ آپ گھر بیٹھنے کا فکر کیجیے۔ ایک کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ انسان عمر کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ بچپن کا۔ دوسرا دُنیا کے کاموں کے بندوبست کا۔ تیسرا آرام اور یادِ الٰہی کا۔ بس اب آپ گھر چل کر آرام سے بیٹھیے۔"

مولوی صاحب: "اوّل تو رئیس نہیں چھوڑتا۔ دوسرے آخر میری جگہ کوئی کام کرنے والا بھی تو چاہیے۔"

اصغری: "رئیس سے جب آپ اپنی ضعیفی[2] کا عذر کیجیے گا تو گمان غالب ہے کہ مان جائے۔ اور کام کرنے کو تو بھائی جان کیا کم ہیں؟"

مولوی صاحب: "وہ کچہری دربار کا دستور قاعدہ کیا جانیں؟"

اصغری: "چند روز اُن کو بلا کر ساتھ رکھیے۔ دیکھتے بھالتے سے سب معلوم ہو جائے گا۔ وہ تو مولوی آدمی ہیں۔ ہندو لوگ تو اوٹ[3] پٹانگ فارسی کی دو چار کتابیں پڑھ کر کچہری کی نوکری کرنے لگتے ہیں۔"

مولوی صاحب کو اصغری کی بات پسند آئی۔ اصغری تو دہلی پہنچی اور مولوی صاحب نے محمد عاقل کو بُلا بھیجا۔ چند روز میں محمد عاقل نے باپ کا سب کام اُٹھا لیا اور رئیس کو اپنی خدمت سے بہت خوش کیا۔ تب مولوی صاحب نے رئیس سے کہا کہ "اب یہ لڑکا حضور کی خدمت میں حاضر ہے مجھ کو آزاد فرمائیے۔"

رسمیست کہ مالکانِ تحریر ❖ آزاد کنند بندۂ پیر[4]

رئیس دل کا بڑا سخی تھا۔ بیس روپے تاحیات[5] مولوی صاحب کی پنشن کر دی اور مولوی صاحب کی جگہ محمد عاقل کو پوری تنخواہ پر رکھ لیا۔

---

[1] محنت [2] کمزوری۔ بڑھاپا [3] بے قاعدہ [4] دستور کی بات ہے کہ غلاموں کا آزاد کرنا جن لوگوں کے اختیار میں ہوتا ہے یعنی جو آقا ہوتے ہیں بڈھے غلام کو آزاد کر دیا کرتے ہیں [5] جب تک جئیں ۱۲

باب تیسواں

محمودہ کی منگنی

اصغری دہلی آئی تو اُس نے محمودہ کا فکر کیا۔ حسن آرا جھجر سے میکے آئی ہوئی تھی اور اُن ہی دنوں جمال آرا ابھی سسرال سے چھوٹی بہن سے ملنے کے لئے آ پہنچی حکیم جی کا تو تمام گھر اصغری کا مُرید[1] تھا۔ دونوں بہنیں اصغری کے آنے کی خبر سُن کر دوڑی ہوئی آئیں۔ ہر طرح کی باتیں رہیں جمال آرا نے کہا "استانی جی کیسا جی تم میں پڑا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بھلا حسن آرا تو تمہاری شاگرد ہیں لیکن میں شاگردوں سے بھی زیادہ ہوں۔ میرا اجڑا ہوا گھر تم نے ہی بسوایا"۔

اصغری:۔ "میں کس لائق ہوں"۔

جمال آرا:۔ "واہ اُستانی جی۔ میں تو جیتے جی تمہارا سلوک نہیں بھولوں گی اور کیا کروں تم ہم لوگوں کی خدمت کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ نہیں تو اپنی کھال کی جوتیاں تم کو بنوا دیتی۔ تب بھی شاید تمہارا حق ادا نہ ہوتا"۔

اصغری۔ "اوّل تو کچھ خدمت مجھ سے بن نہیں پڑی اور با اقتضائے[2] سرداری کوئی کام آپ کو پسند ہوا تو بیگم صاحب آپ کو خدا نے سب قابل بنایا ہے ہم غریبوں کا خوش کر دینا کیا بڑی بات ہے"۔

---

[1] یعنی یہ لوگ اصغری کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے پیر کا اس کے مرید۔ [2] یعنی سردار ہونے کی وجہ سے تم نے میرا کوئی کام پسند کر لیا ہو۔ ۱۲

حسن آرا: "اے ہے استانی جی۔ تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو"۔

اصغری: "سنو بوا حسن آرا۔ اُستانی گیری اور شاگردی تو اب باقی نہیں، وہ مکتب تک تھی۔ اب اللہ رکھے تم بیاہی گئیں۔ اُدھر تم پوتڑوں[1] کی امیر اور امیروں کی سرتاج۔ اِدھر یہ سرداراور سرداروں کی بیٹی ہو۔ اب اس شہر میں تم سے بڑھ کر تو دوسرا امیر نہیں۔ تم تک پہنچ کر جو آدمی محروم رہے تو اس کی قسمت کا قصور ہے"۔

حسن آرا: "اچھی استانی جی کیا بات ہے؟"

اصغری: "بوا بڑا مشکل کام ہے۔ تم وعدہ کرو کہ مجھ کو نا امید نہ کروگی تو کہوں"۔

حسن آرا اور جمال آرا نے جانا کسی کی نوکری چاکری کے واسطے کہیں گی دونوں نے کہا: "استانی جی خدا کی قسم تمہارے واسطے ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ لو ہم کو تو بڑی تمنّا[2] ہے کہ تم ہم سے کچھ فرمایش کرو"۔

اصغری: "وہ کام میرے نزدیک تو بڑا ہے۔ لیکن اگر آپ دونوں صاحب دل سے آمادہ ہوں تو کچھ حقیقت نہیں"۔

دونوں بہنوں نے کہا: "استانی جی۔ خدا جانتا ہے ہمارے کرنے کا کام ہو تو ہم کو ہرگز دریغ نہیں"۔

جب خوب پکا وعدہ کرا لیا تو اصغری نے کہا: "میری یہ آرزو ہے کہ محمودہ کو اپنی فرزندی میں قبول کرو"۔

یہ سن کر دونوں بہنوں نے سکوت[3] کیا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں جب دونوں اٹھنے کو ہوئیں تو اصغری نے ایک ہاتھ سے تو حسن آرا کا دوپٹہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جمال آرا کا۔ اور کہا: "میں اپنا حق اب لڑ جھگڑ کر لوں گی اور

---

[1] ننھے بچوں کو جن کپڑوں پر بٹھاتے لٹاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم پیدائشی امیر ہو۔ [2] آرزو
[3] چپ ہو رہیں ۱۲

جب تک میرا سوال پورا نہ ہوگا خدا کی قسم جانے نہ دوں گی"
حسن آرا "استانی جی بھلا اس میں ہمارا کیا اختیار ہے ابھی تو ارجمند[1] خاں لڑکا ہے۔ دوسرے ایسی باتوں میں ماں باپ کے ہوتے بہنوں کی کون سنتا ہے"
اصغری "بڑی اور بیاہی ہوئی بہنیں بھی ماں کے برابر ہوتی ہیں، اور رشتے ناتے بے سب کی صلاح کے نہیں ہوا کرتے۔ ایسا ممکن نہیں کہ تم سے مشورہ نہ ہو"
حسن آرا "ابھی ہمارے یہاں تو کچھ تذکرہ کہیں کا نہیں ہے"
اصغری "تم کو معلوم نہ ہوگا۔ علوی خاں کے یہاں رقعہ گیا تھا واپس آیا"
جمال آرا "استانی جی تم نے سُنا ہے۔ تو گیا ہوگا۔ مگر ہم سے اس معاملے میں اس وقت تک کچھ بات چیت نہیں ہوئی۔ علوی خاں میں کیا برائی تھی۔ خدا جانے رقعہ پھر وا کیوں لیا ہوگا"
اسی طرح بات میں بات اور ہونے لگی۔
اصغری "صاحبو! میرا مطلب رہا جاتا ہے۔ ہاں نا کا جواب مجھ کو دیجیے"
جمال آرا "استانی جی۔ بھلا ہم کیوں کر ہامی بھر سکتے ہیں؟"
اصغری "دولت۔ سیرت۔ صورت تین چیزیں ہوتی ہیں۔ دولت تو ہم غریبوں کے پاس نام کو نہیں۔ رہی سیرت سو بُوا حسن آرا تم محمودہ سے بخوبی واقف ہو۔ دو برس تمہارا اس کا ساتھ رہا۔ سچ کہنا شرم لحاظ، ادب قاعدہ، نیک بختی ہر کام کا سلیقہ اور ہر طرح کا ہنر، لکھنا، پڑھنا، سینا، پرونا، پکانا، یہ سب باتیں محمودہ میں ہیں یا نہیں؟ کچھ اس پر موقوف نہیں کہ محمودہ میری نند یا میری شاگرد ہے۔ نہیں وہ لڑکی کچھ خدا نے بہمہ[2] صفت موصوف[3] پیدا کی ہے کیوں بُوا حسن آرا میں کچھ بڑھا چڑھا کر کہتی ہوں تو تم بولو"

[1] حسن آرا اور جمال آرا کے بھائی کا نام [2] عادت خصلت [3] یعنی اس میں سب صفتیں ہیں ۱۲۔

حسن آرا۔ استانی جی بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکتا ہے۔ محمودہ بیگم ماشاء اللہ بڑے گھروں میں اپنا ثانی[1] نہیں رکھتیں۔ بھلا کوئی محمودہ بیگم کا پاسنگ[1] تو ہوئے۔"

اصغری "اور صورت۔ سو ناک، کان، آنکھ، جیسے آدمی میں ہوتے ہیں محمودہ میں بھی ہیں۔ وہ بھی آدمی کا بچہ ہے۔ جوان ہوئے پر کچھ اس سے زیادہ صورت نکل آئے گی۔"

جمال آرا: "اے استانی جی محمودہ بیگم کو آدمی کا بچہ کہتی ہو! خدا کی قسم حور کا بچہ!! بڑے گھروں میں اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ ہم نے تو کوئی صورت دار نہ دیکھا۔ ہم ہی دونوں بہنیں موجود ہیں۔ خدا کی قسم بعض لونڈیاں ہم سے اچھی ہیں اور محمودہ تو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب۔ اس صورت کے آدمی کہاں نظر آتے ہیں۔"

اصغری: "پر بُوا سوائے غریبی کے اور ہم میں کیا بُرائی ہے؟ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ لیکن علی نقی خاں مرحوم کو دو تو چار پشتیں نہیں گزریں۔ آخر ہم بھی اُن ہی کے نام لیوا ہیں۔"

دونوں بہنوں نے کہا: "استانی جی! تم ہماری سر تاج ہو اور ہم اور تم کیا دو[2] دو ہیں۔ ایک ذات ایک خون۔"

اصغری: "پھر کیا تامل ہے۔ میری درخواست کو قبول فرمائیے۔"

حسن آرا: "اچھا استانی جی آج ہم اس بات کا مذکور اماں سے کریں گے۔"

اصغری: "مذکور نہیں۔ مذکور تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ بلکہ دل سے اس میں

---

[1] دوسرا سے ترازو کے پلڑوں کی کمی بیشی برابر کرنے کو جو ٹھیکری یا روڑا وغیرہ چڑھا دیتے ہیں اور وہ اکثر بہت ہی ہلکا ہوا کرتا ہے [2] علی نقی خاں اور مولوی محمد فاضل ماموں پھوپھی کے بیٹے بھائی تھے۔ اسی طرح علی نقی خاں سلطان بیگم کے بھی کسی قریب کے رشتے کے بھائی ہوتے تھے ۱۲۔

مدد کرو۔ اور اب یہ بات چھڑی[1] ہے تو ایسا ہو کہ پوری ہو جائے۔"

دونوں بہنوں نے وعدہ کیا کہ استانی جی جیسا آپ کا ارادہ ہو ان شاء اللہ ویسا ہی ہوگا۔ غرض کہ اس وقت دونوں بہنیں رخصت ہوگئیں۔ اگلے دن اصغری خود سلطانہ بیگم سے ملنے گئی۔ دو سو روپے کا بہت عمدہ شالی رومال جو سیالکوٹ سے لائی تھی سلطانہ بیگم کو نذر کیا۔ سلطانہ بیگم نے کہا: "استانی جی تم تو ہم کو بہت شرمندہ کرتی ہو۔ ہم کو تمہاری خدمت کرنی چاہیے نہ کہ الٹا تم سے لیں۔"

اصغری: "یہ رومال میں نے صرف آپ کے واسطے فرمائش کر کے بنوایا اور یہ تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگا۔ ڈیڑھ برس سے اسی امید میں میری گٹھری میں بندھا تھا کہ دہلی چل کر میں خود پیش کروں گی۔"

سلطانہ بیگم: "میں اس کو بطور تبرک لئے لیتی ہوں۔ لیکن مجھ کو خدا کی قسم شرم آتی ہے۔ کبھی آپ نے بھی تو کچھ فرمائش کی ہوتی کہ میرا دل خوش ہوتا۔"

اتنا سہارا پا کر اصغری دست بستہ[2] کھڑی ہوگئی اور اپنا مطلب بیان کیا۔

سلطانہ بیگم: "اچھا استانی جی۔ آپ بیٹھئے تو سہی۔"

اصغری: "اب میں اپنی مراد لے کر بیٹھوں گی۔"

سلطانہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا کہ "بیٹا بیٹیوں کے کام مشکل کام ہیں کمہار کے ہاتھ سے دمڑی کا پیالہ لیتے ہیں تو اچھی طرح سے ٹھوک بجا کر لیتے ہیں۔ اور یہ تو عمر بھر کی کمائیوں کے بیوہار ہیں۔ بڑے سوچ بچار اور صلاح مشورے سے ہونے کے ہیں۔ آپ نے ذکر کیا، اب میں ان کے باپ سے اور اپنی بڑی بہن سے اور کنبے کے اور دو چار آدمیوں سے پوچھوں گچھوں پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا اور ابھی تو ارجمند لڑکا ہے، اس کے بیاہ کی کیا جلدی ہے۔"

---

[1] چھیڑی گئی۔ [2] ہاتھ باندھ کر۔ ۱۲۔

اصغری :- حوصلے سے بڑھ کر میں نے سوال کیا ہے۔ جس طرح مصر میں کوئی بڑھیا عورت سوت کی انٹی لے جاکر حضرت یوسفؑ[1] کی خریدار بنی تھی اسی طرح میرے پاس غریبی اور عاجزی کے سوا کچھ دینے دلانے کو نہیں۔ صرف آپ کی مہربانی درکار ہے۔"

ہر چند سلطانہ بیگم نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن انداز سے معلوم ہوا کہ بات ناگوار نہیں ہوئی۔ چلتے ہوئے اصغری جمال آرا اور حسن آرا سے کہتی آئی کہ اب اس کا نباہ آپ لوگوں کے اختیار میں ہے۔ اصغری کے جانے کے بعد دونوں بہنوں نے محمودہ کی حد سے زیادہ تعریف کی۔ سلطانہ تو نیم راضی ہو گئی۔ لیکن شاہ زمانی بیگم کی بھی ایک بیٹی تھی دل دار جہاں اور مدت سے شاہ زمانی اپنی بیٹی کے لئے ارجمند کو تکے بیٹھی تھی۔ ابھی تک اپنی بہن سے کچھ اس کا تذکرہ نہیں کرنے پائی تھی جب اصغری نے محمودہ کی نسبت گفتگو کی تو سلطانہ بیگم نے شاہ زمانی بیگم سے پچھوا بھیجا کہ آپ کے نزدیک یہ بات کیسی ہے۔ شاہ زمانی یہ حال سن کر بہت سٹ پٹائی[2] اور اس فکر

---

[1] حضرت یوسفؑ کا قصہ جس قدر مشہور ہے اسی قدر عجیب بھی ہے سوتیلے بھائی باپ کا رخ ان کی طرف دیکھ کر جلنے لگے۔ آخر یہ صلاح کی کہ باہر لے جاکر جنگل کے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ باپ یعنی حضرت یعقوبؑ سے عرض کیا کہ گھر میں رہتے رہتے یوسفؑ کا جی اکتا گیا ہوگا اس کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تو باہر کی ہوا کھلا لائیں حضرت یعقوبؑ نے اول انکار بھی کیا۔ مگر اصرار کر کے آخر کار لے ہی گئے اور کنوئیں میں ڈال دیا اتفاقاً وہاں کسی قافلے نے پڑاؤ کیا کنواں دیکھ کر آدمی پانی بھرنے گئے۔ حضرت یوسفؑ ڈول میں بیٹھ کر اوپر آئے بھائی آس پاس لگے ہوئے تھے قافلے والوں سے تکرار ہوئی خلاصہ یہ کہ اپنا غلام کہہ کر قافلے والوں کے ہاتھ یوسفؑ کو بیچ دیا۔ وہ قافلہ پہنچا مصر اور حضرت یوسفؑ وہاں جاکر بکے عزیز مصر نے خرید لیا کتاب میں اسی خرید و فروخت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت یوسفؑ تو آخر کار آپ ہی عزیز مصر ہوئے اور جن بھائیوں نے ظلماً ان کو کنوئیں میں ڈالا تھا وہی قحط کے دنوں ان سے اناج مانگنے گئے مگر اللہ اللہ کیا حوصلہ تھا حضرت یوسفؑ کا کہ انھوں نے بھائیوں کو ہوں تک بھی تو نہ کہا۔ پھر سارے خاندان کو بلا کر مصر میں بسا لیا۔

[2] آدھی راضی یعنی کچھ راضی کچھ ناراض [3] گھبرائی ۱۲۔

میں ہوئی کہ کسی طرح محمودہ کی بات دب دبا جائے تو دل دار جہاں کی ٹھپس جما دوں
اُس وقت تو اتنا ہی کہلا بھیجا کہ میں سوچ کر جواب دوں گی۔ اگلے دن خود بدولت آ
موجود ہوئیں اور جب ذکر چلا تو سلطانہ سے کہا کہ "کہاں تم، کہاں مولوی صاحب!
زمین آسمان کا کیا جوڑ۔ یہ بات یہاں لایا تو کون لایا؟"

سلطانہ نے کہا: "استانی جی"

شاہ زمانی: "دیکھو میں خود استانی جی کے پاس جاتی ہوں"

حسن آرا کو ساتھ لے جھٹ سے اصغری کے پاس جا دھمکیں اور کہنے لگیں کہ
"استانی جی تم ایسی تو عقل مند اور تم نے اتنا نہ سمجھا کہ ایسے رشتے برابر کی ٹکر دیکھ کر
کئے جاتے ہیں۔ علوی خاں کے گھر سے صرف اتنی بات پر رقعہ پھر اکہ انہوں نے سونے
کا چھپر کھٹ نہیں مانا۔ بھلا تم محمودہ کو کیا دوگی؟"

اصغری: "بیگم صاحب میں نے تو لڑکی کے بیاہ کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ کچھ لڑکی کے
مول تول کا پیام نہیں دیا۔ شہر میں اگرچہ اب کل رسمیں بگڑ گئی ہیں۔ لیکن وضع دار
لوگوں میں لینے دینے کا چکوتا کہیں نہیں سنا۔ جو بیٹی دیگا وہ کیا اٹھا رکھے گا۔ باقی رہی
برابری، سو ظاہر ہے کہ دولت کے اعتبار سے ہم کو کچھ نسبت نہیں۔ یہاں تو علوی خاں
کا چوتھائی بھی نہیں۔ لیکن آپ تو لڑکا بیاہتی ہیں، آپ کو امیری غریبی سے کیا بحث۔
لڑکی دینی ہو تو انسان یہ بھی سوچ کرے کہ بھائی لڑکی کا گزر دیکھ لو یا کوئی غریب
اور بھوکے جہیز پر ادھار کھائے بیٹھا ہو، وہ امیر گھر ڈھونڈے تو چلئے شر ہے

لہ یعنی دلدار جہاں کی منگنی ارجمند کے ساتھ پکی کر دوں سہ یعنی بذات خاص سہ یکا یک دھم سے جا موجود
ہوئیں سہ مراد یہ ہے کہ دونوں سمدھیانے دین لین میں برابر کا مقدور رکھتے ہوں شہ یعنی یہ پیغام نہیں دیا
کہ ہم لڑکی کو بیچتی ہوں سہ ٹھہراؤ شہ کیا رکھ چھوڑے گا یعنی اپنے مقدور بھر بیٹی کے جہیز میں کیوں کوتاہی
کرنے لگا شہ ہٹ کانے کی بات ادا بجا ہے۔ ۱۲

آپ تو بیٹی لیتی ہیں اور سب کچھ خدا کا دیا ہوا آپ کے ہاں موجود ہے۔ آپ کو تو صرف لڑکی کا دیکھنا ہے۔ سو محمودہ کا کوئی حال آپ سے مخفی نہیں۔ صورت شکل۔ ذات جو کچھ بُری بھلی ہے آپ کو معلوم ہے۔"

شاہ زمانی: "کیا ہوا۔ پھر بھی جوڑ دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔"

اصغری: "بیگم صاحب۔ خطا معاف۔ اب جوڑ کہاں رہا۔ جوڑ تو ان دنوں تھا جب علی نقی خاں نے اسی گھر میں بہن کو بیاہ دیا تھا۔ یا یہ وہی گھر ہو کہ بیٹی لینے کے واسطے بھی جوڑ نہیں۔ اب کیا اس گھر میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ دولت نہیں۔ سو یہ بڑا بول خدا کو نہیں بھاتا۔"

اصغری نے شاہ زمانی کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ بات نہ بن پڑی۔ اور شاہ زمانی نے کہا: "استانی جی تم تو خفا ہوتی ہو۔"

اصغری: "بیگم صاحب۔ میری کیا مجال ہے۔ مجھ کو تو اُمید تھی کہ آپ اس بات میں امداد کیجیے گا نہ کہ خود آپ ہی کو ناگوار ہے۔"

شاہ زمانی: "اُستانی جی بُرا مانو یا بھلا جوڑ نہیں۔"

اصغری: "دولت میں بے شک ہم جوڑ نہیں ہیں۔ ذات میں برابری کا دعویٰ ہے۔ ہنر میں انشاء اللہ وہ ہماری جوڑ نہ ٹھہریں گی۔ کیا مضائقہ ایک بات میں وہ کم ایک بات میں ہم کم۔ ہماری جیسی بہو دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈتی پھریں گی تو نہیں پائیں گی۔"

شاہ زمانی بیگم: "استانی جی اقبال مند خاں کے لڑکے کا قصہ کیوں نہیں سنواتیں؟"

اصغری: "کچھ خدا نخواستہ لڑکی ہم پہ دو بھر نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ آپ کی دل دار جہاں بیگم سے تو میں جانتی ہوں دو ڈھائی برس چھوٹی ہی ہوگی

[illegible]

[illegible]

جب آدمی ڈھونڈنے پر آتا ہے تو رشتوں کی کیا کمی ہے۔ لڑکیوں کو لڑکے بہت اور لڑکوں کو لڑکیاں بہت۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ ہنر اور دولت کا ساتھ ہے۔ یہ چیز امیروں کے لائق ہے اور امیر اس کو زیبا ہیں۔ بات ٹھہر جائے تو دونوں کے لئے اچھا ہے۔ لیکن اگر منظور نہیں ہے تو آپ دل دار جہاں سے نسبت کر دیجئے"۔

شاہ زمانی: "میرا ارادہ ہے کہ دل دار کو غیر جگہ دوں۔ رشتے میں رشتہ بےلطفی¹ سے خالی نہیں ہوتا"۔

شاہ زمانی تو یہ کہہ کر رخصت ہوئیں حسن آرا بیٹھی رہ گئی۔ خالہ نے کہا بھی کہ بیٹا چلو۔ حسن آرا بولی آپ چلئے میں استانی جی سے کئی برس میں ملی ہوں، باتیں کروں گی۔ جب شاہ زمانی چلی گئی تو حسن آرا نے کہا "استانی جی، اماں تو راضی ہیں۔ یہی حضرت بات کو بگاڑ رہی ہیں۔ منہ سے انکار کرتی ہیں تو کرنے دو ان کا اصل مطلب یہی ہے کہ دلدار کی بات ٹھہر جائے"۔

اصغری: "اب تقدیر کی بات ہے۔ بھلا ان کے ہوتے ہماری کیا اصل ہے۔ لیکن بُوا حسن آرا میں نے تو کچھ بے جا بات نہیں سوچی تھی۔ پیوند میں پیوند ملتا دیکھ لیا تھا، تمہارا اتنا بڑا گھر اور اللہ آمین کا ایک لڑکا۔ جو کچھ مال و متاع² ہے سب اسی کا ہے۔ بس اتنے بڑے کارخانے کے سنبھالنے کو بھی بڑی عقل اور بڑا سلیقہ چاہئے۔ محمودہ غریب گھر کی ہے تو کیا ہے۔ اللہ رکھے حوصلہ اور سلیقہ امیروں جیسا ہے۔ تمہارے گھر میں اگر کوئی بے سلیقہ آئی اور جہیز کے جھگڑے لائی تو کس کام کی۔ اس کو اپنے جہیز کا رکھنا اٹھانا مشکل پڑ جائے گا۔ تمہارے گھر کا انتظام کیا کر سکے گی؟ محمودہ تو ماشاء اللہ ملک کا انتظام کرنے والی ہے۔ پھر بوا حسن آرا یہ بات بھی سوچنی چاہئے کہ رشتہ ناتہ کس غرض سے ہوتا ہی۔ دنیا میں

¹ بدمزگی ² اسباب ۱۲۔

جہاں تک ہو سکے میل ملاپ کو بڑھانا چاہیے۔ گھر کے گھر میں نسبت ناتا کر لیا تو کیا۔ شادی بیاہ جب کرے غیر جگہ اور یہی بات تمہارے روبرو تمہاری خالہ نے بھی کہی اور یہ رائے ان کی بہت درست ہے۔"

حسن آرا: "استانی جی۔ میں نے اور آپا نے خوب طرح پر اماں سے کہا ہے۔ اور اب یہ سب باتیں میں اماں سے اور کہوں گی۔ امید تو ہے کہ یہی بات ور رہے[1]۔"

غرض اصغری نے یہ سب پٹی[2] پڑھا کر حسن آرا کو رخصت کیا۔ وہاں شاہ زمانی نے سلطانہ سے جا کر کہا: "بوا میں نے تو استانی کے منہ پر صاف کہہ دیا کہ تمہارا اُن کا جوڑ نہیں، آدمی کو سمجھ کر بات منہ سے نکالنی چاہیے۔" لیکن تیج بیچ یہ آپڑا تھا کہ شاہ زمانی اپنے منہ[3] سے اپنی لڑکی کے واسطے کہہ نہیں سکتی تھی۔ یہ بات تو مدتوں سے شاہ زمانی کے دل کو لگی ہوئی تھی مگر قرابت مندی کے گھمنڈ[4] پر اُس نے پہلے سے تگ و دو[5] نہ کی۔ وہ بھی کہ جلدی کیا ہے، لڑکا گھر میں ہے۔ جب موقع ہوگا مردوں مردوں میں بات ہو جائے گی۔ اب محمودہ کی بات میں غریبی پر بڑا اعتراض تھا۔ آخر شاہ زمانی سے الگ ہو کر سلطانہ بیگم نے اپنی دونوں بیٹیوں سے جو صلاح کی تو حسن آرا نے کہا: "اماں! بات صاف تو یہ ہے کہ خالہ اماں دل دارا کے واسطے تجویز کرتی ہیں۔"

سلطانہ نے کہا: "بھلا آرجمند سے بھی تو ہنسی ہنسی میں پوچھو۔"

---

[1] یعنی یہ کہ رشتے میں رشتہ بے لطفی سے خالی نہیں ہوتا [2] غالب اور [3] یعنی یہ ساری باتیں سمجھا کر جیسے کوئی بچوں کو سبق پڑھاتا ہے۔ پٹی کے معنی ہیں تختی [4] بل [5] لڑکی والوں کی طرف سے درخواست کا ہونا بدنما سمجھا جاتا ہے اور اصغری جو محمودہ کے لیے کوشش کر رہی تھی پھر بھی غیر تھی [6] رشتہ داری [7] غرور [8] سعی۔ کوشش ۱۲

جمال آرا نے بھائی کو بلایا اور کہا "کیوں بھائی۔ تمہاری شادی بیاہ کی تجویز ہو رہی ہے۔ تم بھی تو کچھ بولو۔ دل وادہ جہاں سے راضی ہو؟"

ماں کے منہ پر تو لحاظ کے سبب آرجمند کچھ نہ بولا لیکن اشارے سے اپنی بہنوں سے انکار کیا۔ اس کا انکار جمال آرا اور حسن آرا کو حجت[1] ہو گیا جسن آرا نے کہا صورت شکل، ہنر، سلیقہ یہ باتیں تو محمودہ کے پاسنگ بھی کسی لڑکی میں نہ ملیں گی۔ اس کا ذمہ تو میں کرتی ہوں۔ ہاں چاہو کہ سونے کا چھپرکھٹ ملے، سو یہ ان بے چارے غریبوں کے پاس کہاں"

سلطانہ "بوا۔ اصل تو لڑکی کا دیکھنا ہے۔ خدا کے فضل سے ہمارے گھر میں خود کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہم کو بھاری جہیز لے کر کیا کرنا ہے"

جمال آرا "پھر کیا تامل ہے؟ بسم اللہ کیجیے"

حسن آرا "گو غریبی ہے لیکن استانی جی بڑی تدبیر کی آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہتیں تو کیا ہے، وقت پر حیثیت سے بڑھ کر کریں گی"

سلطانہ "اچھا تمہارے ابا آلیں تو ان سے بھی صلاح پوچھی جائے"

چھوٹے حکیم صاحب آئے تو جمال آرا اور حسن آرا نے محمودہ کے مقدمہ کو اس طرح پیش کیا جیسے کچہری میں وکیل اپنے موکل کے مقدمہ کو پیش کرتے ہیں غرض چھوٹے حکیم صاحب نے بھی محمودہ کی بات کو پسند کیا۔ اب تو دونوں بہنیں بے تحاشا[2] اصغری کے پاس دوڑی گئیں۔ محمد کامل کی ماں کو اصلاً[3] ان باتوں کی خبر بھی نہ تھی انھوں نے پوچھا بھی "کیا ہے بیگم صاحب! اس طرح کیوں دوڑتی ہو۔ پائنچے تو اٹھا کر چلو"

حسن آرا نے کہا "کچھ نہیں۔ استانی جی کے پاس جاتے ہیں"، اصغری کے پاس جاتے ہی حسن آرا نے کہا۔ "لیجیے استانی جی مبارک! ہمارا انعام دلوائیے"

[1] دلیل۔ سند [2] بڑے زور سے۔ بگٹٹ۔ [3] ہرگز۔ ۱۲

اصغری نے کہا: "خدا تم سب صاحبوں کو بھی مبارک کرے اور انعام دینے کا میرا کیا منہ[1] ہے۔ میرا انعام ہے دعا، سو شبانہ روز[2] میں تمہاری دعا گو[3] ہوں، اور جب تک جیوں گی دعا گو رہوں گی"۔ اور آب دیدہ[4] ہو کر یہ بھی کہا: "الٰہی۔ انجام بخیر[5] الٰہی سازگاری[6]۔ الٰہی مجھ ناچیز کو سرخ روئی۔ الٰہی محمودہ کو دنیا اور دین کی برکت۔ الٰہی محمودہ دودھوں[7] نہائے اور پوتوں پھلے۔ الٰہی محمودہ بوڑھ[8] سہاگن ہو"۔

حسن آرا: "نہیں اُستانی جی ہم تو آج اپنا منہ ضرور میٹھا کرائیں گے"۔

اصغری: "بیٹھے بیٹھے مٹھائی کھائیے گا۔ دیانت کو بلا پانچ روپے نکال اس کے ہاتھ دئے۔ اور کہا گھنٹے والے کی دوکان پر سے بہت عمدہ قلاقند اور دبیے کے نکڑ سے پیٹھے کی مٹھائی اور شاہ تارا کی گلی سے موتی پاک اور چاندنی چوک سے لوزات اور نیل کے کٹرے سے گھی کی تلی دال اور خانم کے بازار سے نمش ابھی جا کر لاؤ۔ اتنے میں دونوں کو دو دو گلوریاں بنا کر دیں اور مٹھائی کی ٹوکری آموجود ہوئی۔ اصغری اکبری حسن آرا جمال آرا سب نے مل کر خوب کھائی اور جو بچی مکتب میں بھیج دی۔ اب چلتے ہوئے اصغری نے کہا اس وقت تک میں نے اماں جان کو خبر نہیں کی بھی اب ان سے تذکرہ کر کے انشاء اللہ پرسوں اچھی تاریخ اور اچھا دن ہے معمولی رسم ادا ہو جائے۔ یہ دونوں رخصت ہوئیں۔ اصغری نے ساس سے کہا: "اماں جان۔ کچھ محمودہ کا بھی فکر ہے؟"

---

[1] مراد ہے کہ میرا کیا مقدور ہے [2] رات دن سے تمہارے حق میں دعا کرتی رہوں گی [3] آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر۔ خوشی اور شکر گزاری کی وجہ سے اصغری کو رقت ہوئی [4] یعنی اس کام کا انجام بہتر ہو [5] مراد ہے میاں بی بی کی موافقت [6] چونکہ یہ بات اصغری نے لگائی تھی اس کو اس کا بھی خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر کسی طرح کا اُلاہنا آجائے [7] یعنی افراط سے دودھ ہو اور کثرت سے بیٹے [8] بڑھاپے میں بھی اس کا مرد زندہ رہے۔ ۱۲۔

ساس: "کیا فکر کروں؟ کہیں سے بات بھی آئے۔ میں ایک جگہ سوچے بیٹھی ہوں محمد صالح کے ساتھ محمودہ کا بیاہ کردوں گی۔"

اصغری: "کجا محمد صالح اور کجا محمودہ۔ بھائی محمد صالح کی عمر بھائی جان سے کچھ کم نہ ہوگی۔"

محمد کامل کی ماں: "ہاں عاقل چھ مہینے محمد صالح سے بڑا ہے۔ دونوں ایک ہی برس پیدا ہوئے تھے۔"

اصغری: "بھلا پھر تھوڑا فرق ہے۔"

محمد کامل کی ماں: "اور تو کہیں سے سلام پیام نہیں۔"

اصغری: "میں نے ایک بات سوچی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو ذکر چلاؤں۔"

محمد کامل کی ماں: "وہ کیا؟"

اصغری: "حکیم فتح اللہ خاں کے لڑکے سے۔"

محمد کامل کی ماں: "بھلا بیٹی جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا! کجا حکیم جی کا گھر۔ آج اُن کے یہاں ماشاء اللہ وہ دولت ہے کہ شہر میں ان کا ثانی نہیں۔ اور کجا ہم غریب کہ رہنے تک کا جھونپڑا بھی درست نہیں۔ یہاں کی بات کیا اُن کی خاطر تلے آئے گی۔ ناحق کہہ کر بھی پشیمان ہونا ہے۔"

اصغری: "وہ دولت مند ہیں تو اپنے واسطے ہیں، ہم کیا خدا نہ کرے کچھ اُن کے دست نگر ہیں۔ وہ اپنے پلاؤ زردے میں مست ہیں تو ہم اپنے دال دلیے میں مگن ہیں۔ ذات میں ہم ان سے ہیٹے نہیں۔ ہنر جو ماشاء اللہ ہماری محمودہ میں ہے وہ ان کے بڑوں میں بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔"

---

۱ یہ کہاوت ہے ۲ ٹوٹا پھوٹا چھپر۔ ۳ شرمندہ۔ ۴ ہاتھ کے دیکھنے والے یعنی محتاج۔
۵ خوش ۶ گھٹے ہوئے۔ ۱۲

محمد کامل کی ماں :- بوا دولت کے آگے ہر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔ سونے کا چھپر کھٹ پہلے بنوالوں تب ان سے بات کرنے جاؤں۔ ہرگز ہرگز تم اس کا خیال مت کرو۔ اے لو علوی خاں میں کیا برائی تھی، رقعہ بھیج کر انھوں نے الٹا منگوالیا بوا غریبوں کی کھپت[1] غریبوں ہی میں ہوسکتی ہے"

اصغری :- ہزار دولت کی ایک دولت تو خوبصورتی ہے چشم بددور[2] ہماری محمودہ سے بہتر کنبے میں تو ڈھونڈھ لیں"

محمد کامل کی ماں :- بوا تم کیسی لڑکیوں کی سی باتیں کرتی ہو حسن بھی ہم سری[3] کی حالت میں پوچھا جاتا ہے اور پھر یہ بات منہ سے کہنے کی ہے کہ ہماری لڑکی خوبصورت ہے اور میں تو نہیں سمجھتی کہ خوب صورتی کیا بلا ہے۔ بڑی بڑی خوبصورتوں کو دیکھا جوتیوں کی برابر قدر نہیں اور بدشکلیں ہیں کہ لالوں کی لال بنی[4] بیٹھی ہیں"

اصغری :- خوب صورتی بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی اس پر فریفتہ نہ ہو مگر اکثر آدمی جن کی صورت اچھی ہوتی ہے سیرت کے خراب اور مزاج کے گندے[5] ہوتے ہیں اُن کو اپنی صورت پر ناز[6] ہوتا ہے، اس وجہ سے اُن کی دال کہیں نہیں گلنے پاتی اور ان کا مزاج اُن کے حسن کی قیمت گھٹا دیتا ہے۔ لیکن اگر صورت کے ساتھ خدا سیرت بھی اچھی دے تو سبحان اللہ نور علیٰ نور[7] جیسی ہماری محمودہ۔ صورت سیرت دونوں ماشاء اللہ ایک کا جواب[8] ایک"

محمد کامل کی ماں :- آخر کچھ دینے کو بھی چاہیے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تمہارے مکتب کی کوئی لڑکی خدا جانے کیا پڑھ رہی تھی اور محمودہ اس کو معنی سمجھا رہی تھی،

---

[1] سمائی [2] بدنظر نہ لگے [3] برابری۔ [4] بنی سنوری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ [5] ناپاک۔ مراد ہے بدمزاج [6] گھمنڈ [7] نور کے اوپر نور [8] مقابل ۱۲۰۔

کہ یا تو فیلبانوں سے میل جول مت کرو۔ اور کرنا ہے تو ہاتھی کی آمد و رفت کے لائق گھر کا دروازہ بھی اونچا کرنا پڑے گا۔ ہم غریبوں کے پاس اُن کی شان کے لائق دینے کو کہاں۔ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنی ہنسی کرانی کیا ضرور ہے۔ اور فرض کیا بات ہو بھی گئی اور لڑکی وہاں نظروں میں حقیر رہی تو نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ۔"

اصغری: "عزت اور ذلت کچھ جہیز پر منحصر نہیں۔ میاں بی بی کی ہوا فقط تو اور ہی چیز ہے۔ جمال آرا کیا کم جہیز لے کر گئی تھیں۔ لیکن ایک دن بھی سسرال میں رہنا نصیب نہ ہوا۔ دور کیوں جاؤ ہماری آپا کو بھی ہمارے برابر ملا تھا پھر کیوں روزانہ لڑائی رہتی ہے۔ یہ تو اپنا اپنا مزاج اور اپنا اپنا سلیقہ ہے۔"

محمد کامل کی ماں: "یہ تو میں نے مانا کہ میاں بی بی کا پیار اخلاص جہیز پر موقوف نہیں لیکن کنبے قبیلے کے لوگ بے کہے کب باز آتے ہیں۔ اور لڑکے نے خیال نہ کیا تو کیا ہے۔ ساس نندیں ہی موقع پا کر کبھی بات میں بات کہہ گزریں آخر دل کو برا لگتا ہی ہے۔ ایک تو بیٹی والے کا یوں ہی سر نیچا ہوتا ہے۔ اس پر دان جہیز واجبی اور غضب ہے۔ نہ لیوا، یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔"

اصغری: "کنبے والوں سے کیا مطلب؟ کنبے والے ہر روز تھوڑے ہی پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ ہاں ساس نندوں کے رات دن کے طعنے بے شک غضب کا سامنا ہے سو حسن آرا اور جمال آرا طعن و تشنیع کا تو کیا ذکر محمودہ کے پاؤں دھو دھو کر

---

[1] یعنی سعدی کی کتاب گلستان میں یہ شعر ہے۔ یا مکن بافیلبانان دوستی ؛ یا بنا کن خانہ بر بالائے پیل۔ اسی کا یہ ترجمہ ہے۔ [2] ذلیل [3] فارسی کی مثل ہے۔ اپنی پونجی کا نقصان اس پر پڑوسی کا ٹھٹھے مارنا۔

[4] ہندوؤں میں بیٹی کا دینا بھی دان یعنی خیرات میں داخل ہے اسی سے ہے کنیا دان [5] یہ کام ہوتا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ [6] عوام طعنہ تشنہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں طعنہ تشنیع ہے۔ [7] یعنی خوشامد میں لگی رہیں گی۔ ۱۲

پیا کریں گی۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ کیا بیاہ ہوتے کے ساتھ آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں گی۔ حسن آرا کو جیسی محبت محمودہ کے ساتھ ہے آپ تو دیکھتی ہیں۔ رہیں جمال آرا سو دل کی خدا جانے۔ ظاہر میں تو جب ملتی ہیں بچھی جاتی ہیں۔ میں بھی تو آخر جیتی بیٹھی ہوں۔ محمودہ کو بری طرح رکھیں گی تو مجھ کو کیا منہ دکھائیں گی۔ اور سو بات کی ایک بات تو میں یہ جانتی ہوں کہ ساس نندیں بھی ہوا دیکھا کرتی ہیں۔ لڑکے کو ریجھا ہوا دیکھیں گی تو کسی کی مجال نہیں کہ محمودہ کو آنکھ بھر کر دیکھ لے۔"

محمد کامل کی ماں: "آخر تمہاری مرضی کیا ہے۔ شربت کے پیالے پر نکاح پڑھا دوں۔"

اصغری: "یہ تو میرا مطلب نہیں اور نہ ہوشت میں شربت بھی نہیں جڑتا تو کیا بیٹا بیٹی کے کام کاج نہیں کرنے۔ دینا دلانا بھی دنیا جہان کی رسم ہے۔ جتنی چادر دیکھئے اتنے پاؤں پھیلائیے۔ مقدور کے موافق جو بن پڑا دیا۔ نہ بن پڑا نہ دیا۔ نام نمود کے پیچھے گھر کا دیوالہ نکال بیٹھنا بھی عقل کی بات نہیں۔ میرے مکتب میں سلمیٰ لڑکی پڑھتی ہے۔ اس کے ابا کو غدر کے پیچھے سرکار سے دس ہزار روپیہ انعام ملا تھا۔ کسی میم کی جان بچائی تھی۔ دس ہزار روپیہ ان کو اتنا تھا کہ عمر بھر آبرو سے رہتے ایک بیٹا اور ایک بیٹی بیاہنے اٹھے شیخی میں آ کر دس ہزار سرکار کا دیا ہوا اٹھا بیٹھے اور ہزار پانسو اوپر سے قرض لے کر لگا دیا۔ اس وقت تو خوب ہر طرف سے واہ واہ ہوئی اب گھر میں اس قدر تنگی ہے کہ کھانے تک کو حیران ہیں۔ بیاہ میں مجھ کو بھی بلاوا آیا تھا۔ سامان دیکھ میں تو دنگ ہو گئی۔ بلکہ شاید سلمیٰ کی اماں نے جی میں برا بھی مانا ہو۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ لو ابتا بیٹی کا دینا آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک۔ گھی کہاں گیا

۱؎ غضب ۲؎ احسان بھول جائیں گی ۳؎ جھکی جاتی ہیں ۴؎ کیوں کر میرے سامنے آئیں گی ۵؎ رخ دیکھتی رہتی ہیں ۶؎ گرویدہ ۷؎ گھورے ۸؎ نہ ہونے کی صورت میں ۹؎ نہیں میسر آتا ۱۰؎ میرے تو ہوش اڑ گئے ۱۱؎ محاورہ ہے۔ ۱۲؎ یہ مثل ہے یعنی گھی اگر کھچڑی میں ہی تو وہ غیر جگہ نہیں آخر کو کھچڑی کے ساتھ اپنے ہی پیٹ میں آئیگا۔ ۱۲

کچھ ہی میں۔ مگر اپنی ہنڈیا کی خیر منانی بھی ضرور ہے۔ کہنے کو تو میں اتنا کہہ گزری مگر پیچھے مجھ کو پچھتاوا بھی آیا۔ سلمٰی کی بہن دل میں کہتی ہوگی کہ اُستانی جی لینا ایک نہ دینا دو، ناحق بھانجی مارتی ہیں۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا "ہاں سچ ہے۔ مگر کم بخت دنیا میں رہنا ہے۔ کیا کریں کہاں جائیں۔ ہو یا نہ ہو کرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا کی سی نہ کریں تو نکو کون بنے۔ انگشت نما کون ہو۔ میں نے مولوی اسحاق صاحب کے درس میں سنا تھا کہ اگلے وقتوں میں عرب کے لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔"

اصغری "اماں جان دور کیوں جاؤ۔ ہمارے ملک میں راجپوت بھی تو یہی غضب کرتے تھے۔ اب انگریزوں کی روک ٹوک سے بندی ہوئی ہے۔ اس پر بھی کئی دفعہ بھنک سن پڑی ہے کہ چوری چھپے خون ہوئے۔"

محمد کامل کی ماں "عقل کیا کرے، غیرت نہیں قبول کرتی۔"

اصغری "غریبی میں غیرت کی کیا بات ہے۔ دنیا میں غریب لوگ زیادہ ہیں، اگر غریب ہونا غیرت کی بات ہے تو دنیا میں بے غیرت بہت ہیں۔ امیری غریبی سب اپنی اپنی قسمت ہے۔ سب یکساں کیوں کر ہو جائیں۔"

محمد کامل کی ماں "اے ہے بلا سے شادی بیاہ میں بہت خرچ کرنے کی تو سرکار سے مناہی ہو جاتی تو جھگڑا مٹتا۔"

اصغری "اخبار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز لوگ کچھ بندوبست کرنے والے ہیں۔ ہمارے شہر کے رئیس بھی تو سب بُلائے گئے تھے۔ سنا ہے خرچ کی ایک حد

لہ یعنی اپنی گزر کا بندوبست ہے افسوس ہے یعنی غرض نہ مطلب ہے اٹنگے لگاتی ہیں۔ خلل ڈالتی ہیں ھ اصل بات تو یوں ہے کہ کئی نکٹوں میں ایک ناک والا نکو کہلاتا ہے۔ اب صرف نکو کے معنی ہیں بد نام ہے یعنی لوگوں کی انگلیاں اٹھیں اشارہ کریں ہے ہلکی آواز ھ ممانعت ۱۲

بندھ گئی ہے، مہر کا اندازہ مقرر ہوا ہے۔ مگر یہ کام ہم لوگوں کے کرنے کے ہیں۔ سب ایکا کر کے[1] جتنے خرچ فضول[2] ہیں موقوف کریں۔"

محمد کامل کی ماں: "خرچ کے فضول ہونے کی جو تم نے کہی تو جس کو خدا نے دیا ہے اُس کے نزدیک تو کچھ بھی فضول نہیں۔ ہاں جس کے پلّے[3] کوڑی نہیں اُس کو تو سبھی فضول ہے۔"

اصغری: "یہ نہ فرمایئے۔ شادی بیاہ میں تو واجبی خرچ کم ہے۔ فضول باتوں میں بہت روپیہ اُٹھ جاتا ہے۔ ہمارے خاندان میں تو ناچ، تماشا، باجا، گانا، آتش بازی نوبت، نقارہ، کچھ ہوتا ہواتا نہیں۔ مگر جن کے ہاں ہوتا ہے اسی میں سینکڑوں ہزاروں پر پانی[4] پھر جاتا ہے۔"

محمد کامل کی ماں: "ناچ تماشا جن کے ہاں ہوتا ہو وہ جانیں۔ بھلا ہمارے ہاں کون خرچ فضول ہے؟"

اصغری: "کیوں نہیں، منگنی، تیز تیوہار، ساچق، مہندی، برات، بہوڑا۔ چوتھی، چالے، بہت بھاری بھاری جوڑے، جڑاؤ گہنا۔ سبھی فضول ہے۔"

محمد کامل کی ماں: "تو سب دھی یہی ایک بات کیوں نہیں کہتیں کہ سرے سے بیاہ ہی فضول ہے۔"

اصغری ہنسنے لگی اور کہا کہ: "بیاہ تو فضول نہیں۔ اس کے لازمے البتہ ناحق کے ڈھکوسلے[5] ہیں۔"

محمد کامل کی ماں: "بھلا رسمیں تو رسمیں تم کپڑے اور زیور کو بھی فضول بتاتی ہو۔"

---

[1] اتفاق کر کے۔ یک دل ہو کر [2] ضرورت سے زیادہ [3] کپڑے مثلاً دوپٹے کے کنارے کو پلّہ کہتے ہیں لوگ اکثر روپیہ پیسہ پلّے میں باندھ لیا کرتے ہیں پس جس کے پلّے کوڑی نہیں سے مراد ہے مفلس [4] ضائع ہو جاتا ہے [5] رسمیں جن کو لوگوں نے لازم کر لیا ہے۔ [6] لغویات ۱۲

اصغری: "نرے کپڑے اور ترا زیور تو کام کی چیز ہے۔ مگر بھاری بھاری جوڑے آپ ہی انصاف فرمائیے کس کام آتے ہیں۔ خود میرے جوڑے پڑے گلتے ہیں، گھر میں پہننے سے کمبخت دل کڑھتا ہے۔ کبھی کبھار شادی بیاہ میں پہن گئے یا بقرعید کو ذرا کی ذرا نکلے۔ باقی بارہ مہینے گٹھری میں بندھے رکھے ہیں، آئے دن دھوپ دینا مفت کا دردِ سر اور جیسے اُٹھو تو مال کا مول نہیں ملتا، مصالح کے دام تک بھی کھرے نہیں ہوتے۔ اور یہی حال جڑاؤ زیور کا ہے۔ مولوی کفایت اللہ کی بیٹی کا بیاہ آپ نے سنا ہے بس ایسے بیاہ مجھ کو پسند ہیں۔"

محمد کامل کی ماں: "کون مولوی کفایت اللہ؟"

اصغری: "لڑکیوں کے مدرسوں کے افسر۔"

محمد کامل کی ماں: "وہ تو شاید شہر کے رہنے والے نہیں ہیں۔"

اصغری: "نہیں۔ آگرے کی طرف کے رہنے والے ہیں۔ بیوی بچوں کو اپنے پاس بُلا لیا ہے۔ بیٹی کی منگنی اسی شہر میں کی تھی۔ بیوی کی مرضی یہ تھی کہ اپنے شہر میں جاکر بیٹی کا بیاہ کریں۔ یہاں سے برات جائے۔ مولوی صاحب نے بیوی کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ ایک دن دو چار میل ملاپ والوں کو بلا بھیجا۔ مہمان جو گھر میں پہنچے تو سنا بیٹی کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر بعد سمدھی لڑکے کو ساتھ لے آموجود ہوئے۔ بشرع محمدی نکاح پڑھا دیا۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ دان جہیز جم ہی جم دیا۔ نکاح کے بعد پانسو روپے نقد مولوی صاحب نے بیٹی داماد کے آگے لا کر رکھ دیئے اور کہا کہ بس بھائی میری کمائی میں تمہاری تقدیر کا اسی قدر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس میں مہمانداری بھی کر دیتا اور دنیا کے دستور کے موافق ایک دو بھاری جوڑے بھی بنا لیتا مگر میں نے سوچا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ نقد روپیہ تم کو دینا بہتر ہے۔ اب تم

---

[1] قیمتی۔ [2] کیونکہ جوڑوں میں اکثر چاندی سونے کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے [3] پورا لباس [4] گوٹا کناری [5] یعنی وصول نہیں ہوتے [6] جس میں جواہرات جڑے ہوں [7] شریعت کے مطابق ناچ باجا وغیرہ کچھ نہیں ۱۲

جس طرح چاہو اس کو کام میں لاؤ"۔

محمد کامل کی ماں سن کر بولیں کہ "ہاں پردیس میں مولوی صاحب جو چاہتے سو کرتے۔ کہنے سننے والا کون تھا"۔

اصغری: "کیوں کہنے سننے والی گھر والی بیوی، اور پردیس پر کیا موقوف ہے ہمت چاہیے، کرنے والا ہو تو شہر میں بھی کر گزرے، کہنے والوں کو بکنے دیا، اپنے کام سے کام"۔

محمد کامل کی ماں: "کیا تم نے محمودہ کا اسی طرح کا اونگھتا اُداس نکاح تجویز کیا ہے"۔

اصغری: "بے شک۔ میں تو لوگوں کے کہنے سننے کی کچھ پروا نہیں کرتی۔ میرا بس چلے تو محمودہ کا نکاح کفایت اللہ کی بیٹی کا جواب ہو۔ اُنھوں نے تو دو چار مہمان بھی بلائے تھے اور میرے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں"۔

محمد کامل کی ماں: "نہ بوا۔ خدا کے لئے ایسا غضب تو مت کرنا۔ اس بڑھاپے میں میری تو یہی ایک بچی بیاہنے کو ہے۔ اب کیا میں قبر سے کسی کا بیاہ برات کرنے پھر آؤں گی؟"

اصغری: "نہیں۔ ایسا تو میرا بھی ارادہ نہیں ہے۔ مگر البتہ یہ بات ضرور میں نے اپنے دل میں ٹھانی[1] رکھی ہے کہ نہ تو ایک پیسہ قرض لیا جائے اور نہ کوئی جائداد گروی رکھی جائے۔ جو کچھ اس کے نام کارکھا رکھا یا ہے اور جو کچھ اس کی تقدیر سے عین وقت پر ہو جائے بس کافی ہے"۔

محمد کامل کی ماں: "سبحان اللہ۔ ایسا ہو تو کیا بات ہے۔ مگر جب دوسری طرف والے بھی ہامی[2] بھریں"۔

اصغری: "اور اگر وہ راضی ہو جائیں؟"

محمد کامل کی ماں: "اُن کا راضی ہونا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ اللہ آمین کا ایک

---

[1] ٹھہرا۔ [2] ہاں کریں۔

تو بیٹا۔ نہیں معلوم کیا کیا حوصلے اُن کے دلوں میں ہیں۔ وہ تو برابر کی ٹکر کا گھر دیکھ کر بات کریں گے اور سب ارمان نکالیں گے۔"

اصغری:۔"جب سے میں سیال کوٹ سے آئی ہوں۔ اس بات کی تدبیر کر رہی ہوں۔ اُدھر سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ ابھی جمال آرا اور حسن آرا بھاگی ہوئی آئی تھیں۔ چھوٹے حکیم صاحب کو بھی منظور ہے۔ شاہ زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کے واسطے بہت بہت تدبیریں کیں۔ خدا کے فضل سے کوئی کارگر نہ ہوئی۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ پرسوں دن بھی اچھا ہے، اُدھر سے مٹھائی آجائے۔ بات پکی ہو جائے۔ پھر بیاہ کو دیکھا جائے گا۔"

محمد عاقل کی ماں یہ سُن کر حیران رہ گئیں اور کہا کہ" بات تو بہت اچھی ہے، ہماری لیاقت سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن اُن کے لائق سامان ہم سے ہونا مشکل ہے۔"

اصغری:۔"خدا مسبب الاسباب ہے جب محمودہ کی تقدیر ایسے اونچے گھر میں لڑی ہے تو خدا اپنی قدرت سے وقت پر سب کچھ سامان بھی کر دے گا۔"

محمد کامل کی ماں:۔"اپنے سُسرے کو آنے دو تو مٹھائی کے واسطے ان سے پوچھ دوں۔"

تھوڑی دیر میں مولوی صاحب آئے اور منگنی کا حال سُن کر بہت ہی خوش ہوئے اور کہا"بے تامل پرسوں مٹھائی آئے۔" اصغری نے حسن آرا کو کہلا بھیجا۔ روز مقرر پر پانچ من مٹھائی اور سَو روپے آ گئے۔ ادھر سے سوا من مٹھائی اور سوا سو روپیہ گیا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت ہو گئی۔

لے کوئی پیش رفت نہ گئی ۲ے کارساز۔ سبب پیدا کرنے والا ۳ے امیر کیوں کہ اکثر امیروں کے مکان اونچے اونچے ہوتے ہیں۔ ۱۲۔

باب اکتیسواں ۳۱

محمودہ کا بیاہ

منگنی کا ہونا تھا کہ چھوٹے حکیم صاحب نے بیاہ کا تقاضا شروع کیا اور مولوی صاحب سے کہلا بھیجا کہ مدت سے میرا ارادہ حج کے جانے کا ہے اور صرف اسی بات کا انتظار ہے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ رجب کے مہینے میں عقد ہو جائے۔ مولوی صاحب نے اصغری سے پوچھا۔ اصغری نے کہا "بالفعل یہ کہلا بھیجنا چاہیے کہ ہم فکر میں ہیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے تدبیر کرتے ہیں۔ سامان مختصر[۲] جو دینا منظور ہے اگر اس عرصہ میں جمع ہوا جاتا ہے تو ہم کو بھی یہ فرض آخر ادا کرنا ہے جس قدر جلد ہو بہتر" حکیم صاحب نے پھر کہلا بھیجا کہ "میں نے جہیز اور سامان کی امید سے آپ کے ہاں رشتہ نہیں کیا۔ مجھ کو لڑکی چاہیے۔ آپ سامان کا فکر نہ کیجئے۔" ادھر سے جواب گیا "بہت خوب" ہم کو بھی رجب میں عقد کر دینا منظور ہے۔"

ستائیس[۳] تاریخ رجب کی مقرر ہوئی اور دونوں طرف سامان ہونے لگے۔ سامان کا شروع ہونا تھا کہ مولوی صاحب کو فکر پیدا ہوا کبھی کہتے تھے ہزاری مل سے قرض لوں۔ کبھی سوچتے تھے گھی کا کٹرہ بیچ ڈالوں یا گروی رکھ دوں۔ اصغری نے مولوی صاحب کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ "آپ نے کیا تدبیر کی ہے" مولوی صاحب نے کہا کیا بتاؤں۔ شادی کی تاریخ سر پر چلی آتی ہے اور روپے کی صورت کہیں سے

---

[۱] بھروسا۔ [۲] تھوڑا اسباب ۔ [۳] ۲۷

بن نہیں پڑتی ہزار ہی مل سے میں نے روپیہ مانگا تھا وہ بھی ٹال گیا۔ گھی کے کٹڑے کو جُدا کر دینے کا ارادہ کیا تھا، کوئی خریدار نہیں کھڑا ہوتا۔"

اصغری نے کہا: "ہرگز ہرگز آپ قرض نہ لیجئے اور نہ جائداد فروخت کیجئے۔ قرض سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ اور جائداد کا جدا ہونا کیا مشکل ہے۔ لیکن اس کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے۔"

مولوی صاحب: "قرض تو لوں نہیں اور جائداد کو جُدا نہ کروں تو کیا میں کیمیاگر ہوں یا دستِ غیب جانتا ہوں؟ روپیہ کہاں سے آئے؟"

اصغری: "پہلے گھر کا حساب دیکھ لیجئے۔ کپڑے تو کچھ پہلے سے تیار ہیں، صرف تھوڑا مصالح درکار ہوگا۔ سو میرے جوڑوں میں بعضے بہت بھاری ہیں، ان میں سے کم کرکے اتنا مصالح نکل آئے گا کہ محمودہ کے جوڑوں کو کافی ہو جائے گا۔ برتن موجود ہیں۔ کوئی مول لینا نہیں۔ کاٹ، کباڑ، سامان بالائی یہ سب میں اپنا دے دوں گی۔ بے فائدہ بڑا پڑا خراب ہوتا ہے اور میرے کسی مصرف کا نہیں اور آخر آپ کے پاس بھی کچھ روپیہ نقد ہوگا۔"

مولوی صاحب: "صرف پانسو روپیہ ہے۔"

اصغری: "بس بہت ہے۔ جب میں سیالکوٹ جانے لگی مکتب کی رقم کے چار سو روپے تھے۔ وہ امانت رکھے ہیں۔ میرے پیچھے دو سو روپیہ اور رہوا۔ سو آدھا آپا کا حق ہے اور سو روپیہ محمودہ کا۔ یہ ملا کر مکتب کی رقم کے پانسو ہو جائیں گے محمودہ کے چھوٹے بھائی کو میں نے خط لکھا ہے۔ اور تین سو روپیہ منگوایا ہے۔ دو سو روپے بھائی جان نے بھیجنے کو لکھا ہے۔ اس طور پر ڈیڑھ ہزار روپیہ

۱؎ حاصل ہونا یہ مشکل ہے۔ کہتے ہیں لوگوں کے پاس کوئی عمل ہوتا ہے غیب سے ان کو مدد ملتی ہے۔ ۲؎ لکڑی کا سامان جیسے چوکی۔ صندوق ۳؎ اوپر کا سامان۔ ۱۲

نقد اس وقت موجود ہے۔ ہزار کے کپڑے جو حسن آرا کے بیاہ میں مجھ کو ملے تھے، میرے کس کام کے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ محمودہ کو چڑھا دوں لیکن پھر غور کیا تو اُسی گھر کے کپڑے اسی گھر میں جانے مناسب نہیں معلوم ہوتے۔ میں ان کو بیچ ڈالوں گی۔ تماشا خانم کی معرفت بازار میں بھیجے تھے۔ بنیا تیرہ سو روپے دیتا تھا۔ محمودہ کی تقدیر سے اگر کوئی حاجت مند مل گیا تو انشاء اللہ پندرہ سو وصول ہو جائیں گے۔ اور ایک تدبیر یہ ذہن میں آتی ہے کہ آپ بھائی جان کے لانے کو لاہور جائیے اور رئیس پر رخصت کی تقریب میں یہ بات ظاہر کر دیجیے رئیس بڑا سیر چشم ہے۔ امید ہے کہ ضرور کچھ مدد کرے گا۔ ہمیشہ سے ہندوستانی سرکاروں کا دستور رہا ہے ایسی تقریبات میں اپنے معتمد نوکروں کی اعانت کی ہے"

غرض اصغری نے سسرے کو لاہور بھیجا۔ مولوی صاحب رئیس کے سلام کو جو گئے تو رئیس نے پوچھا مولوی صاحب کیوں کر تشریف لائے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ "بندہ زادی کا عقد ہے اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ محمد عاقل کو ایک مہینے کی رخصت مرحمت ہو اور یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ حضور کے خاندان سے کوئی شریک ہو لیکن اگر دیوان صاحب جو دہلی میں ہیں سرکار کی طرف سے زیب دہ محفل ہوں تو ہم چشموں میں میرے لئے افزایش آبرو کا باعث ہوگا"

رئیس نے محمد عاقل کی رخصت بھی منظور کی اور مولوی صاحب کو آنے جانے کا خرچ دیا اور دیوان صاحب کو حکم بھیج دیا کہ ہماری طرف سے مولوی صاحب کی محفل میں شریک ہونا اور پان سو روپیہ نیوتے کا دینا۔ اصغری کی صلاح سے بیٹھے بٹھائے

۱؎ سخی۔ شاہ خرچ ۲؎ بھروسے کے ۳؎ مدد ۴؎ میری لڑکی ۵؎ نکاح ۶؎ عنایت ہو یعنی دی جائے ۷؎ کنبہ ۸؎ شامل ۹؎ شادی کی محفل کو زینت دیں یعنی محفل میں تشریف لائیں ۱۰؎ برابر والوں میں۔ ہم سروں میں ۱۱؎ رشتہ دار میل ملاپ والے جو نقد روپیہ دیتے ہیں نیوتہ کہلاتا ہے اور اس کا دستور ہوتا ہے، جیسا لینا ویسا دینا۔ ۱۲

یہ پان سو روپیہ مفت کے آگئے۔ ادھر جڑاؤ کڑے تماشا خانم کی معرفت نواب حاتم زمانی بیگم تک پہنچے۔ دیکھ کر لوٹ ہوگئیں اور آنکھ بند کر کے دو توڑے حوالے کردئے۔ اب تو روپے کی ہر طرف سے ریل پیل ہوگئی۔ اصغری کا اہتمام، عمدہ سے عمدہ جوڑے تیار ہوئے اور جو ہرا زیور بنا۔ وہ شادی ہوئی کہ مولوی صاحب کی تو کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی۔ اور سمدھیانے والے بھی سامان دیکھ کر دنگ[1] ہوگئے۔ جو سامان تھا متعدد[2] اور بیش قیمت اور جو چیز تھی نئے طور کی۔ دو جوڑے تو بیٹے والوں کی طرف سے آئے۔ ایک ریت[3] کے واسطے کرکری[4] تاش کا۔ دوسرا چوتھی کے واسطے کارچوبی[5] اور گہنے جہیز اور چڑھاوے[6] کے ملا کر تو بے انتہا تھے۔ ناک میں نتھ[7] اور کیل۔ ماتھے کو ٹیکا، جھومر، بینا، کانوں میں بالی، پتے جڑاؤ اور سادے، بجکے کے بالے، کان جھالے، مگر مرکیاں، بجلیاں، کرن پھول، جھمکے، گلے میں گلوبند، طوق، چمپا کلی، کنٹھی، توڑا، دھگدگی، چندن ہار، زنجیر، مالا، بازو پر جوشن، نورتن، بھوج بند، نونگے، ہاتھوں میں کڑے، نوگیریاں، چوہے دنتیاں لچھے، دست بند، انگلیوں میں انگوٹھی، چھلے۔ جوڑ، پاؤں میں پازیب، چوڑیاں چھنگی، چھلے، کارچوبی، جال دار، مصلح دار سب ملا کر پچاس جوڑے۔ دو سو برتن اور اسی حیثیت کا بالائی سامان۔ غرض بڑے دھوم دھام سے عقد[8] ہوگیا۔

محمودہ رخصت ہوئیں۔ قمر آستانی بیگم سسرال سے خطاب ملا حکیم فتح اللہ خاں بڑے متقی پرہیزگار باخدا آدمی تھے۔ مدتوں سے حج کا ارادہ

---

[1] گرویدہ [2] افراط [3] حیران [4] کئی کئی [5] وہ کپڑے جن کو پہن کر دلہن پہلے پہل دولہا کے یہاں جائے [6] سنہری تاروں کا ایک قسم کا کپڑا [7] کارچوب کا چوکٹہ جس میں کپڑے کو تان کر کام بناتے ہیں [8] دولہا کی طرف سے جو گہنا یا جوڑا دلہن کو بھیجا جائے چڑھاوے کا کہلاتا ہے [9] چونکہ ہر جگہ زیور کا نام اور اس کی وضع مختلف ہوتی ہے اس وجہ سے صراحت نہیں کی گئی [10] نکاح۔ بیاہ۔ ۱۲

کر رہے تھے۔ لیکن صرف ارجمند خاں کے بیاہ کے منتظر تھے۔ اب بیاہ ہونے کے بعد چند روز تک بہو کا رنگ ڈھنگ[1] دیکھتے رہے۔ یہاں دیکھنے کی کیا حاجت تھی۔ محمودہ نے تو بی اصغری کی نگرانی[2] میں تربیت[3] پائی تھی۔ کسی طرح کی کور کسر[4] اس میں باقی نہ تھی۔ حکیم صاحب نے جس قدر آزمایا بہو کو ہنرمند، عاقلہ[5]، سلیقہ شعار[6] پایا۔ کچھ تو خربزہ میٹھا اور کچھ اوپر سے ملا قند[7]۔ اول تو محمودہ اپنی ذات سے اچھی اور اس پر اصغری کی تعلیم، اصغری کی صلاح۔ بھلا پھر کیا پوچھنا تھا۔ غرض حکیم صاحب کو خوب یقین ہو گیا کہ تمر آستانی اچھی خاصی طرح گھر کو سنبھال لیں گی۔ اب حکیم صاحب نے یکایک زور شور کے ساتھ عرب کی تیاریاں کرنی شروع کیں۔ یا تو حج کی نیت تھی یا ہجرت[8] کا ارادہ کر لیا۔ نقد کی قسم سے جو کچھ تھا اپنے ساتھ لیا مکانات دکاکین[9]۔ کٹڑے۔ گنج۔ دیہات۔ سرائیں سب کچھ بیٹے کے نام لکھ دیا رشتے ناتے کے لوگوں نے جیسا دستور ہے سمجھایا بھی لیکن حکیم صاحب کو تو خدا کی دھن تھی، ایک نہ سُنی، خدا کا نام لے چل کھڑے ہوئے اور دنیا بھر کی جائداد بیٹے بہو کو دے گئے۔

محمودہ اگرچہ بیاہی جا چکی تھی لیکن پھر بھی اصغری کا ادب لحاظ پہلے سے زیادہ کرتی تھی۔ ذرا ذرا بات میں اصغری سے صلاح لیتی۔ اب البتہ اصغری کو اپنی عقل آزمانے کا موقع ملا۔ بڑا کارخانہ، بڑے کام۔ وہ وہ انتظام کئے کہ ارجمند خاں[10] کو خدا جھوٹ نہ بلوائے وقت کا بادشاہ وزیر بنا دیا۔ کوئی سرکار اس کے مقابلے کی دلّی کیا دور دور نہ تھی۔ ابھی تک تو اصغری مفلسی میں تھی۔ از دست بستہ

---

[1] چال ڈھال [2] زیر نظر [3] تعلیم [4] کمی بیشی و اونچ نیچ [5] عقل مند [6] سلیقہ مند [7] یہ کہاوت ہے [8] ترک وطن یعنی دیس چھوڑ کر عرب میں جا کر رہنا [9] دکانیں [10] جس کا ہاتھ تنگ ہو وہ خیرات کیا کرے اور پاؤں ٹوٹ رہا ہو تو چلا کیا جائے ۱۲

چہ خیر، داز پائے شکستہ چہ سیر۔ لیکن اب خدا رکھے دولت ثروت نصیب ہوئی۔ انتظام کا قابو، بندوبست کا موقع من مانتا ملا۔ اس حالت میں جو جو کام اس عورت نے کئے وہ البتہ قیامت تک زمانے میں یادگار رہیں گے۔ مگر افسوس ہے اُن کے لکھنے کی فرصت نہیں۔ پھر بھی اگر نصیحت ماننے والا اور بات کا سننے اور سمجھنے والا ہو تو جس قدر لکھا جا چکا کم نہیں، ہر طرح کی صلاح ہر قسم کی تعلیم اس میں موجود ہے کہنے کو قصہ اور حکایت ہے لیکن حقیقت میں نصیحت اور ہدایت۔

باب بتیسواں ۳۲

اولاد کے تعلق پر ایک عمدہ نصیحت

اب اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات اور لکھنی ضرور ہے وہ یہ کہ اصغری بہت چھوٹی سی عمر میں ماں بن گئی تھی۔ ابھی تک کچھ اس کی اولاد کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اصغری کے بچے تو بہت ہوئے لیکن خدا کی قدرت زندہ کم رہے۔ صرف ایک لڑکا محمد اکمل جو آخیر میں محمودہ کی بیٹی مسعودہ سے بیاہا گیا زندہ رہا۔ یہ لڑکا کئی بچوں کے اوپر پیدا ہوا۔ اس سے پہلے محمد عادل ایک بیٹا اور بتول ایک لڑکی مر چکے تھے۔ بچوں کی پرورش میں احتیاط تو بہتیری ہوتی تھی۔ سردی گرمی کا بچاؤ۔ کھانے تک کے وقت مقرر اور بندھا۔ اندازہ اور خبرداری یہ کہ ثقیل اور ردی چیز کہیں منہ میں نہ ڈال لیں۔ دانت نکلنے شروع ہوئے اور مسوڑوں میں نشتر دیا گیا کہ ایسا نہ ہو دانتوں کی تکلیف کو بچہ سہار نہ سکے چار برس کھیوی اور چیچک کے بچاؤ کی نظر

۱؎ امیری ۲؎ خاطر خواہ ۳؎ کہانی ۴؎ نیک راہ بتا دینا ۵؎ دیر ہضم ۶؎ ناکارہ ۱۲۰۔

سے ٹیکا لگوا دیا گیا۔ غرض جہاں تک آدمی کی عقل کام کرتی ہے سب طور کا
بندوبست کیا جاتا تھا۔ لیکن تقدیر کے آگے کسی کی حکمت نہیں چلتی۔ محمد عادل
چار برس کا ہو کر مرا۔ پیچش[۱] ہوئی دست بند کرنے کی دوا دی بخار آنے لگا۔
سرسام ہو گیا۔ پلا پلایا لڑکا ہاتھ سے جاتا رہا۔ ابھی اس داغ تازہ تھا کہ بتول سات
برس کی ہو کر بیمار پڑی۔ کچھ ایسے بلا کے دست چھوٹے کہ جان لے کر بند ہوئے۔
دنیا جہان کی دوائیں ہوئیں۔ موت کب دوا کو مانتی ہے۔ ایک ہی ہفتہ میں لڑکی
تحلیل[۳] ہو کر چلی گئی۔ بتول کے مرنے کا اصغری پر بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اول تو لڑکی
دوسرے کچھ مرنے والی تھی پایا گیا۔ ایسی ماں پر فریفتہ تھی کہ ایک دم کو الگ نہ ہوتی تھی
ماں نماز پڑھتی ہے تو جائے نماز پر بیٹھی ہے، ساتھ سونا ساتھ اٹھنا۔ ماں کی دوا تک
ہو چکھ لینا ضرور۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں بس پڑھنے میں دھیان، قرآن کا ترجمہ
شروع تھا۔ جب محمد عادل مرا تو عورتوں نے اصغری کے ایمان میں خلل ڈالنا
شروع کیا تھا۔ کوئی کہتی کوکھ[۴] کا خلل ہے۔ جہر علی شاہ کا علاج کرو۔ کوئی کہتی دودھ
پر نظر ہے۔ چوراہے میں اتار رکھواؤ۔ کوئی کہتی مسان کا دکھ ہے، رمضان شاہ
سے گرنٹ کراؤ۔ کوئی کہتی مکان اچھا نہیں، میر علیم سے کلواؤ۔ کوئی کہتی سفر میں
آئی گئی ہو کوئی چڑیل[۸] لپٹ گئی ہے، کچھوچھے[۹] چلو۔ گنڈے اور تعویذ اور عمل

---

[۱] پیٹ کا مروڑ [۲] ابخرات دماغ کو چڑھ جانے سے اکثر بیمار ہلاک ہو جاتا ہے [۳] گھل گھل کر [۲] عاشق
[۴] پیٹ کے دونوں طرف پسلیوں کے نیچے خالی جگہ کوکھ کہلاتی ہو۔ کوکھ کا خلل یہ کہ کوکھ پر نظر ہو گئی [۵] کہتے
ہیں ناپاک روحوں کا اثر ہے جس عورت پر ہو اسکی اولاد جیتی نہیں [۶] گرنٹ نکلا ہے گاڑنے سے عامل
لوگ کالی بکری کی سری یا آٹے کا پتلا یا اور کوئی چیز کچھ پڑھ کر کسی خاص جگہ مثلاً مرگھٹ وغیرہ میں گڑوا دیتے
ہیں اس کو گرنٹ کہتے ہیں [۷] مکان کے چاروں کونوں میں پڑھی ہوئی کیلیں گاڑی جاتی ہیں اسکو کلوانا کہتے
ہیں [۸] بھتنی [۹] اودھ کے علاقہ میں کچھوچھا ایک گاؤں مشہور زیارت گاہ ہے اس قسم کے بیمار وہاں بہت جاتے ہیں ۱۲

ٹونے اور ٹوٹکے[1] تو دنیا جہان کے لوگ بتاتے تھے۔ لیکن واہ ری اصغری! یوں اوپر تلے دو بچے مرے لیکن سدا خدا پر شاکر رہی۔ کسی نے کچھ کہا بھی تو یہی جواب دیا خدا کو جب منظور ہوگا تو یوں بھی وہ فضل کر سکتا ہے۔" بتول کے مرنے کی خبر جب دور اندیش خاں صاحب کو ہوئی تو بہت مضطرب[2] ہوئے اور اس اضطراب[3] میں بیٹی کے نام یہ خط لکھا:-

باب تینتیسواں ۳۳

خط

برخوردار اصغری خانم کو دعا کے بعد معلوم ہو اس وقت دہلی کے خط سے مجھ کو بتول کے انتقال کا حال معلوم ہوا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ کو رنج نہیں ہوا مگر میری عقل اس قدر بے جا[4] نہیں ہوئی کہ نادان آدمیوں کی طرح بے صبری کروں۔ مجھ کو بڑا تردد تمہارا ہے عجب نہیں تم پر یہ صدمہ بہت شاق[5] ہوا ہو۔ لیکن ہر ایک حالت میں انسان کو عقل سے مشورہ لینا چاہیے۔ عقل ہم کو اسی واسطے بخشی گئی ہے کہ رنج ہو یا خوشی ہم اپنی عقل سے اس میں مدد لیں۔ دنیا کے حال پر غور کرنا نہایت ضرور ہے۔ اور یہ غور فائدے سے خالی نہیں، زمین، آسمان، پہاڑ، جنگل، دریا، انسان، حیوان، درخت لاکھوں طرح کی چیزیں دنیا میں ہیں اور دنیا کا ایک بہت بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ دن میں ایک معمول کے

---

[1] منتر- ایک قسم کا جادو مثلاً خیال ہوا کہ زید کی نظر لگی اس کے پاؤں تلے کی مٹی چولھے میں جلادی یہ ٹوٹکا کہلاتا ہے [2] بے قرار [3] بے قراری [4] مرنے [5] بے ٹھکانے [6] یعنی سخت گزرا ہو۔ ۱۲

ساتھ آفتاب کا نکلنا۔ پھر رات کا ہونا۔ اور چاند اور ستاروں کا چمکنا کبھی گرمی کبھی سردی، کبھی برسات اور پانی کے اثر سے انواع و اقسام کے رنگ برنگ پھلوں اور پھولوں کا پیدا ہونا اور ایک وقت خاص تک تازہ و شاداب رہ کر مرجھانا اور ناپید ہو جانا۔ ہر ایک بات غور کرنے والے کو برسوں سوچنے کو کافی ہے۔ خود آدمی کو اپنا حال غور کرنے کو کیا کم ہے۔ کیوں کر آدمی پیدا ہوتا اور کیوں کر پرورش پاتا اور بڑا ہوتا۔ اور کیوں کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی حالتیں اس پر گزرتی ہیں۔ اور کیوں کر آخر اس دنیا سے سفر کر جاتا ہے۔ یہ بڑا عمدہ اور دل چسپ اور مشکل مضمون ہے۔ یہ سب کارخانہ کسی مصلحت سے خدا نے جاری کر رکھا ہے اور جب تک وہ چاہے گا اسی طرح یہ کارخانہ جاری رہے گا۔ دنیا کی مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ایک گھنٹے میں ساڑھے تین ہزار آدمی کے قریب دنیا میں مرتے ہیں یعنی ہر ایک پل میں ایک آدمی۔ اور اسی قدر پیدا بھی ہوتے ہوں گے۔ اب حساب کر لو کہ صرف ایک مہینے میں کئی لاکھ آدمی دنیا میں مرتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر غور کرو کہ سات ہزار برس سے یہی تار چلا آتا ہے۔ یعنی بے شمار آدمی اب تک دنیا میں مر چکے ہیں۔ پس موت ایک معمولی اور ضروری بات ہے۔ بڑے بڑے زبردست بادشاہ، بڑے بڑے عالم، بڑے حکیم، یہاں تک کہ بڑے بڑے پیغمبر جنھوں نے مردوں کو زندہ کیا خود موت سے نہ بچ سکے۔ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے یہ خدا کا ضروری حکم ہو کہ وہ ایک دن مرے۔ پس اگر یہ حکم کسی دن ہم پر یا ہمارے کسی عزیز یا قریب پر جاری کیا جائے تو ہم کو شکایت اور فریاد کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ مضمون سرسری نہیں ہے۔ اس کو خوب

۱؎ تاثیر۔ ۲؎ طرح طرح ۳؎ قسم قسم ۴؎ ہرے بھرے ۵؎ دل کو لگتا ہوا ۶؎ آدمیوں کو گننا ۷؎ سلسلہ ۸؎ پیارا ۹؎ پاس کا رشتہ دار۔ ۱۲-

غور کرو اور جب تم کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو سمجھو گی کہ کسی کے مرنے پر رنج کرنا لاحاصل اور بے سُود ہے۔ کسی کی موت پر رنج کرنا تعلق پر موقوف ہے۔ اگر ہم سنیں کہ مثلاً ملک چین کا بادشاہ مر گیا۔ ہم پر اس خبر کا مطلق اثر نہیں ہوتا، اس واسطے کہ ہم کو اُس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ محلّے میں اگر کوئی غیر آدمی مر جائے جس سے کسی کا واسطہ نہیں تو ہم کو بہت کم رنج ہو گا۔ بلکہ شاید نہ بھی ہو۔ غرض ہم کو رنج اُسی شخص کے مرنے کا ہوتا ہے جس سے ہم کو تعلق ہے اور جتنا تعلق قوی اُسی قدر رنج زیادہ نانی کی بھتیجی کی خالہ کی بہو کی پھوپھی کی بھانجی اگر مرے تو کیا؟ دور کا واسطہ، دور کا رشتہ بلکہ رشتے ناتے پر کیا موقوف ہے محبت ملاپ میں بھی رنج ہوتا ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ دنیا میں ہم کو کس سے زیادہ تعلق ہے اس کے واسطے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ قریب کا رشتہ ہوا اور سدا کی لڑائیاں، ہمیشہ کے بگاڑ، تو ایسے رشتہ دار غیر داخل۔ لیکن غیر ہی رشتہ نہیں، قرابت نہیں، محبت ملاپ بہت کچھ، وہ رشتہ داروں سے بڑھ کر ہے۔ پس ہر ایک شخص موافق اپنی حالت کے خاص تعلق رکھتا ہے۔ یہ دنیاوی تعلقات سب فائدے اور غرض سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اپنا سگا ہمارے فائدے میں خلل انداز ہو ضرور ہے کہ ہم سے چھوٹ جائے۔ اسی طرح اگر غیر آدمی ہمارے کام آئے ضرور ہے کہ ہم کو مثل اپنوں کے عزیز ہو۔ لیکن وہ فائدہ جس سے تعلق پیدا ہوتا ہے ضرور نہیں کہ صرف روپیہ پیسہ کا ہو۔ اگرچہ اکثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی امید اور توقع سے بھی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ بہت لوگ ہمارے دوست ہیں جو ہم کو کچھ دے نہیں دیتے، لیکن یہ توقع کہ اگر کبھی ہم کو کسی طرح کی ضرورت ہو تو یہ کام آنیوالے ہیں۔ تعلق کے پیدا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔ میں اس بحث کو بہت طول دے سکتا ہوں

---

[1] بے فائدہ [2] مضبوط [3] یعنی غیروں میں داخل ہیں جن سے کچھ تعلق نہیں [4] امید اور توقع دونوں ہم معنی ہیں [5] یعنی چاہوں تو اس پر بہت کچھ لکھوں ۱۲۔

اور جس قدر اس بحث کو طول دیا جائے مناسب ہو۔ لیکن اصل مطلب میرا اس خط میں صرف اولاد کے تعلق سے بحث کرنا ہے۔ اور اگر فرصت ملے گی تو انشاء اللہ اس تعلق پر ایک کتاب لکھ کر تم کو بھیج دوں گا۔

یہ تعلق جو اولاد سے ہو عام ہے، کوئی ماں باپ بلکہ کوئی جانور تک اس سے خالی نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فائدے اور غرض پر اس کی بنا نہیں بلکہ خداوندِ عالم جو بڑا دانش مند ہے اس کا انتظام چاہتا ہے کہ ضرور ماں باپ کو اپنی اولاد کی محبت ہو۔ اولاد چند سال تک محتاج پرورش ہوتی ہے تاکہ اولاد کی پرورش اچھی طرح ہو۔ ماں باپ کو اولاد کی محبت لگا دی کہ اس محبت کے تقاضے سے بچوں کو پالیں اور بڑا کریں۔ یہاں تک کہ بڑے ہو کر خود دنیا میں رہنے سہنے لگیں یعنی ماں باپ پرورش اولاد کے واسطے اُن کے خدمت گزار ہیں۔ پس اولاد کا پال دینا۔ صرف اتنا تعلق تو خدا کی طرف سے ماں باپ کو دیا گیا۔ باقی یہ بکھیڑے کہ اب اولاد کی تمنا ہے۔ نہیں ہے تو دوا ہے اور علاج ہے اور تعویذ گنڈہ ہے عمل ہیں اور دعا ہے۔ یا اولاد ہوئی تو یہ فکر ہے کہ بیٹے ہوں بیٹیاں نہ ہوں یا جو ہوں زندہ رہیں، یہ خود انسان کی اپنی ہوس کے تتمے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اولاد کی تمنا جو خدا کی مرضی سے زیادہ اپنے دل میں پیدا کی کس وجہ سے ہوتی ہے؟ بے شک فائدے اور غرض کے واسطے ہوتی ہے۔ لیکن فائدے کئی قسم کے ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد سے نام چلتا ہے۔ بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں ہمارے مددگار رہوں گے۔ بعض کو یہ تصور ہوتا ہے کہ ہمارا مال و دولت ہمارے بعد لیں گے۔ اب ان خیالات پر غور کرو کس قدر

---

۱ بنیاد ۲ ٹہل کرنے والے ۳ آرزو ۴ حرص ۵ یعنی انسان نے حرص کی وجہ سے اتنی باتیں بڑھالی ہیں۔ ۱۲

بیہودہ اور غلط ہیں۔ نام چلنا کیا معنی کہ لوگ یہ جانیں کہ فلانے کے بیٹے فلانے کے پوتے ہیں۔ اول تو جب ہم خود دنیا میں نہ رہے تو اگر کسی نے ہم کو جانا تو کیا اور نہ جانا تو کیا۔ علاوہ اس کے غور کرو کہ کہاں تک نام چلتا ہے۔ کسی آدمی سے اس کے باپ دادوں کے نام پوچھو، شاید دادا تک تو سب کوئی بتا سکے گا اس سے اوپر خود اولاد کو نہیں معلوم کہ ہمارے پڑدادا[1] اور سگڑدادا[2] کون بزرگ تھے دوسرے لوگوں کو اُن کے مردوں کی ہڈیاں اُکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے پس بالفرض نام چلا بھی تو ایک یا دو پشت۔ آگے خیر صلاح، اور ایک یا دو پشت نام چلنا بھی صرف خیالی بات ہے۔ دس برس سے میں پہاڑ پر ہوں ہزاروں آدمی مجھ کو جانتے ہیں اور ہزاروں کو میں جانتا ہوں لیکن نہ وہ میرے باپ کو جانیں نہ میں اُن کے باپوں سے واقف، نہ کچھ باپ کا نام بتانے یا پوچھنے کی کبھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

دوسری وجہ تمنائے اولاد کی یہ فائدہ ہے کہ بڑھاپے میں مددگار ہوں۔ سو یہ خیال بھی محض واہیات ہے، یہ کیوں کر یقین ہو کہ ان کے بڑے ہونے تک ہم جیتے رہیں گے یا ہمارے بڑھاپے تک یہ زندہ رہیں گے؟ اور بالفرض زندگی کا اتفاق ہوا بھی تو اولاد کا مددگار ہونا محض خیالی بات ہے۔ اِن وقتوں میں ہم ایسی اولاد بہت کم پاتے ہیں جن کو ماں باپ کا ادب ملحوظ یا جن کو والدین کی خدمت گزاری کا خیال ہوتا ہے۔ ادب اور خدمت گزاری تو درکنار[3] اب تو اکثر اولاد سے ماں باپ کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ جس اولاد کی لوگ تمنا کرتے ہیں۔ شروع سے آخر تک ان کے ہاتھوں سے رنج پاتے

---

[1] دادا کا باپ [2] دادا کا دادا۔ [3] الگ۔ ایک طرف ۱۲۔

ہیں۔ جب تک چھوٹے ہیں پالنا ایک مصیبت، آج آنکھیں دکھتی ہیں، کبھی پسلی[1] کا دکھ ہے، کبھی دانت نکلتے ہیں، کبھی چیچک نکلی ہے۔ خدا خدا کر کے بڑے ہوئے تو ان کے کھانے کپڑے کا فکر۔ آدمی نہیں معلوم کس حالت میں ہے، نوکر ہے یا نہیں، پیسہ پاس ہے یا نہیں۔ ان کو جہاں سے ہو سکے دینا ضرور۔ ماں باپ کو فاقہ ہو تو ہو ان کو کچھ نہ ہو تو بھی سودے سلف کے لئے کہیں نہ کہیں سے روز کے روز پیسہ دھیلا دینا ہی پڑتا ہے۔ عید ہو، بقرعید ہو، میلا ہو، تیوہار ہو لاؤ بھائی نیا جوڑا۔ سودا کھانے کو چار ٹکے پیسے۔ یہاں تک بھی غنیمت ہے اب ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا کام سیکھے پڑھے اور لڑکا پاجی ہے کہ پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتا ہے۔ جب تک مکتب کے چار لڑکے ٹانگ[2] کر نہ لے جائیں قسم[3] ہے۔ اور اگر کسی طرح گیا بھی تو طفل[4] بہ مکتب نمی رود وے برندش، ذرا استاد کی آنکھ بچی کہیں چور اہے جا نکلے، کہیں نہر پر کھڑے گیڑیاں کھیلتے ہیں۔ کہیں بازاروں میں خاک[5] چھانتے پھرتے ہیں۔ اور ذرا بڑے ہوئے ماں باپ کو جواب دینے لگے۔ لچوں کی صحبت، بدمعاشوں کا ساتھ۔ نہ ناچ کا پرہیز ہے۔ نہ بری صحبت سے

---

[1] ہاپا ڈھاپا جس کو مغنی ڈبکہ بھی کہتے ہیں۔ سانس لیتے وقت پسلیوں میں گڑھا پڑ جاتا ہے، یہ بیماری مہلک ہے اور بچوں کو سردی سے ہوتی ہے۔ اسی کا نام (ڈبہ اطفال) بچوں کا نمونیہ ہے۔ یہ نام اس وجہ سے رکھا کہ یہ مرض صرف بچوں کو ہوا کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [2] لٹکا کر [3] یعنی گویا نہ جانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ [4] لڑکا آپ سے مکتب میں نہیں جایا کرتا مگر اس کو لے ہی جاتے ہیں [5] ایک کھیل ہے جو لکڑیوں سے کھیلا جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک لکیر کھینچ کر ایک لڑکا لکیر کے باہر کھڑا ہو کر ایک لکڑی لکیر کے اندر ذرا فاصلے پر پھینکتا ہے۔ دوسرا لڑکا اپنی لکڑی کی چوٹ سے اس کی پھینکی ہوئی لکڑی کو لکیر کے باہر نکالتا ہے۔ لکڑیوں کو گیڑیاں کہتے ہیں، غرض جس نے لکڑی کو پار کر دیا وہی گیڑی جیتا۔ [6] خدائی خوار۔ خاک پھانکتے۔ ۱۲

نہ بُری صحبت سے گریز۔ باپ دادوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح بعضے
شاطر[1]، بدمعاش، یار، جواری، شراب خوار ہو جاتے ہیں۔ اب اولاد بیاہنے کے
قابل ہوئی، تمام شہر چھان[2] مارا، کہیں ڈھب کی بات نہیں ملتی۔ مشاطہ[3] پاؤں
توڑ[4] توڑ کر تھکی۔ میل، ملاپ والے ہار کر بیٹھ رہے۔ کنبے کے لوگ ایک ایک سے کہہ
چکے۔ کوئی ہامی نہیں بھرتا۔ ایک خرابی میں جان ہے۔ ماں بے چاری کہیں منتیں[5] مانتی
پھرتی ہے۔ کہیں لڑکی فال گوش[6] لے رہی ہیں۔ کہیں گڑیا[7] کا بیاہ ہو رہا ہے۔ پانچوں[8]
وقت دعا ہے الٰہی غیب سے کسی کو بھیج۔ خدا خدا کر کے نسبت ناتا ٹھیرا تو ایسی جگہ
کہ ماں بے چاری کے پاس چاندی کا تار تک نہیں۔ سمدھیانے والے جُھپکے[9] کے بالے
مانگتے ہیں۔ کسی طرح اپنے تئیں بیچ کر بیاہ کیا۔ چڑیا کی جان گئی کھلانے والے کو مزہ
نہ ملا[10]۔ جہیز ہے کہ پھینکا پھینکا پھرتا ہے۔ سمدھن کہتی ہیں "اوئی! کیا دیا۔ ایسی نہوت[11]
میں بیٹی جننی کیا ضرور تھی"۔ کوئی چیز خاطر تلے نہیں آتی۔ بات بات میں طعنہ
ہے۔ داماد صاحب تشریف لائے تو ان کے دماغ[12] نہیں ملتے۔ جب تک

---

[1] چالاک [2] یعنی سارا شہر ڈھونڈ ڈالا [3] کٹنی جس کے ذریعے سے منگنی بیاہ کا ٹھیراؤ ہوتا
ہے۔ [4] یعنی اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر پھیرے کر کر کے [5] نذر کہ بات ٹھہر جائے تو مثلاً خدا کے نام علی
کھلائیں [6] فال لینے کا عورتوں میں ایک طریقہ یہ ہے کہ کچھ رات گئے جب لوگوں کا چلنا پھرنا موقوف ہو
دروازے میں آ کھڑی ہوئیں اور جو آواز سن پڑی اس کو مطلب کے موافق یا مخالف سمجھ لیا [7] لڑکیوں
کے بیاہ میں جب دیر ہونے لگتی ہے۔ اور کہیں سے بات نہیں آتی شگون کے طور پر اُس سے گڑیا کا بیاہ
کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب کہ جس طرح اس کی گڑیا کا بیاہ ہوا اس کا بھی ہو۔ [8] نماز کے پانچ وقت مراد
ہیں، صبح، ظہر، عصر، مغرب، عشا۔ [9] ایک قسم کے جڑاؤ بالے جو بہت قیمت کے ہوتے ہیں [10] یہ کہاوت
ہے [11] ناداری، مفلسی۔ [12] یعنی مارے غرور کے وہ کسی سے سیدھی بات ہی نہیں کرتا۔ ۱۲

سُسرے سے جوتیاں سیدھی نہ کرالیں ہاتھ تک نہیں دھوتے۔ کھاتے کی کون کہے۔ چوتھی نہیں ہوئی کہ میاں بی بی میں جوتی بیزار ہونے لگی۔ بیٹی کی بیٹی دی اور لڑائی کی لڑائی مول لی۔ پھر یہ نہیں کہ کچھ ایک دن کی ہے۔ نہیں بس عمر بھر کو مصیبت کا چرخہ چلا۔ بیٹی کے اولاد ہونی شروع ہوئی۔ ماں بے داموں کی لونڈی، بے تنخواہ کی دایہ۔ عمر بھر اپنے بچے پالنے کی مصیبت جھیلتی رہی۔ اب خدا خدا کرکے دو برس سے آرام نصیب ہوا تھا۔ بیٹی کے چینگی پوٹے سنبھالنے پڑے اور اگر بہو آئی تو فساد کی گانٹھ، لڑائی کی پوٹ۔ ساس کو تو جوتی کے برابر نہیں سمجھتی۔ نندوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ نہ جیٹھ کا حجاب، نہ سسرے کا ادب۔ عورت ہے کہ مردوں کی پگڑی آتارے لیتی ہے۔ خدا پناہ میں رکھے اپنے نالائق کو دیکھیے کہ بی بی نے تو یہ آفت برپا کر رکھی ہے، یہ مردود بی بی کی حمایت کرتا ہے اور اُلٹا ماں باپ سے لڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بے چارے ماں باپ گھر چھوڑ کر الگ کرائے کے مکان میں جا رہے ہیں۔ یہ نتیجہ اس وقت کی اولاد سے ماں باپ کو ملتا ہے۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اولاد سے راحت پاتے ہیں۔ پس ہم لوگ اپنی بے وقوفی سے اولاد کی کیا تمنا کرتے ہیں گویا آفت اور مصیبت کو آرزو کرکے بلاتے ہیں۔

اب رہا یہ خیال کہ مال و دولت کا کوئی وارث ہو۔ اس وجہ سے اولاد کی تمنا کی جائے۔ یہ خیال جیسا مہمل اور پوچ اور لچر اور خرافات ہے ظاہر جب آدمی خود دنیا سے اُٹھ گیا تو اس کی دولت اگر اس کے بیٹوں نے لی تو کیا، اور اگر مال لاوارث قرار پاکر سرکار میں گیا تو کیا۔ یہ دولت عاقبت میں کچھ بکار آمد نہیں مگر

ذرا ذرا سے بچے۔ گٹھڑی۔ طرفداری۔ آرام۔ یہ چاروں ہم معنی سے ہیں یعنی لغو اور بیہودہ اور غلط۔ آخرت کے کام آنے والی ۱۲۔

اُسی قدر جو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہم خود صرف کر جائیں یا ہمارے بعد ہمارے نام سے خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف ہو۔ جب ہم نے دولت کو خود صرف نہ کیا اور ایسا ضروری کام اولاد کے ذمے چھوڑ گئے تو ہم سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ جو اولاد ماں باپ کا اندوختہ[1] مفت میں پا جاتے ہیں ہرگز اُن کو اُس کے خرچ کرنے میں دریغ[2] نہیں ہوتا۔ آدمی اسی روپے کی قدر کرتا ہے جس کو وہ خود اپنے قوت بازو اور عرق[3] ریزی سے پیدا کرتا ہے۔ اور بے محنت جو روپیہ ملتا ہے اس کا حال یہی ہوتا ہے کہ مالِ[4] مفت دل بے رحم۔ البتہ اولاد ناچ رنگ سیر تماشے میں خوب دولت کو اڑائے گی۔ لیکن چاہیئے کہ باپ کے نام باجرے کے دلیے پر فاتحہ تک بھی دلائے کیا مذکور، کیا ایسی مثالیں دنیا میں سینکڑوں ہزاروں نہیں ہیں کہ لوگ بخل[5] اور خست سے عمر بھر جمع کرتے رہے۔ اولاد نے دولت پاتے ہی وہ گل چھرّے[6] اڑائے کہ چند روز میں باپ کا اندوختہ[7] عمری فنا کر دیا؟ مصرعہ

الله[8] الله کہ تلف کرد و کہ اندوختہ بود

اس بیان سے ظاہر ہو گا کہ جس قدر تعلق اولاد کے ساتھ ہم نے اپنے دل سے بڑھا لیا ہے وہ ہمارے حق میں نہایت ضرر کرتا ہے۔ ہم کو اولاد کے ساتھ اسی قدر تعلق رکھنے کا حکم ہے کہ جب تک وہ ہماری مدد کے محتاج رہیں اُن کی پرورش کریں اور اس پرورش کرنے میں بھی اس امید کو دل میں جگہ نہ کہ اولاد بڑی ہو کر اس پرورش کے عوض کبھی ہماری خدمت کرے گی یہ امید پیدا کرنی سخت درجے[9] کی نادانی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے ہمارا

---

[1] جوڑا ہوا۔ جمع کیا ہوا [2] تامل مضائقہ [3] عرق ریزی کے لفظی معنے پسینہ نکال لانا۔ یعنی محنت۔ [4] یہ فارسی کی مثل ہے مفت کا مال دل میں رحم نہیں [5] کنجوس پن [6] مراد ہے مزے [7] جو باپ نے عمر بھر میں جمع کیا تھا [8] الله الله کس نے جمع کیا اور کس نے لٹایا [9] برے درجے کی ۱۲۔

مالک ہے ان کی پرورش کی خدمت ہم سے متعلق کی ہے۔ ہم اولاد کو پالنے میں اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ باغ خدا کا ہے اور ہم اس کی طرف سے اس باغ کے مالی ہیں۔ اگر باغ کا مالک کسی درخت کو قلم[1] کرنے یا کاٹ ڈالنے کا حکم دے تو مالی کو یہ کہنے کا کب منصب[2] ہے کہ میں نے اس درخت کو بڑی محنت سے پالا، یہ کیوں کاٹا اور قلم کیا جاتا ہے؟ دنیا کے تمام تعلقات صرف اس واسطے ہیں کہ آدمی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ ہم چند روز کے واسطے کسی مصلحت سے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور یہاں ہم کو کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی بنا دیا ہے اس واسطے کہ لوگ ہماری اور ہم لوگوں کی مدد کریں اور صلح کاری اور سازگاری[3] میں اپنی زندگی جو مقرر کر دی گئی ہے پوری کر جائیں۔ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہم کو دوسری جگہ جا کر رہنا ہوگا۔ نہ کوئی ہمارا ہے نہ ہم کسی کے۔ ہم اگر کسی کے باپ ہیں تو صرف چند روز کے واسطے اور اگر کسی کے بیٹے ہیں تو بھی چند روز کے واسطے۔ اگر ہم کسی کو مرتا دیکھیں تو افسوس کی کیا بات ہے۔ افسوس تو جب کریں جب ہم یہاں بیٹھے رہیں۔ ہم کو خود ہی سفر در پیش[4] ہے۔ نہیں معلوم کس گھڑی بُلاوا ہو اور چلنا پھیر جائے۔ پھر سب سے مشکل یہ ہے کہ مرنا صرف یہی نہیں ہے کہ بدن سے جان نکل گئی، گویا روح ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلی گئی۔ نہیں وہاں جا کر بات بات کا حساب دینا ہوگا۔ زبان جھوٹ اور غیبت[5] اور قسم اور فحش[6] اور بیہودہ بکواس کے واسطے جواب دہی کرے گی۔ آنکھ نظر بد کی سزا پائے گی۔ کان کو کسی کی بدی

---

[1] قلم کرنے اور کاٹنے میں یہ فرق ہے کہ قلم کرنے میں درخت کو جڑ سے نہیں کاٹتے۔

[2] حق [3] موافقت۔ ملنساری [4] آگے موجود ہے۔ [5] کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا

[6] بری۔ گندی۔ ۱۲

اور راگ سننے کی عوض میں گوشمالی[1] دی جائے گی۔ ہاتھ نے کسی پر زیادتی کی ہے یا پرایا مال چرایا ہے، کاٹا جائے گا۔ پاؤں اگر بے راہ چلا ہے، شکنجے[2] میں کسا جائے گا۔ بڑا ٹیڑھا[3] وقت ہوگا۔ خدا ہی اپنے فضل سے بیڑا[4] پار کرے تو ہو سکتا ہے۔ جس کو ان باتوں سے فراغت ہو وہ کسی کے مرنے پر غم کرے یا کسی کے پیدا ہونے پر خوش ہو تو بجا ہے۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہے جو اپنی عاقبت سے بے فکر ہو چکا ہو۔ اصغری! اپنی خبر لو اور اس دن کے واسطے سامان کرو جہاں سوائے عمل کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور دعا کرو کہ خداوند عالم اپنے دوست محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہم سب کا انجام بخیر[5] کرے۔ والدعا۔

گنہگار

دور اندیش[6] خاں

خاتمہ

یہ کتاب پبلک میں اس قدر رائج ہے اور گھر گھر پھیلی پڑی ہے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ یہ کتاب اب سے تقریباً ایک صدی پہلے شائع ہوئی اور اُس زمانے میں لکھی گئی جب کہ تعلیم نسواں ابتدائی حالت میں تھی۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ کچھ نہ تھی۔ دادا مرحوم کو اس اعتبار سے کہ مستورات کے لئے یہ ان کی پہلی تصنیف تھی تعلیم نسواں کا پائیونیر[7] کہنا بے جا نہ ہوگا۔ چوں کہ اس موضوع پر یہی سب سے پہلی تصنیف تھی لوگ ازبس گرویدہ ہو گئے اور جس طرح کہ ہر فارسی خواں

[1] یعنی مروڑا جائے گا۔ [2] پیچ۔ [3] مشکل کا۔ [4] ناؤ۔ [5] آمین۔ [6] موجد۔ ۱۲

گلستاں بوستاں سے مانوس ہو اس طرح ہر زنان خانے میں یہ کتاب موجود ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کتنے ایڈیشن ہوئے چہ جائے کہ اس کی اشاعت کی تعداد معلوم ہو سکے۔ اس کتاب کی بدولت خاص کر اور اپنی عمدہ تصانیف کے لحاظ سے عموماً والد مرحوم نے غیر متناہی شہرت حاصل کی ہو۔ مرد تو مرد کوئی شریف گھرانہ ایسا نہیں جہاں بی اکبری اصغری نہ براج رہی ہوں۔ اس کا ترجمہ متعدد اور مختلف زبانوں میں کیا گیا۔ انگریزی میں "براءڈ زمرر" کے علاوہ روسن میں چھاپ کر اس کی شرح بھی انگریزی میں ولایت میں لکھی گئی ہے۔ ہندوستان میں بنگالی، گجراتی، مرہٹی۔ ناگری وغیرہ وغیرہ کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ایک صاحب نے اس کو نظم بھی کیا ہے۔ تھیٹر میں بھی اس پلاٹ کا ایکٹ کیا جاتا ہو۔ کاپی قانون بھی اس کی اشاعت کو محدود نہ کر سکا۔ تاجروں نے نہ صرف قانون کی خلاف ورزی کی بلکہ تجارتی نفع کو مدنظر رکھتے ہوئے کم لاگت لگائی نہ کاغذ اچھا نہ طباعت اچھی، گویا کہ چاند کو گہن لگ گیا یوں سمجھئے کہ ایک خوبصورت دلہن کو گوڈر میں لپیٹ دیا۔ اب میں اس کتاب کو اصلی روپ میں ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کاغذ لکھائی چھپائی باوجود گرانی سامان کے سب سے بہتر ہے اور اسی وجہ سے قیمت بھی "ارزاں بعلت گراں بحکمت" کی مصداق ہے۔ مرآۃ العروس اور بنات النعش کا چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی دو سگی بہنیں ہیں۔ ایک کو چھپاؤ ایک کو نکالو۔ جو یہ سو وہ۔ جو وہ سو یہ۔ مگر ہاں

ع "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

جو مرآۃ العروس پڑھے اس پہ بنات النعش کا پڑھنا لازم ہو بلکہ جب تک توبۃ النصوح بھی نہ پڑھی جائے یہ کورس پورا نہ ہوگا۔ بنات النعش مستورات کیلئے واقفیت عامہ کا سہل نسخہ پیش کرتی ہے +

مُسلِم احمد
نبیرۂ مصنف

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

(نعمانی پریس ترکمان گیٹ دہلی)

نذیر احمد
مصنف
ٹائٹل
اردو ناول